فیض القطبی

لحل اسئلة

القطبی

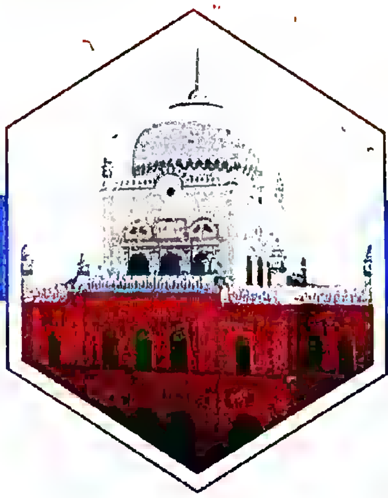

مرتب

محمد شہاب الدین قاسمی

باہتمام:

قاری فیض الحسن اعظمی

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب : فیض قطبی لحل اَسئلۃ قطبی

مرتّب : محمد شہاب الدین قاسمی

باہتمام : فیض الحسن اعظمی

صفحات : 232

ناشر : مکتبہ صوت القرآن دیوبند 01336-223460

ملنے کے پتے

کتب خانہ حمیدیہ، جامع مسجد دہلی	❖	شبلی کتاب گھر اعظم گڈھ
ثاقب بک ڈپو سنبھل	❖	دیوبند اسلامک بک اسٹور دیوبند

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

MAKTABA SAUTUL QURAN

Madani Market, Deoband. E-mail: faizulhasanazmi@gmail.com

Mob: 9358911053 Ph: 01336-223460

website: www.deobandtody.com/sautul-quran

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

انتساب

احقر اپنی اس کاوش کو مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے نام، کہ جہاں پر رہ کر بندہ اپنی تعلیمی پیاس بجھا رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تمام مشفق اساتذہ کے نام، کہ جنھوں نے حصولِ علم کی راہ میں کسی بھی طرح سے مدد کی ہو۔

نیز بندہ اپنی اس کاوش کو اپنے مشفق والدین کی طرف منسوب کرتا ہے، کہ جن کی مخصوص دعاؤں اور دیرینہ آرزوؤں نے اس قابل بنایا اور جن کی دعائیں زندگی کے تمام مراحل میں ساتھ رہیں۔

محمد شہاب الدین قاسمی

○❖○

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فہرست محل امتحان نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
انتساب		محل امتحان نمبر (۱۴)، قطبی: ص/۱۰	
بحث تصورات		محل امتحان نمبر (۱۵)، قطبی: ص/۱۰	
محل امتحان نمبر (۱)، قطبی: ص/۲		محل امتحان نمبر (۱۶)، قطبی: ص/۱۱	
محل امتحان نمبر (۲)، قطبی: ص/۲		محل امتحان نمبر (۱۷)، قطبی: ص/۱۳	
محل امتحان نمبر (۳)، قطبی: ص/۳		محل امتحان نمبر (۱۸)، قطبی: ص/۱۳	
محل امتحان نمبر (۴)، قطبی: ص/۳		محل امتحان نمبر (۱۹)، قطبی: ص/۱۴-۱۵	
محل امتحان نمبر (۵)، قطبی: ص/۵		محل امتحان نمبر (۲۰)، قطبی: ص/۱۵	
محل امتحان نمبر (۶)، قطبی: ص/۶		محل امتحان نمبر (۲۱)، قطبی: ص/۱۶	
محل امتحان نمبر (۷)، قطبی: ص/۷		محل امتحان نمبر (۲۲)، قطبی: ص/۱۹	
محل امتحان نمبر (۸)، قطبی: ص/۷		محل امتحان نمبر (۲۳)، قطبی: ص/۲۰	
محل امتحان نمبر (۹)، قطبی: ص/۸		محل امتحان نمبر (۲۴)، قطبی: ص/۲۲	
محل امتحان نمبر (۱۰)، قطبی: ص/۸		محل امتحان نمبر (۲۵)، قطبی: ص/۲۳	
محل امتحان نمبر (۱۱)، قطبی: ص/۱۰		محل امتحان نمبر (۲۶)، قطبی: ص/۲۳	
محل امتحان نمبر (۱۲)، قطبی: ص/۱۰		محل امتحان نمبر (۲۷)، قطبی: ص/۲۴	
محل امتحان نمبر (۱۳)، قطبی: ص/۱۰		محل امتحان نمبر (۲۸)، قطبی: ص/۲۴	

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حل امتحان نمبر (۲۹)، قطبی: ص/۲۴
حل امتحان نمبر (۳۰)، قطبی: ص/۲۷
حل امتحان نمبر (۳۱)، قطبی: ص/۲۷
حل امتحان نمبر (۳۲)، قطبی: ص/۲۸
حل امتحان نمبر (۳۳)، قطبی: ص/۲۸
حل امتحان نمبر (۳۴)، قطبی: ص/۲۸
حل امتحان نمبر (۳۵)، قطبی: ص/۳۰
حل امتحان نمبر (۳۶)، قطبی: ص/۳۱
حل امتحان نمبر (۳۷)، قطبی: ص/۳۱
حل امتحان نمبر (۳۸)، قطبی: ص/۳۱
حل امتحان نمبر (۳۹)، قطبی: ص/۳۲
حل امتحان نمبر (۴۰)، قطبی: ص/۳۲
حل امتحان نمبر (۴۱)، قطبی: ص/۳۴
حل امتحان نمبر (۴۲)، قطبی: ص/۳۴
حل امتحان نمبر (۴۳)، قطبی: ص/۳۴-۳۵
حل امتحان نمبر (۴۴)، قطبی: ص/۳۵
حل امتحان نمبر (۴۵)، قطبی: ص/۳۵
حل امتحان نمبر (۴۶)، قطبی: ص/۳۵
حل امتحان نمبر (۴۷)، قطبی: ص/۳۷
حل امتحان نمبر (۴۸)، قطبی: ص/۳۹
حل امتحان نمبر (۴۹)، قطبی: ص/۴۲
حل امتحان نمبر (۵۰)، قطبی: ص/۴۲
حل امتحان نمبر (۵۱)، قطبی: ص/۴۳
حل امتحان نمبر (۵۲)، قطبی: ص/۴۴
حل امتحان نمبر (۵۳)، قطبی: ص/۴۴
حل امتحان نمبر (۵۴)، قطبی: ص/۴۷
حل امتحان نمبر (۵۵)، قطبی: ص/۴۸
حل امتحان نمبر (۵۶)، قطبی: ص/۵۰
حل امتحان نمبر (۵۷)، قطبی: ص/۵۲
حل امتحان نمبر (۵۸)، قطبی: ص/۵۶
حل امتحان نمبر (۵۹)، قطبی: ص/۵۸
حل امتحان نمبر (۶۰)، قطبی: ص/۵۹
حل امتحان نمبر (۶۱)، قطبی: ص/۶۱
حل امتحان نمبر (۶۲)، قطبی: ص/۶۲
حل امتحان نمبر (۶۳)، قطبی: ص/۶۴
حل امتحان نمبر (۶۴)، قطبی: ص/۶۵

بحث تصدیقات

حل امتحان نمبر (۶۵)، قطبی: ص/۶۶
حل امتحان نمبر (۶۶)، قطبی: ص/۶۹
حل امتحان نمبر (۶۷)، قطبی: ص/۷۰
حل امتحان نمبر (۶۸)، قطبی: ص/۷۰
حل امتحان نمبر (۶۹)، قطبی: ص/۷۱

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حل امتحان نمبر(۷۰)، قطبی: ص/۷۲
حل امتحان نمبر(۷۱)، قطبی: ص/۷۲
حل امتحان نمبر(۷۲)، قطبی: ص/۷۳
حل امتحان نمبر(۷۳)، قطبی: ص/۷۴
حل امتحان نمبر(۷۴)، قطبی: ص/۷۶
حل امتحان نمبر(۷۵)، قطبی: ص/۷۷
حل امتحان نمبر(۷۶)، قطبی: ص/۸۳
حل امتحان نمبر(۷۷)، قطبی: ص/۸۵
حل امتحان نمبر(۷۸)، قطبی: ص/۸۶-۸۷
حل امتحان نمبر(۷۹)، قطبی: ص/۹۱
حل امتحان نمبر(۸۰)، قطبی: ص/۹۵
حل امتحان نمبر(۸۱)، قطبی: ص/۱۰۰
حل امتحان نمبر(۸۲)، قطبی: ص/۱۰۲
حل امتحان نمبر(۸۳)، قطبی: ص/۱۰۸
حل امتحان نمبر(۸۴)، قطبی: ص/۱۱۱
حل امتحان نمبر(۸۵)، قطبی: ص/۱۱۴
حل امتحان نمبر(۸۶)، قطبی: ص/۱۱۹
حل امتحان نمبر(۸۷)، قطبی: ص/۱۲۱
حل امتحان نمبر(۸۸)، قطبی: ص/۱۲۵
حل امتحان نمبر(۸۹)، قطبی: ص/۱۳۲
المصطلاحات المفیدہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محل امتحان نمبر (۱)، قطبی: ص ۲

(الف) عبارت بااعراب: وَشَرَحْتُهَا شَرْحًا كَشَفَ الْأَصْدَافَ عَنْ وُجُوْهِ فَرَائِدِ فَوَائِدِهَا وَنَاطَ اللَّآلِيَ عَلٰى مَعَاقِدِ قَوَاعِدِهَا وَضَمَمْتُ إِلَيْهَا مِنَ الْأَبْحَاثِ الشَّرِيْفَةِ وَالنُّكَتِ اللَّطِيْفَةِ مَاخَلَتِ الْكُتُبُ عَنْهُ وَلَابُدَّ مِنْهُ بِعِبَارَاتٍ رَائِقَةٍ تُسَابِقُ مَعَانِيْهَا الْأَذْهَانُ وَتَقْدِيْرَاتٍ شَائِقَةٍ يُعْجِبُ اِسْتِمَاعُهَا الْأَذَانَ وَسَمَّيْتُهُ بِتَحْرِيْرِ الْقَوَاعِدِ الْمَنْطِقِيَّةِ فِيْ شَرْحِ الرِّسَالَةِ الشَّمْسِيَّةِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) تشریح کیجیے۔ (د) حل لغات پیش کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور میں نے اس کی ایسی شرح لکھی جس نے اس رسالہ کے فوائد کے یکتا موتیوں کے چہروں سے سیپوں کو ہٹا دیا، اور اس رسالہ کے قواعد کی گردنوں پر موتیوں کا ہار لٹکا دیا، اور میں نے اس رسالہ میں کچھ عمدہ بحثوں اور باریک نکتوں کو بھی ملا لیا ہے جس سے (اس فن کی) عام کتابیں خالی ہیں؛ حالاں کہ ان کا (ذکر کرنا بھی) ضروری ہے ایسی خوش کن اور پسندیدہ عبارت کے ساتھ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جن کے معانی کی طرف ذہن سبقت کرے اور ایسی عمدہ اور دلچسپ تقریروں کے ساتھ جن کا بغور سننا کانوں کو بھلا معلوم ہو اور میں نے اس شرح کا نام "تَحْرِيْرُ الْقَوَاعِدِ الْمَنْطِقِيَّةِ فِيْ شَرْحِ الرِّسَالَةِ الشَّمْسِيَّةِ" رکھا۔

(ج) تشریح:

اس عبارت میں شارحؒ نے اس کتاب کے طرزِ تصنیف کو بتایا ہے؛ چناں چہ فرمایا: کہ میں اس کی ایک ایسی شرح لکھوں گا جو بہت ہی آسان اور مغلق اور پیچیدہ مسائل کی دلکش تشریح کے ساتھ ساتھ مزید ان علمی مباحث اور تحقیقات پر مشتمل ہوگی جن کی طرف اذہان سبقت کریں گے اور وہ استفادہ کرنے والوں کے لیے خوش کن اور بھلی معلوم ہوگی؛ چناں چہ میں نے شرح کا کام کیا اور اس شرح کا نام "تحرير القواعد المنطقية في شرح الرِّسالة الشّمسيّة" رکھا۔

(د) حلِ لغات:

أَصْدَاف: صدف کی جمع ہے، بمعنیٰ سمندر کی موجیں سیپیں۔

فرائد: جمع فريدة یکتا موتی، قیمتی موتی۔

نَاطَ: از بابِ (ن) واحد مذکر غائب بمعنیٰ اس نے لٹکا دیا۔

اللآلِي: جمع لُؤْلُؤٍ بمعنیٰ موتی، اور لُؤْلُؤٌ لُؤْلُؤة کی جمع ہے۔

معاقِدُ: جمع معقد بمعنیٰ گردن، گرہ باندھنے کی جگہ۔

ضممت إليها: میں نے اس میں شامل کیا، ملایا۔

ابحاث: جمع بحث، بمعنیٰ کھودنا، کریدنا، تحقیق کرنا، کلام کو اس اعتبار سے کہ اس میں غور وفکر کیا جاتا ہے، مبحث کہتے ہیں۔

النکت: جمع نُكْتَةٍ، لغت میں داغ اور دھبہ کو کہتے ہیں جو آئینہ یا تلوار میں ہو اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وہ چوں کہ بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، اسی لیے اس مشکل مسئلہ کو نکتہ کہتے ہیں جو دقتِ نظر سے حاصل ہو۔ ماخلتِ الكتب عنه: یہ ضممت کا مفعول لہ ہے، وسَمَّيْتُهُ بِتَحْرِيْرٍ، تحریر از باب تفعیل مصدر ہے، اس کے لغوی معنیٰ آتے ہیں آزاد کرنے اور رہا کرنے کے، وہ بیان جو حشو وزوائد سے خالی ہو، شارحؒ نے لفظ تحریر لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ شرح حشو وزوائد اور غیر ضروری باتوں سے خالی ہے۔

محل امتحان نمبر (۲)، قطبی: ص ۲/

(ششماہی امتحان ۱۴۱۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَخَدَمْتُ بِهَا عَالِيْ حَضْرَةِ مَنْ خَصَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالنَّفْسِ الْقُدْسِيَّةِ وَالرِّيَاسَةِ الْإِنْسِيَّةِ وَجَعَلَهُ بِحَيْثُ يَتَصَاعَدُ بِتَصَاعُدِ رُتْبَتِهِ مَرَاتِبُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ، وَيَتَطَاطَأُ دُوْنَ سُرَادِقَاتِ دَوْلَتِهِ رِقَابُ الْمُلُوْكِ وَالسَّلَاطِيْنِ، وَهُوَ الْمَخْدُوْمُ الْأَعْظَمُ، دُسْتُوْرُ أَعَاظِمِ الْوُزَرَاءِ فِي الْعَالَمِ، صَاحِبُ السَّيْفِ وَالْقَلَمِ، سَبَّاقُ الْغَايَاتِ فِيْ نَصْبِ رَأْيَاتِ السَّعَادَاتِ، الْبَالِغُ فِيْ إِشَاعَةِ الْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ بِأَقْصَى النِّهَايَاتِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) حل لغات لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور میں نے اس شرح کے ذریعہ اس شخص کی بارگاہِ عالی کی خدمت کی ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ نفس اور انسانی حکومت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور اس کو ایسا بنادیا ہے کہ اس کے مرتبہ کی بلندی سے دین و دنیا کے مراتب بلند ہوتے ہیں اور اس کی دولت کے خیموں کے سامنے بادشاہوں اور سلاطین کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور وہ بڑے مخدوم ہیں، دنیا کے بڑے بڑے وزراء کے مرجع ہیں، صاحبِ سیف وقلم ہیں، نیک بختیوں کے جھنڈے نصب کرنے میں تمام انتہاؤں میں بہت زیادہ آگے بڑھنے والے ہیں اور انصاف واحسان کے پھیلانے میں انتہاء کو پہونچے ہوئے ہیں۔

(ج) حل لغات:

خدمت: یہ باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے، خدمت کرنا۔ به: کی ضمیر کا مرجع "شرح" ہے۔ عالي حضرة: لفظ عالی کی اضافت حضرۃ کی طرف اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے، یعنی عالی صفت اور حضرۃ موصوف ہے، اصل عبارت اس طرح ہے "حضرة عالية" عالی بارگاہ، بلند درگاہ۔ نفس: جان، جمع نفوس، انفس. القدسية: یہ نفس کی صفت ہے، نفس چوں کہ مؤنث ہے؛ اس لیے اس کی صفت "القدسية" مؤنث لائی گئی ہے، القدسية میں یاء نسبتی ہے "قدس" کی طرف منسوب ہے، اس کے لغوی معنیٰ ہیں پاک ہونا، اور اصطلاحی معنیٰ ہیں: اَلْقُوَّةُ الْمُفَكِّرَةُ بِحَيْثُ تَظْهَرُ عَلَيْهَا الْمَعَانِي الْغَيْبِيَّةُ بِأَدْنٰى اِلْتِفَاتٍ مِنْ غَيْرِ اِسْتِعْمَالِ الْمُقَدَّمَاتِ وَتَرْكِيْبِ الْقِيَاسَاتِ، یعنی وہ سوچنے والی قوت جس کے سامنے اُمورِ غیبیہ ادنیٰ توجہ سے ظاہر ہوجائیں، مقدمات اور قیاسات کی ترکیب کے استعمال کے بغیر۔ الرِّيَاسَة الْإنسانية: انسانی حکومت، الانسيّة میں یاء نسبتی ہے یہ انس کی طرف منسوب ہے، شارح نے الرّياسة الإنسيّة سے قوتِ علمیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور النفس القدسية سے قوتِ عملیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یتصاعد: باب تفاعل سے واحد مذکر غائب فعل مضارع ہے، بلند ہوتا ہے، چڑھتا ہے۔ الدنیا: واحد مؤنث اسم تفضیل ہے، باب نصر اور سمع دونوں سے آتا ہے۔ الدین: دین کے لغوی معنیٰ ہیں اطاعت وفرماں برداری کرنا، حساب، ملکیت، قدرت، حکم، مذہب، ملّت، حالت، عادت، سیرت، تدبیر، نافرمانی، گناہ، مجبوری، پرہیزگاری، بدلہ، قہر وغلبہ ولذت، جمع ادیان. دین کی اصطلاحی تعریف بایں الفاظ کی گئی ہے: هُوَ وَضْعٌ إِلٰهِيٌّ سَائِقٌ لِذَوِي العقُولِ باختيارهم المحمُودِ إلىٰ الخير بالذَّاتِ، یعنی دین وہ قانونِ الٰہی ہے جو ذوی العقول کو ان کے اختیار محمود سے خیر بالذات کی طرف لے جائے۔ یتطأطأ: یہ باب تفعل سے واحد مذکر غائب فعل مضارع ہے، سرنگوں ہوتا ہے، جھک جاتا ہے۔ دون: اس کے مختلف معانی آتے ہیں: نیچے، آتے، غیر، گھٹیا، حقیر، کم مرتبہ، شریف۔ سُرَادقات: سُرادق کی جمع ہے، خیمہ، شامیانہ، سراپردہ۔ دَولةٌ: حکومت، جمع دُول. قانون، ضابطہ۔ یہاں دستور مرجع کے معنیٰ میں ہے۔ اعاظم: اعظم کی جمع ہے، بڑا۔ وزراء: وزیر کی جمع ہے، دیوان منتری، اُمورِ شاہی کا باربردار۔ صاحبُ السیف والقلم: وہ بادشاہ مجاہد بھی ہے اور مصنف بھی۔ سیف: تلوار، جمع سیوف، اسیاف، مسیفة. قلم: لکھنے کا آلہ، جمع اقلام. سبّاق: مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت زیادہ سبقت کرنے والے، آگے بڑھنے والے۔ الغایات: غایة کی جمع ہے انتہاء. نصب: باب ضرب کا مصدر ہے، کھڑا ہونا، گاڑنا۔ رایات: رایةٌ کی جمع ہے، جھنڈا۔ السعادات: سعادةٌ کی جمع ہے، سعادة باب سمع کا مصدر ہے، نیک بخت ہونا۔ اشاعة: یہ بابِ افعال کا مصدر ہے اصل میں إِشْيَاعَةٌ تھا، یاء کی حرکت نقل کر کے شین کو دے دی گئی اور یاء کو الف سے بدل دیا، پھر اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے ایک الف کو حذف کر دیا اور آخر میں تاءِ عوض لائی گئی إِشاعةٌ ہوگیا۔ العدل: باب ضرب کا مصدر ہے، انصاف کرنا۔ الاحسان: باب افعال کا مصدر ہے، نیکی کرنا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۳)، قطبی: ص ۳/

(ششماہی امتحان ۱۴۲۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَبْدَعَ نِظَامَ الْوُجُوْدِ وَ اخْتَرَعَ مَاهِيَاتِ الْأَشْيَاءِ بِمُقْتَضَى الْجُوْدِ، وَ أَنْشَأَ بِقُدْرَتِهِ أَنْوَاعَ الْجَوَاهِرِ الْعَقْلِيَّةِ، وَ أَفَاضَ بِرَحْمَتِهِ مُحَرِّكَاتِ الْأَجْرَامِ الْفَلَكِيَّةِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق کیجیے، نیز الأجرام الفلكيّة کی مراد لکھیں۔

(د) منطق کی تعریف کیجیے۔ (ہ) حمد کی تعریف کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے انوکھے انداز میں ممکنات کے وجود کا نظام قائم فرمایا اور اپنی جود وسخا کے تقاضہ سے اشیائے کائنات کی ماہیتوں کو وجود بخشا اور اپنی قدرت سے جواہرِ عقلیہ کی انواع کو پیدا کیا اور اپنی رحمت سے اجرامِ فلکیہ کے محرکات کا فیضان فرمایا۔

(ج) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق:

اَبْدَعَ: افعال سے فعل ماضی ہے، ابداع کے معنی آتے ہیں بغیر مادہ کے پہلی بار کسی چیز کو پیدا کرنا۔

اِخْتَرَعَ: یہ افتعال سے فعل ماضی ہے، اختراع کے معنی آتے ہیں کسی چیز کو ایجاد کرنا، خواہ وہ چیز مادی ہو یا غیر مادی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ماھیات: ماہیت کی جمع ہے، ماہیت کہتے ہیں ان چیزوں کو جن کے آپس میں ملنے سے کوئی شئ وجود میں آئے، جیسے حیوانِ ناطق، انسان کی ماہیت ہے۔

مُقْتَضٰی: افتعال سے اسم مفعول ہے، اقتضا کے معنیٰ ہیں چاہنا، تقاضہ کرنا۔

اَنْشَأَ: افعال سے ماضی ہے، انشاء کے معنیٰ آتے ہیں وجود میں لانا، پیدا کرنا۔

أَنْوَاع: نوع کی جمع ہے بمعنیٰ قسم۔

جواھر: جوہر کی جمع ہے، جوہر قائم بالذات کو کہتے ہیں، یعنی جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو، جیسے: جسم۔

اَفَاضَ: افعال سے ماضی ہے، بخشش کرنا، عطا کرنا۔

مُحَرِّکَات: محرکۃ کی جمع ہے، اسم فاعل از تفعیل، حرکت کرنے والیاں۔

اجرام: جِرم بکسر الجیم کی جمع ہے، جسم، بدن، ٹکیہ۔

الفلک الأجرامیة کی مراد:

الفلک الأجرامیة سے مراد تمام آسمان نجوم وکواکب ہیں۔

(د) منطق کی تعریف:

هُوَ اٰلَةٌ قَانِيَةٌ تَعْصِمُ هُوَ مُرَاعَاتُهَا الذِّهْنَ عَنِ الْخَطَاءِ فِي الْفِكْرِ.

ترجمہ: یعنی وہ ایک ایسا قانونی آلہ ہے جس کی رعایت کرنا ذہن کو خطا فی الفکر سے بچاتا ہے۔

(ہ) حمد کی تعریف:

تعظیم اور اکرام کے ارادہ سے زبان سے تعریف کرنا، وہ تعریف نعمت کے مقابلے میں ہو یا غیر نعمت کے مقابلے میں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۴)، قطبی: ص ۳

(ششماہی امتحان ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت با اعراب: أَقُوْلُ الرِّسَالَةُ مُرَتَّبَةٌ عَلٰى مُقَدَّمَةٍ وَثَلٰثِ مَقَالَاتٍ وَخَاتِمَةٍ أَمَّا الْمُقَدَّمَةُ فَفِي مَاهِيَةِ الْمَنْطِقِ وَبَيَانِ الْحَاجَةِ، إِلَيْهِ وَمَوْضُوْعِه وَأَمَّا الْمَقَالَاتُ فَأَوَّلُهَا فِي الْمُفْرَدَاتِ وَالثَّانِيَةُ فِي الْقَضَايَا وَأَحْكَامِهَا وَالثَّالِثَةُ فِي الْقِيَاسِ وَأَمَّا الْخَاتِمَةُ فَفِيْ مَوَادِ الْأَقْيِسَةِ وَأَجْزَاءِ الْعُلُوْمِ۔

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) حل لغات وتحقیق لکھیے۔ (د) تشریح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

میں کہتا ہوں کہ رسالہ شمسیہ ایک مقدمہ، تین مقالوں اور ایک خاتمہ پر مرتب ہے، بہر حال مقدمہ پس وہ منطق کی ماہیت، اس کی ضرورت اور اس کے موضوع کے بیان میں ہے، اور بہر حال مقالات (تین ہیں) پس پہلا مقالہ مفردات (کے بیان) میں ہے اور دوسرا قضایا اور ان کے احکام (کے بیان) میں ہے اور تیسرا قیاس (کے بیان) میں ہے اور بہر حال خاتمہ تو وہ قیاسات کے مادّوں اور علوم کے اجزاء (کے بیان) میں ہے۔

(ج) حل لغات وتحقیقات:

الرِّسالة: ماتن کے قول "ورتبته" کی ضمیر کا مرجع رسالہ ہے یا کتاب؟ شارح کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عبارت الرِّسالۃُ مرتّبۃ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرجع رسالہ ہے؛ کیوں کہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ جب ضمیر کے اندر دونوں احتمال ہوں تو اس کا مرجع قریب بھی ہوسکتا ہے اور بعید بھی، تو قریب کو مرجع بنانا متعین ہوجاتا ہے اور قریبی مرجع رسالہ ہے نہ کہ کتاب؛ اس لیے رسالہ کو مرجع بنایا جائے گا؛ مگر اس میں ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ الرِّسالۃ مؤنث ہے اور رتّبتہ میں ضمیر مذکر ہے، اور قاعدہ ہے کہ مؤنث کی جانب مؤنث ہی کی ضمیر لوٹتی ہے، اگر چہ مؤنث لفظی ہی کیوں نہ ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور تو یہی ہے؛ لیکن اس قاعدہ سے وہ مؤنث لفظی مستثنیٰ ہے جو علاماتِ تانیث کے بغیر معنیٰ کا فائدہ نہ دے، جیسے: رحمۃ، برکۃ، ترکۃ. دوسرا جواب یہ ہے کہ دراصل ضمیر کا مرجع "رسالۃ" نہیں ہے؛ بلکہ کتاب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ماتن کے قول "ورتّبتہ" کا عطف وسمّیتہ پر ہے اور سمّیتہ کی ضمیر کا مرجع کتاب ہے، تو رتّبتہ کی ضمیر کا مرجع بھی کتاب ہی کو قرار دیا جائے؛ تاکہ ثبتہ، کتابۃ، سمّیتہ، رتّبتہ کی ضمیر کا مرجع ایک ہوجائے، رہی شارح کی عبارت تو اس سے شارح کا مقصد ضمیر کا مرجع بیان کرنا نہیں ہے؛ بلکہ ماتن کے کلام کا حاصل اور خلاصہ بیان کرنا مقصد ہے، جس کا نکتہ یہ ہے کہ وہ اوّل مرتبہ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ماتن کی کتاب بہت ہی مختصر ہے؛ کیوں کہ رسالہ کلام کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو دوسروں کے پاس بھیجا جائے، اور کتاب کلام کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس سے استفادہ کے لیے خود حاضر ہوں۔ مُلّا عصام الدین نے اپنے حاشیہ میں شارح کی عبارت کا یہ مقصد بتایا ہے کہ کتاب کی ترتیب پہلے ہوچکی ہے، حالاں کہ پہلے کتاب کی ترتیب ہوئی ہی نہیں؛ بلکہ بعد میں ہوئی ہے، شارح نے مرتبہ لاکر بتلادیا کہ یہاں فعل ماضی اپنے معنیٰ پر محمول نہیں ہے؛ بلکہ اس کو ماضی سے خالی کرلیا گیا ہے، دلیل یہ ہے کہ: ہ افعال جو مقام تعریفات میں واقع ہوں معنیٰ ماضی سے ان کو خالی کرلیا جاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قولہ مقدمۃ: لفظ مقدمہ کو دال کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، پہلی صورت میں اس کا مشتق منہ وہ قدم بھی ہوسکتا ہے جو تقدم لازم کے معنیٰ میں ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مقدمہ اپنے جاننے والے کو اس پر مقدم کرنے والا ہے جو اس کو نہیں جانتا، یعنی اگر کسی نے مقدمۃ الکتاب کو جان لینے کے بعد کتاب کو شروع کی تو اس کتاب کو پڑھنے میں جس قدر بصیرت اس کو حاصل ہوگی نہ جاننے والے کو اس قدر بصیرت حاصل نہ ہوگی اور جب مقدمہ کو دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا مشتق منہ صرف قدم متعدی ہوگا اور معنیٰ ہوں گے آگے کیا ہوا، پس مصنف کتاب مقدمۂ کتاب کو چوں کہ کتاب سے آگے اور مقدم ذکر کرتا ہے؛ اس لیے اس کو مقدم کیا گیا۔

لفظ مقدمہ "مقدمۃ الجیش" سے ماخوذ ہے اور مقدمۃ الجیش لشکر کا وہ حصہ اور جماعت ہے جو میدانِ جنگ کی طرف قیام وطعام اور دیگر سہولیات مہیا کرنے کے لیے جگہ کی تلاش میں لشکر سے پہلے بھیج دیا جاتا ہے، اسی طرح مقدمۃ الکتاب کو بھی کتاب سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے، اسی مناسبت کی وجہ سے مقدمہ کو مقدمۃ الجیش سے ماخوذ قرار دیا گیا ہے۔

مقدمہ کی قسمیں: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں: ۱-مقدمۃ الکتاب ۲-مقدمۃ العلم

مقدمۃ العلم: ان اُمور کو کہا جاتا ہے جن پر اس علم کے مسائل کا سمجھنا موقوف ہو، مثلاً علم کی تعریف، اس کا موضوع، اس کی غرض وغایت، پس یہ اُمورِ ثلاثہ جس مقدمہ میں بیان کیے جائیں اس کو مقدمۃ العلم کہتے ہیں۔

مقدمۃ الکتاب: کلام کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو کتاب میں مذکور ہو اور کتاب کے اصل مضامین سے پہلے ذکر کیا گیا ہو، محض اس وجہ سے کہ وہ مجموعۂ کلام اصل مضامین سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا ذکر کرنا مقصود کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

سوال: اس جگہ کون سا مقدمہ مراد ہے؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: اس جگہ مقدمۃ العلم مراد ہے؛ کیوں کہ مصنفت نے اس مقدمہ میں علم کی تعریف، غرض وغایت اور موضوع بیان کیا ہے، اور جس میں یہ اُمور مذکور ہوتے ہیں اس کو مقدمۃ العلم کہا جاتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں مقدمۃ العلم مراد ہے۔

محل امتحان نمبر (۵)، قطبی: ص ۵ر

(ششماہی امتحان ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَلَمَّا كَانَ بَيَانُ الْحَاجَةِ إِلٰى الْمَنْطِقِ يَنْسَاقُ إِلٰى مَعْرِفَتِهِ بِرَسْمِهٖ أَوْرَدَهُمَا فِيْ بَحْثٍ وَاحِدٍ، وَصَدَرَ الْبَحْثَ بِتَقْسِيْمِ الْعِلْمِ إِلٰى التَّصَوُّرِ فَقَطْ، وَالتَّصْدِيْقِ لِتَوَقُّفِ بَيَانِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اَلْعِلْمُ إِمَّا تَصَوُّرٌ فَقَطْ، وَهُوَ حُصُوْلُ صُوْرَةِ الشَّيْءِ فِي الْعَقْلِ أَوْ تَصَوُّرٌ مَعَهُ حُكْمٌ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت کا مطلب بیان کرتے ہوئے منطق کی ضرورت ثابت کیجیے، تصور مطلق بمعنیٰ علم، تصور ساذج اور حکم وتصور معہ الحکم کی تعریف مع مثال لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور جب کہ منطق کی حاجت کا بیان منطق کی معرفت برسمہ کی طرف لے جاتا ہے تو مصنف رحمہ اللہ ان دونوں کو ایک بحث میں لے کر آئے اور بحث کو شروع کیا علم کی تصور فقط اور تصدیق کی طرف تقسیم کر کے، منطق کی ضرورت کے اس (تقسیم) پر موقوف ہونے کی وجہ سے؛ چناں چہ مصنف رحمہ اللہ نے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فرمایا: "اَلْعِلْمُ إِمَّاتَصَوُّرٌ فَقَطْ إلخ" علم یا تو تصور فقط ہوتا ہے اور وہ کسی شی کی صورت کا عقل میں آنا ہے یا ایسا تصور ہوتا ہے جس میں حکم ہو۔

(ج) عبارت کا مطلب، منطق کی ضرورت اور تصور مطلق بمعنیٰ علم، تصور ساذج اور حکم و تصور معہ الحکم کی تعریف مع مثال:

مذکورہ عبارت کا پہلا حصہ شرح کا ہے، جب کہ دوسرا حصہ متن کا ہے، شارح نے اپنی عبارت میں دو سوالوں کے جواب دیئے ہیں۔

پہلا سوال: یہ ہے کہ ماتن رحمہ اللہ مقدمۃ العلم کو شروع کر رہے ہیں اور مقدمۃ العلم کا مصداق تین چیزیں ہوتی ہیں: (۱) علم کی تعریف (۲) علم کی ضرورت و غایت (۳) علم کا موضوع

لہٰذا یہاں پر منطق کی تعریف، منطق کی ضرورت اور منطق کا موضوع بیان ہونا ہے، تو ماتن رحمہ اللہ کو چاہیے تھا کہ تینوں کو الگ الگ بحث میں بیان کرتے، یا اگر دو کو ایک بحث میں اور ایک کو ایک بحث میں بیان کرنا ہی تھا، تو منطق کی تعریف اور موضوع کو ایک جگہ بیان کر دیتے یا منطق کی ضرورت اور منطق کے موضوع کو ایک ساتھ بیان کر دیتے اور تیسری چیز کو دوسری بحث میں بیان کر دیتے؛ مگر ماتن رحمہ اللہ نے ایسا نہ کر کے منطق کی تعریف اور اس کی ضرورت کو ایک ساتھ بیان کیا ہے، تو آخر ایسا کیوں؟

دوسرا سوال: یہ ہے کہ چلیے اگر ان دو چیزوں کو ایک ساتھ بیان کرنا ہی تھا تو بحث کی شروعات ان میں سے کسی ایک سے کرتے، یعنی کسی کی تعریف و تقسیم کرتے؛ حالاں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایسا نہیں؛ بل کہ علم کی تقسیم ماتن رحمہ اللہ فرما رہے ہیں، تو گویا کہ اصل مقصود کو چھوڑ کر غیر مقصود علم کی تقسیم سے بحث کا آغاز فرما رہے ہیں، تو ایسا کیوں؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پہلے سوال کا جواب: شارح رحمہ اللہ نے جو دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ منطق کی ضرورت کے بیان کر دینے اور سمجھ لینے سے منطق کی معرفت بالرسم حاصل ہو جاتی ہے، یعنی منطق کی رسم معلوم ہو جاتی ہے، تو گویا کہ ضرورت الی المنطق کا بیان معاون و مددگار ہوتا ہے منطق کی رسم کے لیے، تو اس مناسبت کی وجہ سے دونوں کو ایک جگہ ایک بحث میں ماتن نے بیان کیا ہے اور پہلے ضرورتِ منطق کو ثابت کیا ہے، تا کہ پھر منطق کی رسم خود بخود بآسانی سمجھ میں آجائے۔

دوسرے سوال کا جواب: جو شارح نے دیا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ اصل مقصود تو بیشک یہی تین چیزیں ہیں جو معترض نے پیش کی ہیں؛ لیکن یہ غیر مقصود چیز (علم کی تقسیم) دراصل مقصود کے لیے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتی ہے؛ اس لیے بحث کا آغاز علم کی تقسیم سے کیا ہے، یعنی اصل مقصود تو منطق کی ضرورت کا اثبات اور بیان ہے؛ لیکن یہ موقوف ہے علم کی تقسیم در تقسیم پر اور قاعدہ ہے کہ پہلے موقوف علیہ کا بیان ہوتا ہے پھر بعد میں موقوف کا، تو اس وجہ سے پہلے علم کی تقسیم کی، چنانچہ ماتن رحمہ اللہ نے ضرورت الی المنطق کو ثابت کرنے کے لیے اوّلاً تو یوں فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تصور فقط (۲) تصور مع الحکم

پھر آگے چل کر فرمایا کہ تمام تصور و تصدیق بدیہی نہیں اور اسی طرح تمام نظری نہیں؛ بل کہ بعض تصور و تصدیق بدیہی اور دیگر بعض نظری ہیں اور ان ہی بدیہیات سے نظریات کو حاصل کیا جاتا ہے، یعنی تصور بدیہی سے تصور نظری کو اور تصدیق بدیہی سے تصدیق نظری کو حاصل کیا جاتا ہے (اسی کا نام نظر و فکر ہے) پھر اس نظر و فکر میں کبھی غلطی واقع ہو جاتی ہے، اسی غلطی سے حفاظت کے لیے منطق کی ضرورت ہے، تو اس طرح ضرورت الی المنطق ثابت ہو جائے گی جو کہ اصل مقصود ہے؛ اس لیے ماتن رحمہ اللہ نے پہلے ان تمہیدی مقدمات کو بیان کیا اور بحث کا آغاز علم کی تقسیم سے کیا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

رہا سوال یہ کہ ضرورت الی المنطق سے منطق کی رسم کیسے معلوم ہوتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ منطق کی غرض وغایت "اَلْعِصْمَةُ عَنِ الْخَطَاِ فِي الْفِكْرِ" ہے اور یہ منطق کا خاصہ ہے اور ہر شی کا خاصہ اس کی رسم ہوتا ہے؛ لہٰذا یہی خاصہ منطق کی رسم ہوگا؛ چنانچہ منطق کی رسم یوں بیان کی جاتی ہے: "هُوَ آلَةٌ قَانُونِيَّةٌ تَعْصِمُ مُرَاعَاتُهَا الذِّهْنَ عَنِ الْخَطَأِ فِي الْفِكْرِ"، تو اس طرح ضرورت الی المنطق کے بیان سے منطق کی رسم معلوم ہو جاتی ہے۔

تصور معه الحكم: یعنی ایسا تصور جس کے ساتھ اثبات یا نفی کا حکم بھی ہو، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ (زید کھڑا ہے) زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ (زید کھڑا نہیں ہے) اوّل مثال میں اثبات کا، دوسری مثال میں نفی کا حکم ہے، تو یہ تصور معہ الحکم ہے۔

محل امتحان نمبر (۶)، قطبی: ص/۶

(سالانہ امتحان ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَإِنَّمَا عَرَّفَ مُطْلَقَ التَّصَوُّرِ دُوْنَ التَّصَوُّرِ فَقَطْ، مَعَ أَنَّ الْمَقَامَ يَقْتَضِي تَعْرِيْفَهُ تَنْبِيْهًا عَلٰى أَنَّ التَّصَوُّرَ كَمَا يُطْلَقُ فِيْمَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عَلٰى مَا يُقَابِلُ التَّصْدِيْقَ، أَعْنِي التَّصَوُّرَ السَّاذِجَ، كَذٰلِكَ يُطْلَقُ عَلٰى مَا يُرَادِفُ الْعِلْمَ وَيَعُمُّ التَّصْدِيْقَ، وَهُوَ مُطْلَقُ التَّصَوُّرِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت کا مطلب بیان کریں، نیز مطلق تصور اور تصور ساذج کی تعریف الگ الگ کر کے فرق واضح کریں۔

(د) حکم کی تعریف کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

اور مصنف رحمہ اللہ نے مطلق تصور کی تعریف کی نہ کہ تصور فقط کی، باوجود اِس بات کے کہ مقام اس کی تعریف کا تقاضا کرتا ہے، اِس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ تصور جس طرح تصدیق کے مقابل تصور ساذج پر بولا جاتا ہے جو مناطقہ میں مشہور ہے، تو اسی طرح اس پر بھی بولا جاتا ہے جو علم کا مرادِف ہے اور تصدیق کو عام ہے اور وہ مطلق تصور ہے۔

(ج) عبارت کا مطلب مع دیگر جزئیات:

مذکورہ عبارت میں شارح نے ماتن کی طرف سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ ماتن نے ماقبل میں علم کی دو قسمیں کی ہیں:

(۱) تصور فقط (۲) تصور مع الحکم

اور تصور فقط کے بعد یہ عبارت لائے ہیں: "وَهُوَ حُصُوْلُ صُوْرَةِ الشَّيْءِ فِي الْعَقْلِ" اور آپ (شارح) نے یہ بتایا ہے کہ یہ تعریف تصور فقط کی نہیں ہے؛ بلکہ مطلق تصور کی ہے، تو اعتراض یہ ہے کہ علم کی ایک قسم کے بعد جو یہ تعریف آرہی ہے تو اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ تعریف اسی قسم (تصور فقط) کی ہو، نہ کہ مطلق تصور کی، تو پھر اس کو مطلق تصور کی تعریف کیوں قرار دیا گیا؟ گویا کہ ماتن نے تصور فقط کی تعریف نہ کر کے مطلق تصور کی تعریف کیوں کی؟

تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ دراصل ایسا کرنے میں ایک نکتہ ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ماتن تصور مطلق کی تعریف کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ لفظ تصور کا اطلاق مناطقہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کی شہرت کے مطابق صرف تصدیق کے مقابل اور اس کی قسم (تصور ساذج) پر ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ تصور کا اطلاق علم کے مرادف مطلق تصور پر بھی ہوتا ہے جو تصدیق کا مقابل نہیں ہے؛ بلکہ تصدیق سے عام یعنی اس کا مَقسَم ہے۔

تصور ساذج کی تعریف:

تصور ساذج: تصور فقط کو کہتے ہیں، یعنی ایسا تصور جس میں حکم نہ ہو، یعنی کہ جو مقید ہو عدمِ حکم کی قید سے، یعنی سیدھا سادہ تصور۔

اس کے بالمقابل تصور بالحکم ہے، یعنی ایسا تصور جس میں حکم ہو، یعنی ایسا تصور جو مقید ہو وجودِ حکم کی قید سے، اسی کو تصدیق کہتے ہیں۔

مطلق تصور: "حُـصُـوْلُ صُوْرَةِ الشَّيْءِ فِي الْعَقْلِ" کو کہتے ہیں، یعنی کسی شی کی صورت کا عقل میں مرتسم اور نقش ہو جانا، ٹھیک اس طرح جیسا کہ آئینہ میں کسی شی کی صورت آجاتی ہے۔

فرق: البتہ عقل و آئینہ میں فرق یہ ہے کہ آئینہ میں صرف محسوسات و مبصرات اشیاء کی صورتیں آتی ہیں اور عقل میں محسوسات کی طرح معقولات کی صورتیں بھی نقش ہو جاتی ہیں۔

(د) حکم کی تعریف:

حکم: "إِسْـنَـادُ أَمْرٍ إِلَـى أَمْـرٍ آخَرَ إِيْجَـابًـا أَوْسَلْبًـا" یعنی ایک امر کی دوسرے امر کی طرف ایجابی یا سلبی نسبت کرنے کو حکم کہتے ہیں، ایجابی نسبت کرنے کا مطلب ہے نسبت کو ثابت کرنا، جیسے: "اَلْإِنْسَانُ كَاتِبٌ" (انسان کاتب ہے) اور سلبی نسبت کا مطلب ہے نسبت کو سلب کرنا، جیسے: "اَلْإِنْسَانُ لَيْسَ بِكَاتِبٍ" انسان کاتب نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۷)، قطبی: ص ۷/

(ششماہی امتحان ۱۴۱۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَشْهُوْرَ فِيْمَا بَيْنَ الْقَوْمِ أَنَّ الْعِلْمَ إِمَّا تَصَوُّرٌ أَوْ تَصْدِيْقٌ، وَالْمُصَنِّفُ عَدَلَ عَنْهُ إِلٰى التَّصَوُّرِ السَّاذَجِ وَإِلٰى التَّصْدِيْقِ، وَسَبَبُ الْعُدُوْلِ عَنْهُ وُرُوْدُ الْإِعْتِرَاضِ عَلٰى التَّقْسِيْمِ الْمَشْهُوْرِ مِنْ وَجْهَيْنِ: اَلْأَوَّلُ: أَنَّ التَّقْسِيْمَ فَاسِدٌ، لِأَنَّ أَحَدَ الْأَمْرَيْنِ لَازِمٌ، وَهُوَ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ قِسْمُ الشَّيْءِ قَسِيْمًا لَهُ، أَوْيَكُوْنَ قَسِيْمُ الشَّيْءِ قِسْمًا مِنْهُ، وَهُمَا بَاطِلَانِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) مطلب لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور جان تو کہ مناطقہ کے درمیان (تقسیم اس طرح) مشہور ہے کہ علم یا تو تصور ہوتا ہے یا تصدیق اور مصنف رحمہ اللہ نے اس تقسیم مشہور سے تصور ساذج اور تصدیق کی طرف عدول کیا ہے اور عدول کرنے کا سبب مشہور تقسیم پر دو طرح سے اعتراض کا وارد ہونا ہے، پہلا طریقہ (اعتراض کا) یہ ہے کہ مشہور تقسیم فاسد ہے؛ کیوں کہ دو چیزوں میں سے ایک نہ ایک ضرور لازم آئے گی اور وہ یہ کہ یا تو قسم شے قسیم شے ہو جائے گی، یا یہ کہ قسیم شے، قسم شے ہو جائے گی اور یہ دونوں چیزیں باطل ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مطلب:

مذکورہ عبارت میں شارح نے ماتن کی وکالت کرتے ہوئے ان پر ہونے والے ایک اعتراض اور اس کے جواب کو بیان کیا ہے، ماتن پر اعتراض یہ ہے کہ عام طور پر تو مناطقہ علم کی تقسیم اس طرح کرتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں: تصور و تصدیق (اَلْعِلْمُ إِمَّا تَصَوُّرٌ أَوْتَصْدِیْقٌ)؛ لیکن ماتن رحمہ اللہ نے اس مشہور تقسیم کو چھوڑ کر یوں کہا ہے: اَلْعِلْمُ إِمَّاتَصَوُّرٌ فَقَطْ..... أَوْتَصَوُّرٌ مَعَهُ حُکْمٌ، یعنی علم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تصور فقط (۲) تصور مع الحکم

تصور فقط کا مطلب یہ ہے کہ بغیر حکم کے صرف تصور ہو، اسی کو ''تصور ساذج'' کہتے ہیں اور تصور مع الحکم کا مطلب ہے کہ حکم کے ساتھ تصور ہو، اس کو ''تصدیق'' کہتے ہیں، تو ہمارے ماتن نے ایسا کیوں کیا کہ مشہور تقسیم کو چھوڑ کر ایک نئے انداز پر تقسیم کی؟

تو شارح اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ دراصل مشہور تقسیم پر دو اعتراض تھے جو کہ ماتن کی تقسیم پر نہیں ہیں؛ اس لیے اس تقسیم کو چھوڑ کر یہ تقسیم کی، وہ اعتراض کیا تھے؟

شارح نے مذکورہ عبارت میں ایک اعتراض کو بیان کیا ہے، شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشہور تقسیم (علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) تصور (۲) تصدیق) پر دو خرابیوں میں سے ایک نہ ایک خرابی ضرور لازم آرہی ہے:

(الف) یا تو قسمِ شئے کا قسیمِ شئے ہونا (ب) یا قسیمِ شئے کا قسمِ شئے ہونا

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ تصدیق امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کے نزدیک مرکب ہے، تصوراتِ ثلاثہ اور حکم سے، جب کہ حکما کے نزدیک تصدیق بسیط ہے، یعنی صرف حکم کا نام تصدیق ہے۔

تو اگر مشہور تقسیم میں تصدیق سے امام رازی والی تصدیق یعنی تصور مع الحکم مراد ہو تو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قسیمِ شے کا قسم ہونا لازم آئے گا؛ کیوں کہ حقیقت کے اعتبار سے تصور مع الحکم، تصور کی قسم ہے اور مشہور تقسیم میں تصور کی قسیم بن رہا ہے۔

واضح رہے کہ تصور مع الحکم کو تصور کی قسم اس لیے کہا گیا کہ تصور دو طرح کا ہوتا ہے: ایک تو حکم والا، دوسرے غیر حکم والا؛ گویا کہ دو قسمیں ہیں: (۱) تصور بلا حکم (۲) تصور بالحکم تو یہ تصور مع الحکم (تصدیق) تصور کی قسم ہے؛ مگر مشہور تقسیم میں قسیم بن رہی ہے، تو قسمِ شے کا قسیمِ شے ہونا لازم آیا۔

اور اگر مشہور تقسیم میں تصدیق سے حکما والی تصدیق بسیط مراد ہو، یعنی صرف حکم، تو اب قسیمِ شے کا قسمِ شے ہونا لازم آئے گا؛ کیوں کہ حکم (تصدیق) درحقیقت تصور کی قسیم ہے؛ اس لیے کہ تصور نام ہے ادراک غیر اذعانی کا، یعنی ایسے علم کا جس میں حکم بمعنیٰ اذعان نہ ہو اور تصدیق نام ہے حکم کا، تو حکم؛ غیر حکم کا قسیم ہوا، یعنی تصدیق؛ تصور کی قسیم ہوئی اور مشہور تقسیم میں یہ علم کی قسم بن رہی ہے اور علم و تصور مرادف ہیں، تو گویا کہ تصور کی قسم بن رہی ہے، تو جو تصدیق درحقیقت تصور کی قسیم ہے وہ مشہور تقسیم میں تصور کی قسم بن رہی ہے، اس طرح قسیمِ شے کا قسمِ شے ہونا لازم آرہا ہے، تو اس اعتراض سے بچنے کے لیے ماتن نے نئی تقسیم کی۔

محل امتحان نمبر (۸)، قطبی: ص/۸

(سالانہ امتحان ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْحُضُوْرَ الذِّهْنِيَّ مُطْلَقًا هُوَ نَفْسُ الْعِلْمِ، وَالتَّصَوُّرُ إِمَّا أَنْ يُعْتَبَرَ بِشَرْطِ شَيْءٍ أَيِ الْحُكْمِ، وَيُقَالُ لَهُ التَّصْدِيْقُ، أَوْ بِشَرْطِ لَاشَيْءٍ أَيْ عَدَمِ الْحُكْمِ، وَيُقَالُ لَهُ التَّصَوُّرُ السَّاذِجُ، أَوْلَا بِشَرْطِ شَيْءٍ، وَهُوَ مُطْلَقُ التَّصَوُّرِ،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فَالْمُقَابِلُ لِلتَّصْدِيقِ هُوَ التَّصَوُّرُ بِشَرْطِ لَاشَيْءٍ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي التَّصْدِيقِ شَرْطًا أَوْشَطْرًا هُوَ التَّصَوُّرُ لَابِشَرْطِ شَيْءٍ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت کا مطلب لکھیے۔

(د) اور بتائیے کہ "شَرْطًا" اور "شَطْرًا" سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب

(ب) ترجمہ:

اور حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضورِ ذہنی مطلقاً ہی نفسِ علم ہے اور تصور یا تو معتبر ہوتا ہے بشرطِ شئی، یعنی بشرطِ حکم کے درجہ میں اور اس کو تصدیق کہا جاتا ہے، یا (معتبر ہوتا ہے) بشرطِ لاشئی، یعنی بشرطِ عدمِ حکم کے درجہ میں اور اس کو تصورِ ساذج کہا جاتا ہے، یا (معتبر ہوتا ہے) لابشرطِ شئی کے درجہ میں اور وہ مطلق تصور ہے، تو تصدیق کا مقابل تصور بشرطِ لاشئی ہے اور تصدیق میں شرط یا شطر ہوکر جو معتبر ہے وہ تصور لابشرطِ شئی ہے۔

(ج) عبارت کا مطلب:

اس عبارت میں مصنفؒ نے ماتن کے مشہور علم کی تقسیم کو چھوڑ کر جو ایک نئی تقسیم کی تو اس کی وجہ شارح نے بتلائی کہ مشہور تقسیم پر دو اعتراض تھے تو ان سے بچنے کے لیے ایسا کیا گیا، دوسرا اعتراض یہ تھا کہ مشہور تقسیم (تصور اور تصدیق) میں تصور کی مراد میں دو احتمال ہیں:

(الف): یا تو تصور سے مراد حضورِ ذہنی مطلق ہو یعنی تصور مطلق ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): یا تصور سے مراد حضور ذہنی مقید ہو، یعنی تصور فقط (تصور بلا حکم)، تو اگر مطلق حضور ذہنی تصور سے مراد ہو تو "اِنْقِسَامُ الشَّيْءِ إِلٰى نَفْسِهٖ وَغَيْرِهٖ" لازم آئے گا، جو کہ باطل ہے؛ کیونکہ اب تصور میں عدم حکم ملحوظ ہے اور تصدیق نام ہے تصور معہ الحکم کا، یعنی اس میں وجود حکم ملحوظ ہوتا ہے تو اس طرح تصدیق میں اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا اگر تصدیق میں تصور کو معتبر مانا جائے گا جب کہ تصدیق کے لیے تصور ہے بھی ضروری، بغیر تصور کے تصدیق کا وجود ناممکن ہے۔

اس دوسرے اعتراض کا شارح نے جواب دیا ہے کہ لفظ تصور مشترک لفظ ہے، یعنی اس کے دو معنیٰ آتے ہیں: (۱) حضور ذہنی مطلق (۲) حضور ذہنی مقید۔

تو مشہور تقسیم میں تصور سے حضور ذہنی مقید مراد ہے؛ لہٰذا "اِنْقِسَامُ الشَّيْءِ إِلٰى نَفْسِهٖ وَإِلٰى غَيْرِهٖ" لازم نہیں آئے گا، اور تصدیق میں جو تصور ملحوظ ہوتا ہے تو اس تصور سے حضور ذہنی مطلق مراد ہے (خواہ حکم ہو یا نہ ہو) تو اب تصدیق میں "اجتماع نقیضین" لازم نہیں آئے گا۔

مذکورہ فی السوال عبارت میں اسی جواب کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے کہ علم اور حضور ذہنی ایک ہی چیز ہے؛ البتہ مشہور تقسیم میں تصور سے کیا مراد ہے اور تصدیق میں کیسے ملحوظ ہوگا، تو اس کی وضاحت شارح نے یہ پیش کی ہے کہ تصور کے اعتبار کے تین درجے ہیں:

(۱) بِشَرْطِ شَيْءٍ (۲) بِشَرْطِ لَاشَيْءٍ (۳) لَابِشَرْطِ شَيْءٍ.

بِشَرْطِ شَيْءٍ کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز اور حکم کے وجود کی شرط کے ساتھ معتبر ہونا۔

بِشَرْطِ لَاشَيْءٍ کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کے عدم اور سلب کی شرط کے ساتھ معتبر ہونا۔

لَابِشَرْطِ شَيْءٍ کا مطلب ہوتا ہے بغیر کسی شرط کے معتبر ہونا، یعنی نہ تو کسی چیز کے ہونے کی شرط ہو اور نہ کسی چیز کے نہ ہونے کی شرط ہو؛ بلکہ علی الاطلاق معتبر ہو، مثلاً

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کسی مدرسہ میں معاوضہ اور وظیفہ لینا طے کر کے ملازمت کرنا، یہ بشرطِ شئی یعنی بشرطِ وظیفہ ہے اور معاوضہ نہ لینے کی شرط لگا کر ملازمت کرنا یہ بشرطِ لاشئی ہے، یعنی بشرطِ عدم الوظیفہ اور بس ملازمت کر لینا، معاوضہ لینا نہ لینا کچھ طے نہ ہو تو یہ لابشرطِ شئی ہے، تو اسی طرح تصور میں تینوں درجے جاری ہوتے ہیں، تصور بشرطِ شئی یعنی بشرطِ وجود الحکم کے درجہ میں بھی ہوتا ہے، اسی کو تصور مع الحکم کہتے ہیں، جس کو تصدیق کہا جاتا ہے اور تصور بشرطِ لاشئی، یعنی بشرطِ عدم الحکم کے درجہ میں ہوتا ہے کہ اس میں حکم نہ ہونے کی قید ہوتی ہے، اس کو تصور فقط اور تصور ساذج کہتے ہیں اور لابشرطِ شئی کے درجہ میں بھی تصور معتبر ہوتا ہے، یعنی علی الاطلاق، حکم کے ہونے نہ ہونے کی کوئی شرط نہیں ہوتی، اس کو تصور مطلق کہتے ہیں اور حضور ذہنی مطلق بھی کہتے ہیں۔

(د) "شَرْطًا" اور "شَطْرًا" سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں؟

اِس سے مصنف تصدیق کے سلسلے میں امام رازی اور حکماء کے درمیان اختلاف کو بتانا چاہتے ہیں۔

محل امتحان نمبر (۹)، قطبی: ص ۸/

(داخلۂ امتحان ۱۴۱۶ھ)

(الف) عبارت باعراب: قَالَ: لَيْسَ الْكُلُّ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا بَدِيْهِيًّا، وَ إِلَّا لَمَا جَهِلْنَا شَيْئًا، وَلَانَظَرِيًّا، وَإِلَّا لَدَارَ أَوْتَسَلْسَلَ، أَقُوْلُ: اَلْعِلْمُ إِمَّا بَدِيْهِيٌّ، وَهُوَ الَّذِيْ لَمْ يَتَوَقَّفْ حُصُوْلُهٗ عَلٰى نَظَرٍ وَكَسْبٍ، كَتَصَوُّرِ الْحَرَارَةِ وَالْبُرُوْدَةِ، وَكَالتَّصْدِيْقِ بِأَنَّ النَّفْيَ وَالْإِثْبَاتَ لَايَجْتَمِعَانِ، وَلَايَرْتَفِعَانِ، وَإِمَّانَظَرِيٌّ، وَهُوَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الَّذِيْ يَتَوَقَّفُ حُصُوْلُهٗ عَلٰى نَظْرٍ وَكَسْبٍ، كَتَصَوُّرِ الْعَقْلِ وَالنَّفْسِ، وَكَالتَّصْدِيْقِ بِأَنَّ الْعَالَمَ حَادِثٌ.

(الف) اعراب لگایئے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) مطلب کو اس طرح واضح کریں کہ سمجھ میں آجائے کہ دَور یا تسلسل کیسے لازم آیا؟

(د) عقل کی تعریف کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

ماتن رحمہ اللہ نے کہا: تصور وتصدیق میں سے سارے کے سارے بدیہی نہیں ہیں؛ ورنہ تو ہم کسی بھی چیز سے انجان نہ ہوتے اور نہ سارے کے سارے نظری ہیں؛ ورنہ تو یقیناً دَور یا تسلسل لازم آئے گا، میں (شارح) کہتا ہوں کہ علم یا تو بدیہی ہوتا ہے اور وہ وہ ہے کہ جس کا حصول نظر وفکر پر موقوف نہ ہو، جیسے: گرمی اور سردی کا تصور اور جیسے کہ اِس بات کی تصدیق کی کہ نفی اور اثبات دونوں ایک ساتھ نہ تو جمع ہوتے ہیں اور نہ ہی ختم ہوتے ہیں، اور یا علم؛ نظری ہوتا ہے اور وہ وہ ہے کہ جس کا حصول نظر وفکر پر موقوف ہو، جیسے: عقل ونفس کا تصور اور جیسے اِس بات کی تصدیق کہ "عالم حادث ہے"۔

(ج) مطلب کی اس طرح وضاحت کیجیے جس سے سمجھ میں آجائے کہ دَور یا تسلسل کیسے لازم آیا؟

مذکورہ عبارت کا پہلا جزء ماتن کا ہے اور دوسرا جزء شارح کا ہے اور مقصد اس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عبارت سے منطق کی غرض اور ضرورت کو بیان کرنا ہے جو دراصل چند چیزوں کے بیان پر موقوف ہے، ان میں سے مصنف رحمہ اللہ اوّلاً علم کی تقسیم کر چکے، پھر تصور و تصدیق میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں (بدیہی ونظری) ذکر کر چکے، تو اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ تمام تصورات و تصدیقات نہ تو بدیہی ہیں اور نہ نظری ہیں؛ بلکہ بعض بدیہی ہیں اور بعض دیگر نظری ہیں اور نظریات کو بدیہیات سے حاصل کیا جاتا ہے، بس اس تحصیل میں غلطی ہو جاتی ہے، تو اسی غلطی سے بچنے بچانے کے لیے منطق کی ضرورت ہے۔

بدیہی: وہ علم ہے جس کا حصول غور وفکر پر موقوف نہ ہو؛ بلکہ بغیر غور وفکر کے معلوم ہو جائے، یعنی تصور کو تعریف کی ضرورت نہ پڑے اور تصدیق میں دلیل کی حاجت نہ ہو، جیسے: گرمی، سردی تصور بدیہی ہیں کہ خود بخود بغیر تعریف کے سمجھ میں آجاتی ہیں۔

"اور نفی واثبات نہ تو ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں اور نہ ایک ساتھ ختم ہوتے ہیں" یہ تصدیق بدیہی ہے کہ بغیر دلیل کے اُمّی مان لیتا ہے کہ کوئی بھی حکم مثبت و منفی میں سے ایک نہ ایک ضرور ہوگا، دونوں طرح کا ہوا ایسا نہیں ہو سکتا اور دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

نظری: وہ علم ہے جس کا حصول غور وفکر پر موقوف ہو، بغیر نظر وفکر کے معلوم نہ ہو، یعنی تصور میں تعریف کی ضرورت پڑے اور تصدیق میں دلیل کی حاجت ہو، جیسے: "عقل ونفس" تصور نظری ہے؛ کیونکہ بغیر تعریف کے یہ سمجھ میں نہیں آتے اور "اَلْعَالَمُ حَادِثٌ" (جہان حادث ہے) یہ تصدیق نظری ہے کہ اس کے تسلیم کر لینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

(د) عقل کی تعریف کریں:

عقل کی تعریف: یہ ہے کہ وہ ایسا جوہر ہے جو ذات کے اعتبار سے مادّہ سے مجرد ہے؛ مگر افعال میں مادّہ سے مقارن ہے، جیسے "اَلْعَالَمُ حَادِثٌ" کی دلیل یہ ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

"اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ وَ کُلُّ مُتَغَیِّرٍ حَادِثٌ، فَالْعَالَمُ حَادِثٌ".

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، تو کل ملا کر چار قسمیں ہو جاتی ہیں:

(۱) تصور بدیہی (۲) تصور نظری (۳) تصدیق بدیہی (۴) تدیق نظری

ماتن رحمہ اللہ نے منطق کی غرض وضرورت کو ثابت کرنے کے لیے پہلا تو یہ دعویٰ کیا کہ تمام تصورات وتصدیقات بدیہی نہیں ہیں اور اس کی دلیل یہ دی کہ اگر تمام تصورات وتصدیقات کو بدیہی مان لیں تو ایک امر محال اور مشاہدہ کے خلاف لازم آئے گا اور وہ ہے دنیا کی ہر شے کا علم وحصول، یعنی پھر تو ہم ہر چیز کے عالم ہو جائیں گے، کسی سے جاہل نہ رہیں گے، کوئی شے مجہول نہ رہے گی، ہر چیز معلوم ہو جائے گی؛ حالاں کہ یہ محال ہے اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔

سو دوسرا دعویٰ یہ کیا کہ تمام تصورات وتصدیقات نظری نہیں ہیں اور اس کی دلیل یہ دی کہ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر ایک امر محال لازم آئے گا اور وہ ہے دَور یا تسلسل اور جو چیز مستلزم ہو محال کو وہ خود محال ہوتی ہے؛ لہٰذا تمام کو بدیہی اور نظری ماننا بھی محل اور باطل ہے۔

دَور: کہتے ہیں: "تَوَقُّفُ الشَّيْءِ عَلٰی مَایَتَوَقَّفُ عَلٰی ذٰلِکَ الشَّيْءِ مِنْ جِھَةٍ وَاحِدَةٍ" کو یعنی ایک چیز کا ایسی دوسری چیز پر موقوف ہونا کہ وہ دوسری چیز پہلی پر موقوف ہو اور یہ موقوف ہونا دونوں کا ایک دوسرے پر ایک جہت سے ہو۔

دَورِ مصرح: پھر اگر یہ توقف صرف ایک واسطہ سے ہو تو اس کو دَورِ مصرح کہتے ہیں، جیسے: "ا"، "ب" پر موقوف ہے اور "ب"، "ا" پر موقوف ہے، تو گویا کہ "ا"، "ا" ہی پر موقوف ہے ایک "ب" کے واسطہ سے۔

دَورِ مضمر: اور اگر واسطے کئی ہوں تو یہ دَورِ مضمر ہے، جیسے: "ا"، "ب" پر موقوف ہے اور "ب"، "ج" پر موقوف ہے اور "ج"، "ا" پر موقوف ہے، تو گویا کہ "ا"، "ا"

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پر موقوف ہوا؛ مگر ''ب'' اور ''ج'' کے واسطوں سے۔

تسلسل: کہتے ہیں: ''تَرَتُّبُ أُمُوْرٍ غَيْرِ مُتَنَاهِيَةٍ فِيْ زَمَنٍ وَاحِدٍ'' کو، یعنی ایک وقت میں اُمورِ غیر متناہیہ کا مرتب ہونا، جیسے: ''یہ'' موقوف ہے ''اس'' پر اور ''وہ'' ''اُس'' پر اور ''وہ'' ''اُس'' پر اور ''وہ'' ''اُس'' پر، ہٰکذا سلسلہ چلتا رہے، یہ تسلسل ہے۔

دَور یا تسلسل کس طرح لازم آئے گا؟ اگر تمام کے تمام تصورات و تصدیقات کو نظری مان لیا جائے گا تو تصور نظری کو حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے تصور کے پاس جایا جائے گا، اسی طرح تصدیق نظری کو حاصل کرنے کے لیے کسی دوسری تصدیق کے پاس جایا جائے گا؛ مگر وہ نظری ہے تو تیسری کے پاس جایا جائے گا؛ لیکن وہ بھی نظری ہے تب چوتھی کے پاس جایا جائے گا؛ مگر وہ بھی نظری ہے؛ ہٰکذا یوں ہی سلسلہ چلتا رہے گا، تو تسلسل لازم آئے گا اور اگر کہیں سے واپسی ہوگی پہلی کی طرف تو یہ دَور لازم آئے گا اور یہ باطل ہیں، تو تمام کا نظری ہونا باطل ہے، جیسا کہ تمام کا بدیہی ہونا باطل ہو چکا، تو ثابت ہو گیا کہ کچھ تصور و تصدیق بدیہی ہیں اور کچھ نظری ہیں اور نظری کو بدیہی سے حاصل کیا جائے گا، تو یہاں پر غلطی کا امکان ہے، پس اسی غلطی سے حفاظت کے لیے منطق کی ضرورت ہے، فَثَبَتَ الْاِحْتِيَاجُ إِلَى الْمَنْطِقِ.

دَور اور تسلسل کیوں باطل ہے؟ دَور اور تسلسل اس لیے باطل ہے کہ یہ دونوں مستلزم ہیں ایک دوسرے باطل کو اور عام قاعدہ ہے کہ جو مستلزم ہو باطل کو وہ خود باطل ہوتا ہے؛ لہٰذا دَور یا تسلسل بھی باطل ہیں۔

رہی بات یہ کہ وہ باطل کیا ہے، جس کو یہ مستلزم ہیں، تو دَور میں تو وہ باطل ہے ''حُصُوْلُ الشَّيْءِ قَبْلَ حُصُوْلِهٖ'' یعنی ایک چیز کا حاصل کرنے سے پہلے حاصل کرنا۔ اور تسلسل وہ ہے ''غیر متناہی اُمور کا استحضار'' اور یہ دونوں چیزیں باطل ہیں، تو اس لیے دَور اور تسلسل باطل ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ اگر دَور کے طریقہ پر کسی شے کو حاصل کریں گے تو اس شے کا حصول اس کے حاصل کرنے سے پہلے لازم آئے گا، مثلاً ''اَ'' کا حصول موقوف ہوا ''ب'' کے حصول پر اور ''ب'' کا حصول موقوف ہوا ''اَ'' کے حصول پر، خواہ ایک واسطہ سے ہو یا چند واسطوں سے، تو اب ''ب'' کا حصول ''اَ'' کے حصول سے مقدم ہوا اور ''اَ'' کا حصول ''ب'' کے حصول سے مقدم ہوا؛ کیوں کہ موقوف علیہ اپنے موقوف سے مقدم ہوتا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ سابق علی السابق علی الشیٔ اسی شیٔ پر سابق ہوتی ہے''، یعنی اگر ایک چیز کسی دوسری ایسی شی سے مقدم ہے کہ وہ دوسری شیٔ کسی تیسری چیز پر مقدم ہے تو پہلی والی چیز اس تیسری چیز پر مقدم سمجھی جاتی ہے، تو اس طرح ''اَ''، ''اَ'' ہی پر مقدم ہوگیا اور ''ب''، ''ب'' ہی پر مقدم ہوگیا، تو حصول شی قبل حصول نفسہ لازم آیا اور یہ باطل ہے تو دَور باطل ہے اور تسلسل میں چونکہ امورِ غیر متناہیہ کا ترتب ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر تسلسل کے طریقہ پر کسی چیز کا حصول کریں گے تو اس چیز کا حصول موقوف ہوجائے گا اُمورِ غیر متناہیہ کے استحضار پر اور اُمورِ غیر متناہیہ کا استحضار محال ہے؛ لہٰذا جو چیز اس محال پر موقوف ہے یعنی تسلسل تو وہ بھی محال ہے، اس طرح دَور اور تسلسل دونوں باطل ہیں۔

محل امتحان نمبر (۱۰)، قطبی: ص/۱۰

(سالانہ امتحان ۱۴۱۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَالتَّرْتِيبُ فِي اللُّغَةِ جَعْلُ كُلِّ شَيْءٍ فِي مَرْتَبَتِهِ وَ فِي الْاِصْطِلَاحِ جَعْلُ الْأَشْيَاءِ الْمُتَعَدِّدَةِ بِحَيْثُ يُطْلَقُ عَلَيْهَا اِسْمُ الْوَاحِدِ وَيَكُونُ لِبَعْضِهَا نِسْبَةٌ إِلَى الْبَعْضِ الْأُخَرِ بِالتَّقَدُّمِ وَالتَّأَخُّرِ وَالْمُرَادُ بِالْأُمُورِ مَافَوْقَ الْأَمْرِ الْوَاحِدِ وَكَذٰلِكَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

كُـلُّ جَـمْـعٍ يُسْتَعْمَلُ فِي التَّعْرِيْفَاتِ فِيْ هٰذَا الْفَنِّ وَإِنَّمَا اعْتُبِرَتْ الْأُمُوْرُ لِأَنَّ التَّرْتِيْبَ لَايُمْكِنُ إِلَّا بَيْنَ شَيْئَيْنِ فَصَاعِدًا.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) تشریح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور ترتیب لغت میں ہر شی کو اس کے مرتبہ میں رکھنے کا نام ہے اور اصطلاح میں تعدد اشیاء کو اس طرح کر دینا کہ ان اشیاء پر ایک نام کا اطلاق کیا جا سکے اور ان میں سے بعض کی نسبت دوسرے بعض کی طرف تقدم اور تاخر کے ساتھ ہو اور اُمور سے مافوق الواحد امر مراد ہے اور اسی طرح ہر وہ جمع جو اس فن کے اندر تعریف میں استعمال کی جائے، اور اُمور کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ ترتیب دو یا اس سے زائد چیزوں کے بغیر ناممکن ہے۔

(ج) تشریح:

اِس عبارت میں شارح نے فکر کی تعریف میں موجود الفاظ کی تشریح کی ہے۔ فکر کی تعریف یہ ہے: "هُـوَ تَـرْتِيْـبُ أُمُوْرٍ مَعْلُوْمَةٍ لِلتَّأَدِّي إِلَى الْمَجْهُوْلِ" چناں چہ شارح نے سب سے پہلے لفظ ترتیب کی تشریح کی ہے۔ ترتیب کے لغوی معنیٰ "جـعـل كـل شـيء فـي مرتبتـه" کے ہیں، یعنی ہر شی کو اس کے مرتبہ اور مقام میں رکھنے کا نام ترتیب ہے اور اصطلاح میں ترتیب نام ہے چند چیزوں کو اس طور پر رکھنے کا کہ بعض بعض سے مقدم اور بعض بعض سے مؤخر ہوں اور ان تمام پر ایک نام کا اطلاق کیا جا سکے، تصورات میں اس مجموعے کو معرف کہتے ہیں اور تصدیقات میں اس کو دلیل کہتے ہیں اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تصورات میں جنس کو مقدم کیا جائے گا اور فصل کو مؤخر کیا جائے گا اور تصدیقات میں صغریٰ کو مقدم اور کبریٰ کو مؤخر کیا جائے گا؛ چناں چہ تصورات کی مثال ملاحظہ ہو۔ اس پر شئی واحد یعنی انسان کا اطلاق ہوتا ہے اور فکر کی تعریف میں دوسرا لفظ ''الأمــور'' ہے، اس کے بارے میں شارح فرماتے ہیں کہ أمور سے یہاں مافوق الواحد یعنی ایک سے اوپر مراد ہے، تین اُمور کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بل کہ ترتیب کے پائے جانے کے لیے کم از کم دوامر کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر ترتیب ممکن نہیں، ہاں! اگر دو سے زائد ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن شارح کی اِس بات پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے جو کہا کہ اُمور سے مافوق الواحد مراد ہے، تو یہ اُمور کے مجازی معنیٰ ہوئے؛ کیوں کہ اُمور تو لفظ جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین فرد پر ہوتا ہے تو اُمور کے حقیقی معنیٰ ہوں گے کہ اُمور سے مراد تین یا زائد اُمور ہوں؛ حالاں کہ قاعدہ یہ ہے کہ تعریفات میں مجازی معنیٰ کے استعمال سے احتراز ضروری ہے تاکہ اشتباہ نہ ہو۔

جواب: شارحؒ نے ''**وکذلک کل جمع**'' سے اعتراض ھذا کا جواب دیا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ''أُمــــور'' سے مافوق الواحد مراد لینا معنیٰ مجازی ہے؛ لیکن چوں کہ یہ فنِ منطق کی اصطلاح میں استعمال کیے گئے ہیں تو اب یہ معنیٰ حقیقتِ عرفیہ بن گئے، لہٰذا مجاز کا استعمال کرنا لازم ہی نہیں آیا تو اب کوئی اعتراض نہیں۔ الغرض! شارحؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: کہ علم منطق میں جب بھی تعریفات کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے، تو اس سے ''مــافوق الواحد'' یعنی ایک سے اوپر دو یا دو سے زائد مراد ہوتے ہیں، گویا یہ ایک فن اور علم کی اصطلاح اور اس کا عرف ہے، تعریف میں مجاز کا استعمال نہیں ہے؛ چناں چہ یہاں بھی فکر کی تعریف میں أمور سے ''مــافوق الواحد'' ہی مراد ہے؛ کیوں کہ ترتیب ایک امر میں نہیں ہوسکتی؛ بل کہ اس کے لیے کم از کم دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۱۱)، قطبی: ص ۱۰/

(داخلہ امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: بَلِ الْبَعْضُ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا بَدِيْهِيٌّ، وَالْبَعْضُ الْآخَرُ نَظَرِيٌّ، يَحْصُلُ بِالْفِكْرِ، وَهُوَ تَرْتِيْبُ أُمُوْرٍ مَعْلُوْمَةٍ لِلتَّأَدِّيْ إِلٰى مَجْهُوْلٍ.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت کو اچھی طرح واضح کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

بل کہ دونوں (تصور وتصدیق) میں سے ہر ایک کے بعض بدیہی ہوتے ہیں اور دوسرے بعض نظری؛ جو نظر وفکر سے حاصل ہوجاتے ہیں اور وہ (نظر وفکر) کو حاصل کرنے کے لیے اُمورِ معلومہ کو ترتیب دینے کا نام ہے۔ ("مِنْهُمَا" کی ضمیر کا مرجع تصور وتصدیق ہے)۔

(ج) عبارت کی اچھی طرح وضاحت:

اس عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے تصور وتصدیق کے بدیہی ہونے کی کل تین صورتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) تمام تصورات وتصدیقات بدیہی ہوں

(۲) تمام تصورات وتصدیقات نظری ہوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۳) بعض تصورات وتصدیقات بدیہی اور بعض دوسرے نظری ہوں

ان میں سے پہلی دو کو ماتن رحمہ اللہ ماقبل میں باطل قرار دے چکے ہیں، (وَلَيْسَ الْكُلُّ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا بَدِيهِيًّا، وَإِلَّا لَمَا جَهِلْنَا شَيْئًا، وَلَا نَظَرِيًّا، وَإِلَّا لَدَارَ أَوْ تَسَلْسَلَ) مذکورہ فی السوال عبارت میں تیسری صورت کو صحیح قرار دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ تصور بدیہی ہوتے ہیں اور کچھ نظری، اسی طرح کچھ تصدیق بدیہی ہوتی ہے اور کچھ نظری اور دونوں جگہ نظری کو بدیہی سے حاصل کیا جاتا ہے، یعنی تصورِ نظری کو تصور بدیہی سے اور تصدیق نظری کو تصدیق بدیہی ہے اور یہ حاصل کرنا بطریق فکر ہوتا ہے، یعنی نظر وفکر کے ذریعہ ہوتا ہے۔

وَهُوَ تَرْتِيبُ أُمُورٍ مَعْلُومَةٍ إلخ: یہ نظر وفکر کی اصطلاحی تعریف ہے، جس کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ اُمورِ معلومہ کو ترتیب دے کر امر مجہول کو حاصل کرنے کا نام فکر ہے، یعنی تصور مجہول کو اگر حاصل کرنا ہے تو چند تصور معلوم کو ترتیب دے کر حاصل کرنا اور تصدیق مجہول کو اگر حاصل کرنا ہے تو چند تصدیق معلوم کو ترتیب دے کر اس کو حاصل کرنا، یہ اصطلاحی فکر ہے۔

محل امتحان نمبر (۱۲)، قطبی: ص/۱۱

(ششماہی امتحان ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت با اعراب: لَا يُقَالُ الْعِلْمُ مِنَ الْأَلْفَاظِ الْمُشْتَرِكَةِ، فَإِنَّهُ كَمَا يُطْلَقُ عَلَى الْحُصُولِ الْعَقْلِيِّ كَذٰلِكَ يُطْلَقُ عَلَى الْاِعْتِقَادِ الْجَازِمِ الْمُطَابِقِ الثَّابِتِ، وَهُوَ أَخَصُّ مِنَ الْأَوَّلِ، وَمِنْ شَرَائِطِ التَّعْرِيفَاتِ التَّحَرُّزُ عَنْ اِسْتِعْمَالِ الْأَلْفَاظِ الْمُشْتَرِكَةِ، لِأَنَّا نَقُوْلُ: اَلْأَلْفَاظُ الْمُشْتَرِكَةُ لَا تُسْتَعْمَلُ فِي التَّعْرِيفَاتِ إِلَّا إِذَا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قَامَتْ قَرِيْنَةٌ تَدُلُّ عَلٰى تَعْيِيْنِ الْمُرَادِ مِنْ مَعَانِيْهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) اعتراض وجواب کو اچھی طرح لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ علم مشترک الفاظ میں سے ہے؛ کیوں کہ یہ جس طرح ''حصولِ عقلی'' پر بولا جاتا ہے، تو اسی طرح اس اعتقادِ جازم پر بولا جاتا ہے جو واقع کے مطابق ہو، پختہ ہو اور یہ معنیٰ پہلے سے خاص ہیں اور تعریفات کی شرائط ہیں (ایک شرط) مشترک الفاظ کے استعمال سے بچنا ہے؛ اس لیے کہ ہم (جواب میں) کہیں گے کہ مشترک الفاظ کا استعمال تعریفات میں نہیں ہوتا ہے؛ مگر اس وقت جب کہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو ان کے چند معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کی تعیین پر دلالت کرے۔

(ج) اعتراض وجواب:

ماقبل میں نظر وفکر کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے: ''هُوَ تَرْتِيْبُ أُمُوْرٍ مَعْلُوْمَةٍ لِلتَّأَدِّيْ إِلَى الْمَجْهُوْلِ'' مجہول تک پہنچنے کے لیے اُمورِ معلومہ کو ترتیب دینے کا نام نظر وفکر ہے۔

تو یہاں پر لفظ ''مَعْلُوْمَةٍ'' علم سے مشتق ہے اور لفظ علم مشترک ہے، تو فکر کی تعریف میں مشترک لفظ کا استعمال کیا گیا ہے، تو اس پر اعتراض ہے کہ مشترک الفاظ کا تعریفوں میں لانا جائز نہیں ہے تو پھر مصنف رحمہ اللہ نے فکر کی تعریف میں اس کو کیوں استعمال کیا؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لفظ علم مشترک اس طرح ہے کہ اس کے ایک معنیٰ آتے ہیں ''حصولِ عقلی'' کے، یعنی کسی شئ کی صورت کا عقل میں آنا، خواہ شک کے ساتھ ہو یا وہم کے ساتھ ہو، یا ظن کے ساتھ یا یقین کے ساتھ، نیز اعتقاد ہو یا نہ ہو، پھر جازم ہو یا غیر جازم، کسی بھی طرح کا ہو سب پر لفظ علم کا اس معنیٰ کے اعتبار سے اطلاق ہوتا ہے۔ اور دوسرے معنیٰ آتے ہیں ''اِعۡتِقَادٌ جَازِمٌ مُطَابِقٌ لِلۡوَاقِعِ'' کے، یعنی ایسا پختہ یقین و اعتقاد جو حقیقت و نفس الامر کے مطابق ہو، پھر ان میں سے پہلے معنیٰ عام اور دوسرے خاص ہیں، تو ان دونوں معنوں میں علم مشترک ہے؛ لہٰذا فکر کی تعریف میں اس کو نہیں لانا چاہئے تھا۔

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ علی الاطلاق لفظ مشترک کا استعمال ناجائز نہیں ہے؛ بل کہ اس وقت جب ہے جب کہ کسی ایک معنیٰ کی مراد پر کوئی قرینہ نہ ہو اور اگر کوئی قرینہ ہو جو اس کے کسی ایک معنیٰ کو متعین کرے تو پھر جائز ہے اور یہاں پر قرینہ ہے جو اس بات کو بتلا رہا ہے کہ یہاں پر ''حصولِ عقلی'' والے معنیٰ مراد ہیں؛ لہٰذا اس کا استعمال فکر کی تعریف میں درست ہے۔

قرینہ: یہ ہے کہ ماتن رحمہ اللہ نے جہاں بھی یہ لفظ علم استعمال کیا ہے تو وہاں پر یہی حصول عقلی معنیٰ مراد لیے ہیں۔

محل امتحان نمبر (۱۳)، قطبی: ص ۱۳؍

(ششماہی امتحان ۱۴۱۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: فَإِنۡ قُلۡتَ: اَلۡعِلۡمُ بِالۡمَسَائِلِ هُوَ التَّصۡدِيۡقُ بِهَا، وَمَعۡرِفَةُ الۡعِلۡمِ بِحَدِّهٖ تَصَوُّرُهٗ، وَالتَّصَوُّرُ لَايُسۡتَفَادُ مِنَ التَّصۡدِيۡقِ، قُلۡتُ: اَلۡعِلۡمُ بِالۡمَسَائِلِ هُوَ التَّصۡدِيۡقُ بِالۡمَسَائِلِ، حَتّٰى إِذَا حَصَلَ التَّصۡدِيۡقُ بِجَمِيۡعِ الۡمَسَائِلِ حَصَلَ الۡعِلۡمُ الۡمَطۡلُوۡبُ، وَلٰكِنۡ تَصَوُّرُ الۡعِلۡمِ الۡمَطۡلُوۡبِ بِحَدِّهٖ يَتَوَقَّفُ عَلٰى تَصَوُّرِ تِلۡكَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

التَّصْدِيْقَاتِ لَاعَلٰى نَفْسِهَا، فَالتَّصَوُّرُ غَيْرُ مُسْتَفَادٍ مِنَ التَّصْدِيْقِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) اس عبارت میں ایک اعتراض و جواب ہے، آپ اُسے سمجھا کر لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

پس اگر تو اعتراض کرے کہ مسائل کا علم مسائل کی تصدیق ہی ہے اور علم کی معرفت بحدہ علم کا تصور ہے اور تصور تصدیق سے حاصل نہیں ہوتا ہے، تو میں جواب دوں گا کہ مسائل کا علم (بیشک) مسائل کی تصدیق ہی ہے؛ چناں چہ جب تمام مسائل کی تصدیق پائی جاتی ہے تو مطلوب علم پایا جاتا ہے؛ لیکن مطلوب علم کا تصور بحدہ ان تصدیقات کے تصور پر موقوف ہوتا ہے نہ کہ خود ان تصدیقات پر؛ لہٰذا تصور تصدیق سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔

(ج) عبارت میں مذکورہ اعتراض و جواب:

مذکورہ عبارت میں ایک اعتراض و جواب بیان کیا گیا ہے، اعتراض کا تعلق ماقبل میں "فَائِدَةٌ جَلِيْلَةٌ" کے تحت جو بات کہی گئی ہے اس سے ہے۔

دراصل ماتن رحمہ اللہ نے منطق کی جب تعریف بیان کی تو اس کے لیے "رسم" کا لفظ استعمال کیا، "حد وغیرہ" کا لفظ استعمال نہیں کیا، تو شارح رحمہ اللہ نے اس کی مجموعی طور پر تین وجہیں بیان کی ہیں جن میں سے تیسری وجہ "فَائِدَةٌ جَلِيْلَةٌ" کے عنوان سے ذکر کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف رحمہ اللہ مقدمۃ العلم کو بیان کر رہے ہیں، یعنی وہ اشیاء جن پر علم کا شروع کرنا علیٰ وجہ البصیرت موقوف ہو، ان میں سے ایک علم منطق کی تعریف بھی ہے، تو اگر منطق کی تعریف کو "لفظ حد" سے بیان کرتے تو منطق کا تصور بحدہ (بالفاظِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دیگر منطق کی معرفت بحدہ موقوف علیہ ہو جاتی) موقوف علیہ ہو جاتا اور "تصور بحدہ" ہوتا ہے تمام مسائل کو جان کر، تو گویا کہ تمام مسائل کا علم یہ موقوف علیہ ہو جاتا، حالانکہ کسی بھی علم کے تمام مسائل کا جاننا اس کے شروع کرنے کے لیے موقوف علیہ نہیں ہوتا ہے، تو اس وجہ سے لفظ حد وغیرہ استعمال نہیں کیا؛ بلکہ رسم کا لفظ استعمال کیا اور علم کا تصور برسمہ تمام مسائل کے جاننے سے ہی نہیں؛ بلکہ کچھ مسائل کے جاننے سے بھی ہو جاتا ہے۔

اعتراض:

اب اِس بات کو سن کر معترض یہ اعتراض کر رہا ہے کہ آپ نے ابھی ابھی یہ کہا کہ "کسی بھی علم کی معرفت بحدہ اس کے تمام مسائل جاننے ہی سے ہوتی ہے" جس کا مطلب یہ ہے کہ علم کی "معرفت بحدہ" موقوف ہے "عِلْمٌ بِجَمِيعِ الْمَسَائِلِ" پر، دوسری بات یہ کہ "معرفت علم بحدہ" کا نام تصور علم ہے، جب کہ "عِلْمٌ بِجَمِيعِ الْمَسَائِلِ" کا نام "تَصْدِيقٌ بِجَمِيعِ الْمَسَائِلِ" ہے، تو گویا کہ تصورِ علم موقوف ہوا تصدیق پر اور تصدیق موقوف علیہ ہوگئی، یعنی تصور تصدیق کے بغیر نہیں پایا جائے گا، اگر پایا جائے گا تو تصدیق کے بعد پایا جائے گا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ تصدیق تصور پر موقوف ہوتی ہے نہ کہ تصور تصدیق پر۔

جواب:

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جی ہاں! "عِلْمٌ بِجَمِيعِ الْمَسَائِلِ" اور "تَصْدِيقٌ بِجَمِيعِ الْمَسَائِلِ" ایک ہی چیز ہے، یعنی "عِلْمٌ بِجَمِيعِ الْمَسَائِلِ"، "تَصْدِيقٌ بِجَمِيعِ الْمَسَائِلِ" ہی کو کہتے ہیں؛ چنانچہ اگر کسی علم کے تمام مسائل کی تصدیق ہو جائے تو اس کا علم حاصل ہونا کہلاتا ہے اور معرفت علم کو تصور علم کہتے ہیں، تو اس طرح تصو علم کا تصدیقِ علم پر موقوف ہونا بظاہر نظر تو آرہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تصور علم اس تصدیق علم پر موقوف نہیں ہے؛ بلکہ تصدیق کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تصور پر موقوف ہے؛ لہٰذا اب تصور کا موقوف ہونا تو لازم آرہا ہے تصدیق پر نہیں، گویا کہ تصور، تصورِ تصدیق سے تو مستفاد ہوگا نہ کہ تصدیق سے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر (۱۴)، قطبی: ص ۱۳/

(ششماہی امتحان ۱۴۲۰ھ)

(الف) عبارت با اعراب: لَيْسَ كُلُّهُ بَدِيْهِيًّا وَإِلَّا لَاسْتُغْنِيَ عَنْ تَعَلُّمِهِ وَلَانَظَرِيًّا وَإِلَّا لَدَارَ أَوْتَسَلْسَلَ، بَلْ بَعْضُهُ بَدِيْهِيٌّ وَ بَعْضُهُ نَظَرِيٌّ مُسْتَفَادٌ مِنْهُ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) اس عبارت میں ایک معارضہ اور اس کا جواب ہے آپ سمجھا کر لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

تمام منطق بدیہی نہیں ہے، ورنہ تو منطق کے سیکھنے سے استغنا لازم آئے گا اور نہ ہی نظری ہے؛ ورنہ تو دور یا تسلسل لازم آئے گا؛ بلکہ کچھ منطق بدیہی ہے اور کچھ نظری، جس کو بدیہی سے حاصل کرلیا جاتا ہے۔

(ج) عبارت میں مذکور معارضہ اور اس کا جواب:

مذکورہ عبارت ماتن رحمہ اللہ کی ہے، جس میں ایک معارضہ کا جواب دیا گیا ہے، معترض نے یہ معارضہ پیش کیا کہ حضرت آپ جو ماقبل کے صفحات میں ضرورت الی المنطق کو ثابت کرکے آرہے ہیں یہ غلط ہے؛ کیوں کہ ہم اس کے برعکس منطق سے استغنا کو ثابت کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ تمام کی تمام منطق یعنی منطق کے تمام قواعد و مسائل بدیہی ہیں اور جو چیز بدیہی ہوتی ہے تو وہ تو معلوم ہوتی ہے، اس کو حاصل کرنے کی ضرورت نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوتی؛ لہٰذا منطق کو حاصل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، تو استغنا عن المنطق ثابت ہوگیا اور احتیاج الی المنطق باطل ہوگئی؛ کیوں کہ استغنا و احتیاج ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور نقیض میں سے ایک ثابت اور ایک باطل ہوتی ہے۔ اور تمام منطق کو بدیہی اس لیے کہا گیا ہے کہ اگر تمام کو بدیہی نہیں؛ بلکہ نظری مانتے ہیں تو دَور یا تسلسل لازم آئے گا اور یہ دونوں باطل ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مستلزم ہو باطل کو وہ خود باطل ہوا کرتی ہے؛ لہٰذا تمام منطق کا نظری ہونا باطل ہوگیا اور بدیہی ہونا ثابت ہوگیا، پھر تمام منطق کو نظری ماننے کی صورت میں دَور یا تسلسل اس طرح لازم آئے گا کہ نظری کو حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو ہم ایک نظری کو حاصل کرنے کے لیے منطق کے جس قاعدہ اور جزئیہ کے پاس پہنچیں گے تو وہ بھی نظری ملے گا؛ کیوں کہ تمام منطق کو نظری فرض کرلیا گیا ہے، پھر کسی تیسرے کے پاس پہنچیں گے تو وہ بھی نظری ملے گا، اب یا تو اسی طرح لاالی النہایہ سلسلہ چلتا رہے گا تو تسلسل لازم آئے گا اور یا پہلے نظری کی طرف رجوع ہوجائے گا تو یہ دَور لازم آجائے گا۔

جواب:

ماتن رحمہ اللہ نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ منطق کے بدیہی و نظری ہونے کے سلسلہ میں معترض نے جو صرف دو صورتیں بیان کی ہیں تو صرف یہی دو نہیں؛ بلکہ ایک تیسری اور ہے اور وہ ہے کہ منطق کے بعض اجزا و قواعد بدیہی ہیں اور بعض نظری، اگر صرف دو ہی صورتیں ہوں تو بے شک ہماری بیان کردہ احتیاج الی المنطق باطل ہوجائے گی اور استغنا ثابت ہوجائے گا، اگر تمام کو نظری مانتے ہیں تو یقیناً دَور یا تسلسل لازم آئے گا اور اگر سب کو بدیہی مانتے ہیں تو بے شک استغنا لازم آجائے گا؛ لیکن ایسا نہیں ہے کہ سب بدیہی ہوں یا سب اجزائے منطق نظری ہوں؛ بلکہ کچھ بدیہی ہیں اور دیگر بعض نظری اور اب ان بعض نظری کو دیگر بدیہی سے حاصل کرلیا جائے گا، تو اس طرح اب احتیاج اور ضرورت منطق اپنی جگہ باقی رہی؛ استغنا نہیں رہا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۱۵)، قطبی: ص ۱۴/۱۵-۱۵

(ششماہی امتحان ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: أَقُوْلُ: قَدْ سَمِعْتَ أَنَّ الْعِلْمَ لَايَتَمَيَّزُ عِنْدَ الْعَقْلِ إِلَّا بَعْدَ الْعِلْمِ بِمَوْضُوْعِهِ، وَلَمَّا كَانَ مَوْضُوْعُ الْمَنْطِقِ أَخَصَّ مِنْ مُطْلَقِ الْمَوْضُوْعِ، وَالْعِلْمُ بِالْخَاصِّ مَسْبُوْقٌ بِالْعِلْمِ بِالْعَامِّ، وَجَبَ أَوَّلًا تَعْرِيْفُ مَوْضُوْعِ الْعِلْمِ، حَتّٰى يَحْصُلَ مَعْرِفَةُ مَوْضُوْعِ عِلْمِ الْمَنْطِقِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) کسی بھی علم کے موضوع کا جاننا کیوں ضروری ہے؟ مصنف کے بیان کے مطابق جواب لکھیے۔

(د) مطلق موضوع کی تعریف لکھ کر عوارضِ ذاتیہ اور عوارضِ غریبہ کو مع تفصیل لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

میں کہتا ہوں کہ آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ عقل میں کوئی علم (دوسرے سے) ممتاز نہیں ہوتا ہے؛ مگر اس کے موضوع کو جان لینے کے بعد اور جب کہ منطق کا موضوع مطلق موضوع سے خاص ہے اور خاص کا علم عام کے علم کے بعد ہوتا ہے تو اوّلاً مطلق موضوعِ علم کی تعریف ضروری ہے، تا کہ علم منطق کے موضوع (خاص) کی معرفت کا علم حاصل ہو جائے۔

(ج) کسی بھی علم کے موضوع کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

کسی بھی علم کے موضوع کا جاننا کیوں ضروری ہے؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مذکورہ عبارت میں پہلے اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علوم ایک دوسرے سے اپنے موضوعات ہی کے ذریعہ ممتاز اور جدا ہوتے ہیں، یعنی مثلاً علمِ نحو، علمِ منطق سے ممتاز اپنے موضوع (کلمہ وکلام) سے ہوتا ہے اور علمِ منطق علمِ نحو سے معلوم تصور وتصدیق کے ذریعہ ہوتا ہے، انھیں سے یہ تعیین ہوتی ہے کہ یہ علم کون سا ہے، وہ علم کون سا ہے؟ تو اس لیے ہر علم سے پہلے اس کا موضوع جاننا ضروری ہے۔

پھر ایک عام موضوع ہوتا ہے، یعنی مطلق موضوع اور ایک خاص موضوع ہوتا ہے، یعنی کسی خاص علم وفن کا موضوع، مثلاً علم منطق کا موضوع، تو ان میں سے پہلے عام اور مطلق موضوع کا جاننا ضروری ہوتا ہے؛ کیوں کہ خاص کا علم عام کے بعد ہوا کرتا ہے، تو اس لیے شارح نے پہلے مطلق موضوع کی تعریف بیان کی ہے اور بعد میں خاص موضوع یعنی علم منطق کے موضوع کو چھیڑا ہے۔

(د) مطلق موضوع کی تعریف:

مطلق موضوع: "مَوْضُوْعُ كُلِّ عِلْمٍ مَا يُبْحَثُ فِيْهِ عَنْ عَوَارِضِهِ الذَّاتِيَّةِ" یعنی ہر علم کا موضوع وہ چیزیں کہلاتی ہیں کہ جن کے عوارضِ ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جائے، جیسے: علمِ طب میں انسانی بدن سے بحث ہوتی ہے، تو بدن انسانی علمِ طب کا موضوع ہے، اسی طرح کلمہ وکلام کے عوارضِ ذاتیہ سے علمِ نحو میں بحث ہوتی ہے تو کلمہ وکلام علمِ نحو کا موضوع ہے۔

عوارضِ ذاتیہ:

عوارضِ ذاتیہ: وہ عارض ہے جو شئ معروض کو یا تو بلا واسطہ عارض ہو، جیسے: تعجب انسان کو بلا واسطہ عارض ہوتا ہے، یا معروض کے جزء کے واسطہ سے عارض ہو، جیسے: حرکت بالارادہ انسان کو حیوان کے واسطہ سے عارض ہوتی ہے اور حیوان انسان کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جزء ہے، یا معروض سے خارج اور اس کے مساوی امر کے واسطہ سے عارض ہو، جیسے: ضحک انسان کو تعجب کے واسطہ سے عارض ہوتی ہے اور تعجب انسان کی حقیقت سے خارج ہے اور انسان کا مساوی ہے تو یہ تینوں عوارضِ ذاتیہ ہیں۔

عوارضِ غریبہ:

وہ عارض ہے جو امر خارج عام کے واسطہ سے یا خاص کے واسطہ سے یا مبائن کے واسطہ سے معروض کو لاحق ہو، اوّل کی مثال: جیسے حرکت، ابیض کو جسم کے واسطہ سے عارض ہوتی ہے، ثانی کی مثال: جیسے: ضحک، حیوان کو انسان کے واسطہ سے عارض ہوتی ہے، ثالث کی مثال: جیسے: حرارت، پانی کو آگ کے واسطہ سے عارض ہوتی ہے، یہ تینوں عوارضِ غریبہ ہیں۔

محل امتحان نمبر (۱۶)، قطبی: ص ۱۶/

(ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت با اعراب: قَدْجَرَتِ الْعَادَةُ بِأَنْ يُسَمَّى الْمُوْصِلُ إِلَى التَّصَوُّرِ قَوْلًا شَارِحًا، وَالْمُوْصِلُ إِلَى التَّصْدِيقِ حُجَّةً، وَيَجِبُ تَقْدِيمُ الْأَوَّلِ عَلَى الثَّانِيْ وَضْعًا، لِتَقَدُّمِ التَّصَوُّرِ عَلَى التَّصْدِيقِ طَبْعًا، لِأَنَّ كُلَّ تَصْدِيقٍ لَابُدَّ فِيهِ مِنْ تَصَوُّرِ الْمَحْكُوْمِ عَلَيْهِ، إِمَّا بِذَاتِهِ أَوْبِأَمْرٍ صَادِقٍ عَلَيْهِ، وَتَصَوُّرِ الْمَحْكُوْمِ بِهٖ كَذٰلِكَ، وَالْحُكْمُ لِامْتِنَاعِ الْحُكْمِ مِمَّنْ جَهِلَ أَحَدَ هٰذِهِ الْأُمُوْرِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) عبارت کا مطلب لکھئے۔

(د) تقدمِ وضعی اور تقدمِ طبعی کی تعریف لکھئے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

تحقیق کہ (مناطقہ کی) عادت یہ پڑ چکی ہے کہ موصل الی التصور کا نام "قولِ شارح" اور موصل الی التصدیق کا نام "حجت" رکھا جاتا ہے اور اوّل (موصل الی التصور) کو ثانی پر وضعاً مقدم کرنا ضروری ہے تصور کے تصدیق پر طبعاً مقدم ہونے کی وجہ سے؛ اس لیے کہ ہر تصدیق میں محکوم علیہ کا تصور خواہ بذاتہ ہو یا ایسے امر سے ہو جو اس پر صادق آئے ضروری ہے اور محکوم بہ کا تصور اسی طرح (خواہ بذاتہ یا بعرضہ) اور حکم (نسبتِ حکمیہ) کا تصور (ضروری ہے) حکم لگانے کے محال ہونے کی وجہ سے اس شخص کی طرف سے جو ان اُمور (ثلاثہ) میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہو۔

(ج) عبارت کا مطلب:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے اوّلاً تو یہ بیان کیا ہے کہ مناطقہ موصل الی التصور کو "قولِ شارح" کا نام دیتے ہیں، یعنی جن معلوم تصورات کے ذریعہ مجہول تصور تک رسائی ہوتی ہے ان کو مناطقہ قولِ شارح کہتے ہیں اور جن معلوم تصدیقات کے ذریعہ مجہول تصدیق تک رسائی ہوتی ہے ان کو "حجت" کہا جاتا ہے۔

پھر ماتن نے یہ بتلایا کہ قولِ شارح کو حجت پر وضعاً مقدم کرنا یعنی قولِ شارح کے مباحث کو حجت کے مباحث سے پہلے ذکر کرنا یہ ضروری ہے؛ کیونکہ تصدیق پر تصور طبعاً مقدم ہوتا ہے، تو اگر وضعاً بھی مقدم کر دیا جائے گا تو وضع اور طبع میں مطابقت ہو جائے گی، تو اس مطابقت کی وجہ سے قولِ شارح کو وضعاً مقدم کرنا ضروری ہے۔

اب رہی یہ بات کہ تصور تصدیق پر طبعاً کیوں مقدم ہوتا ہے، تو اس کے جواب سے پہلے تقدم کی دونوں قسموں کی تعریف پیش خدمت ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) تقدمِ وضعی اور تقدمِ طبعی کی تعریف:

تقدمِ وضعی: یہ ہے کہ مقدم کسی شیٔ کے نزدیک ہو اور مؤخر دور ہو، جیسے: نماز با جماعت میں صف اولی امام صاحب کے نزدیک ہوتی ہے اور صفِ ثانیہ دور، تو صف اولی کو ثانیہ پر تقدمِ وضعی حاصل ہے۔

تقدمِ طبعی: یہ ہے کہ مؤخر مقدم کا محتاج ہو اور مقدم مؤخر کے لیے علتِ تامہ نہ ہو، جیسے: وضو اور نماز، کہ وضو کو نماز پر تقدمِ طبعی حاصل ہے، کہ نماز بغیر وضو کے ہو ہی نہیں سکتی؛ لیکن وضو نماز کے لیے علتِ تامہ نہیں کہ جب وضو ہوگا تو نماز بھی ضرور ہوگی۔

تو یہاں پر تصور کو تصدیق پر تقدمِ طبعی حاصل ہے؛ کیوں کہ تصدیق کا وجود تصور کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا؛ اس لیے کہ تصدیق نام ہے نسبت حکمیہ کے اذعان یعنی اعتقاد کا اور یہ اذعان تین تصور کے بغیر نہیں پایا جاتا: (۱) محکوم علیہ کا تصور (۲) محکوم بہ کا تصور (۳) نسبتِ حکمیہ کا تصور۔

اگر ان میں سے ایک تصور بھی فوت ہے تو تصدیق نہیں پائی جاتی، تو پتہ چلا کہ تصدیق تصورات ثلاثہ کی محتاج ہے اور تصور تصدیق کے لیے علتِ تامہ نہیں ہے؛ کیونکہ علتِ تامہ کہتے ہیں اس چیز کو جس کے وجود سے معلول کا وجود ضروری ہو، جیسے: حرکتِ ید، حرکتِ قلم کے لیے علتِ تامہ ہے، کہ حرکتِ ید کے وجود سے حرکتِ قلم ضروری ہے؛ مگر یہاں پر تصور کے وجود سے تصدیق کا وجود ضروری نہیں ہے؛ بلکہ تصور ہوتا ہے اور تصدیق نہیں ہوتی، جیسے: صرف زید، تو پتہ چلا کہ تصور تصدیق کے لیے علتِ تامہ نہیں ہے؛ لٰہذا یہاں پر تقدمِ طبعی ہے۔

تقدم کی تین قسمیں اور بھی ہیں:

(۱) تقدمِ ذاتی: اور وہ یہ ہے کہ مؤخر مقدم کا محتاج ہو اور مقدم مؤخر کے لیے علتِ تامہ ہو جیسے: حرکتِ ید و حرکتِ قلم میں اوّل کو ثانی پر تقدمِ ذاتی حاصل ہے۔

(۲) تقدمِ زمانی: وہ یہ ہے کہ مقدم کا زمانہ سابق ہو اور مؤخر کا زمانہ لاحق ہو،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جیسے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقدم زمانی حاصل ہے۔

(۳) تقدمِ شرفی: یہ ہے کہ مقدم میں ایسے کمالات موجود ہوں جو مؤخر میں نہ ہوں، جیسے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عیسیٰ و دیگر انبیاء علیہم السلام پر تقدم شرفی حاصل ہے؛ کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے کمالات موجود ہیں جو دیگر انبیائے سابقین میں ندارد ہیں۔ کل ملا کر تقدم کی پانچ قسمیں ہو گئیں۔

محل امتحان نمبر (۱۷)، قطبی: ص/۱۹

(ششماہی امتحان ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت با اعراب: دَلَالَةُ اللَّفْظِ عَلَى الْمَعْنٰى بِتَوَسُّطِ الْوَضْعِ لَهُ مُطَابَقَةٌ، كَدَلَالَةِ الْإِنْسَانِ عَلَى الْحَيَوَانِ النَّاطِقِ، وَبِتَوَسُّطِهِ لِمَادَخَلَ فِيْهِ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى تَضَمُّنٌ، كَدَلَالَتِهِ عَلَى الْحَيَوَانِ أَوْعَلَى النَّاطِقِ فَقَطْ، وَبِتَوَسُّطِهِ لِمَا خَرَجَ عَنْهُ اِلْتِزَامٌ كَدَلَالَتِهِ عَلٰى قَابِلِ الْعِلْمِ وَصَنْعَةِ الْكِتَابَةِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت میں مذکور "بِتَوَسُّطِ الْوَضْعِ" کی قید کا فائدہ لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

لفظ کی دلالت معنیٰ پر لفظ کی معنیٰ کے لیے وضع کے واسطہ سے مطابقی ہے، جیسے: انسان کی دلالت حیوانِ ناطق پر اور (لفظ کی دلالت اپنے معنیٰ پر) لفظ کی ایسے معنیٰ کے لیے وضع کے واسطہ سے جس میں وہ معنیٰ مدلول داخل ہوں تضمنی ہے، جیسے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انسان کی دلالت صرف حیوان یا صرف ناطق پر اور (لفظ کی دلالت اپنے معنیٰ پر) لفظ کی ایسے معنیٰ کے لیے وضع کے واسطہ سے جس سے وہ معنیٰ مدلول خارج ہوں التزامی ہوں، جیسے: انسان کی دلالت قابلیت علم اور صنعتِ کتابت پر۔

(ج) عبارت میں مذکور "بِتَوَسُّطِ الْوَضْعِ" کی قید کا فائدہ:

اس قاعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ قید نہ لگائی جاتی تو بعض تعریفیں دیگر بعض سے ٹوٹ جاتیں، یعنی جامع مانع نہ رہتیں؛ اس لیے یہ قید لگا کر تعریفات کو جامع مانا بنایا گیا ہے۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اگر توسط وضع کی قید نہ ہو تو تینوں کی تعریف کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اگر لفظ معنیٰ موضوع لہٗ پر دلالت کرے تو دلالتِ مطابقی ہے اور اگر معنیٰ موضوع لہٗ کے جزء پر دلالت کرے تو یہ تضمنی ہے اور اگر امر خارج لازم پر دلالت کرے تو یہ التزامی ہے۔

اب کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو کل اور جزء کی بیچ مشترک ہوتے ہیں، یعنی ایک لفظ ہے اور اس کے دو معنیٰ ہیں اور دونوں معنیٰ موضوع لہٗ ہیں، جن میں سے ایک معنیٰ کل ہیں اور دوسرے معنیٰ اس کا جزء ہیں، جیسے: لفظ امکان مشترک ہے امکان عام اور امکان خاص کے بیچ اور امکان عام جزء ہے امکان خاص کا؛ کیونکہ امکان عام کہتے ہیں "سَلْبُ ضَرُوْرَةٍ عَنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ" کو اور امکان خاص کہتے ہیں "سَلْبُ ضَرُوْرَةٍ عَنِ الْجَانِبَيْنِ" کو اور ظاہر ہے کہ ایک جانب میں سلب ضرورت؛ دونوں جانب میں سلب ضرورت کا جزء ہے؛ لہٰذا امکان کی دلالت، امکانِ خاص پر دلالت مطابقی ہوگی اور امکانِ عام پر دلالت تضمنی ہوگی؛ کیوں کہ یہ جزء ہے امکانِ خاص کا؛ مگر اب یہاں پر دلالتِ مطابقی کی تعریف بھی صادق آئے گی؛ کیوں کہ امکان کے مشترک ہونے کی وجہ سے امکان عام بھی لفظ امکان کا معنیٰ موضوع لہٗ ہے اور معنیٰ موضوع لہٗ پر دلالت، دلالتِ مطابقی ہوتی ہے، تو اس طرح (توسط وضع کی قید کے بغیر) مطابقی کی تعریف تضمنی سے ٹوٹ گئی، یعنی تضمنی مطابقی میں داخل ہوگئی اور مطابقی کی تعریف مانع عن دخولِ غیر نہ رہی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اسی طرح کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو لازم وملزوم میں مشترک ہوتے ہیں، جیسے: لفظ شمس، سورج (ٹکیہ) اور روشنی، دونوں میں مشترک ہے اور سورج ملزوم ہے، روشنی لازم ہے؛ لہٰذا لفظ شمس کی دلالت سورج پر تو مطابقی ہے اور روشنی پر التزامی ہے؛ لیکن یہاں پر دلالتِ مطابقی بھی صادق آئے گی؛ کیونکہ روشنی بھی لفظ شمس کے معنیٰ موضوع لہٗ ہیں اور معنیٔ موضوع لہٗ پر دلالت مطابقی ہوتی ہے، تو اس طرح یہاں پر دلالتِ مطابقی کی تعریف التزامی سے ٹوٹ گئی، یعنی التزامی، مطابق میں داخل ہو گئی۔

نیز مذکورہ دونوں مثالوں میں جس طرح مطابقی ٹوٹی ہے تضمنی اور التزامی سے، اسی طرح تضمنی والتزامی (اگر توسط وضع کی قید نہ ہو) مطابقی سے ٹوٹ جائے گی، وہ اس طرح کہ امکان کی دلالت امکانِ عام پر دلالتِ مطابقی ہے؛ کیونکہ معنیٔ موضوع لہٗ پر دلالت ہو رہی ہے اور معنیٔ موضوع لہٗ پر دلالت، دلالتِ مطابقی ہوتی ہے؛ لیکن دلالتِ تضمنی صادق آئے گی؛ کیونکہ معنیٔ موضوع لہٗ کے جزء پر دلالت ہو رہی ہے اور لفظ شمس کی دلالت روشنی پر دلالتِ مطابقی ہے؛ کیونکہ روشنی، معنیٔ موضوع لہٗ پر دلالت ہو رہی ہے؛ مگر دلالتِ التزامی صادق آئے گی؛ کیونکہ روشنی، معنیٔ موضوع لہٗ (سورج) کا لازم امر خارج ہے۔

الغرض توسط وضع کی قید کے بغیر یہ تمام اعتراضات پیدا ہو جائیں گے؛ لیکن جب توسطِ وضع کی قید لگا دی تو یہ سب ختم ہو گئے؛ کیونکہ توسطِ وضع کا مطلب ہے حیثیت اور جہت؛ لہٰذا اب تعریفات کا خلاصہ یہ ہوگا کہ لفظ کی دلالت معنیٰ پر معنیٔ موضوع لہٗ ہونے کی جہت سے ہو تو مطابقی ہے اور اگر لفظ کی دلالت معنیٰ پر معنیٔ موضوع لہٗ کے جزء کی حیثیت سے ہو تو تضمنی ہے اور اگر لازم کی حیثیت سے ہو تو التزامی ہے؛ چنانچہ لفظ امکان کی دلالت امکانِ عام پر امکانِ خاص کا جزء ہونے کی حیثیت سے تضمنی ہے؛ مگر اسی حیثیت سے مطابقی نہیں ہے، اسی طرح لفظ شمس کی دلالت روشنی پر سورج کا لازم ہونے کی حیثیت سے التزامی ہے؛ مگر اسی حیثیت سے مطابقی نہیں ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نیز لفظ امکان کی دلالت امکان عام پر مطابقی اس حیثیت سے ہے کہ یہ بھی معنی موضوع لہٗ ہے؛ مگر دلالتِ تضمنی اسی حیثیت سے یہاں پر نہیں ہے، اسی طرح لفظ شمس کی دلالت روشنی پر معنیٔ موضوع لہٗ کی حیثیت سے مطابقی ہے؛ مگر اسی حیثیت سے یہاں پر دلالتِ التزامی نہیں ہے، تو اس طرح اب ہر ایک تعریف اپنی جگہ پر جامع مانع بن گئی۔

محل امتحان نمبر (۱۸)، قطبی: ص/۲۰

(الف) عبارت با اعراب: أَمَّـاتَسْـمِيَةُ الدَّلَالَةِ الْأُوْلٰى بِالْمُطَابَقَةِ، فَلِأَنَّ الـلَّفْظَ مُطَابِقٌ أَيْ مُوَافِقٌ لِتَمَامِ مَاوُضِعَ لَهُ مِنْ قَوْلِهِمْ طَابَقَ الـنَّـعْـلُ بِالنَّعْلِ إِذَاتَوَافَقَنَا، وَأَمَّا تَسْمِيَةُ الدَّلَالَةِ الثَّانِيَةِ بِالتَّضَمُّنِ فَلِأَنَّ جُـزْءَ الْـمَـعْنٰى الْمَوْضُوْعِ لَهُ دَاخِلٌ فِيْ ضِمْنِهِ، فَهِيَ دَلَالَةٌ عَـلٰـى مَـافِيْ ضِـمْـنِ الْمَوْضُوْعِ لَهُ، وَأَمَّاتَسْمِيَةُ الدَّلَالَةِ الثَّالِثَةِ بِـالْإِلْتِـزَامِ فَلِأَنَّ الـلَّـفْـظَ لَايَـدُلُّ عَلٰى كُلِّ أَمْرٍ خَارِجٍ عَنْ مَعْنَاهُ الْمَوْضُوْعِ لَهُ؛ بَلْ عَلَى الْخَارِجِ اللَّازِمِ لَهُ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) دلالتِ مطابقی، تضمنی، التزامی کی وجہ تسمیہ لکھیے۔ (د) دلالتِ لفظیہ وغیر لفظیہ کی جملہ اقسام اور ان کی مثالیں لکھیے، پھر درج ذیل عبارت کی تشریح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

بہر حال پہلی والی دلالت کا نام مطابقت رکھنا تو وہ اس لیے ہے کہ (اس دلالت میں) لفظ مطابق ہوتا ہے، یعنی مکمل معنیٔ موضوع لہٗ کے موافق ہوتا ہے، (یہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مطابقت) اہلِ عرب کے قول "طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْ" سے لیا گیا ہے (یہ قول اس وقت بولا جاتا ہے) جب کہ دونوں جوتے ایک دوسرے کے بالکل فٹ (برابر) ہوں۔ اور بہرحال دوسری دلالت کا نام تضمن رکھنا تو وہ اس لیے ہے کہ معنی موضوع لہٗ کا جزء معنی موضوع لہٗ کے ضمن میں داخل ہوتا ہے، تو دلالتِ تضمنی معنی موضوع لہٗ کے ضمن پر دلالت ہوتی ہے۔ اور بہرحال تیسری دلالت کا نام التزام رکھنا تو وہ اس لیے ہے کہ لفظ معنی موضوع لہٗ سے ہر خارج شئ پر دلالت نہیں کرتا؛ بلکہ ایسی خارج شئ پر دلالت کرتا ہے جو معنی موضوع لہٗ کے لیے لازم بھی ہو۔

(ج) دلالتِ مطابقی، تضمنی، التزامی کی وجہ تسمیہ:

مذکورہ عبارت میں دلالتِ لفظیہ وضعیہ کی تین اقسام: مطابقی، تضمنی اور التزامی کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

مطابقی مطابقت سے ہے اور مطابقت کے معنیٰ ہیں موافقت اور توافق کے، یعنی دو چیزوں کا آپس میں بالکل متفق ہونا، متحد ہونا، برابر سرابر ہونا، چنانچہ اہلِ عرب اپنے یہاں جوتوں کی برابری سرابری اور ایک جیسا ہونے کو بتلانے کے لیے اسی سے ماخوذ کرکے بولتے ہیں: "طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْلِ" (ایک جوتا دوسرے کے بالکل برابر ہے) تو یہاں پر دلالتِ مطابقی میں چونکہ لفظ اپنے پورے معنی موضوع لہٗ پر دلالت کرتا ہے تو گویا لفظ و معنیٰ دونوں چیزیں برابر ہوتی ہیں؛ اس لیے اس کا نام مطابقی رکھا گیا۔

تضمنی تضمن سے ہے، جس کے معنیٰ ہیں ضمن میں ہونا، کسی کے ذیل میں ہونا، ساتھ میں ہونا، اور معنی موضوع لہٗ کا جزء اس کے ضمن اور ذیل میں ہوتا ہے (بلکہ ہر مرکب کا جزء اپنے مرکب کے ضمن میں ہوتا ہے) اور یہاں پر لفظ کی دلالت جزء پر ہوتی، تو گویا کہ ذیلی اور ضمنی چیز پر ہوتی ہے؛ اس لیے اس کا نام تضمنی رکھا گیا۔

التزامی التزام سے ہے، التزام کے معنیٰ لازم ہونا، ضروری ہونا، دلالتِ التزامی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں لفظ کی دلالت خارج پر ہوتی ہے؛ مگر ہر خارج عن المعنیٰ الموضوع لہٗ پر نہیں ہوتی؛ بلکہ ایسے خارج پر ہوتی ہے جو لازم بھی ہو، تو معنیٰ مدلول لازم ہوتے ہیں معنیٰ موضوع لہٗ کے لیے، تو اس لزوم کی وجہ سے اس دلالت کا نام التزامی رکھا گیا۔

(د) دلالتِ لفظیہ وغیر لفظیہ کی جملہ اقسام اور ان کی مثالیں؛ نیز درج ذیل عبارت کی تشریح:

اوّلاً دلالت کی دو قسمیں ہیں: (۱) لفظیہ (۲) غیر لفظیہ

دلالتِ لفظیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ ہو، جیسے: لفظ زید کی دلالت اس کی ذات پر۔

دلالتِ غیر لفظیہ: وہ ہے جس میں دال لفظ نہ ہو، جیسے: دھویں کی دلالت آگ پر۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں:

(۱) وضعیہ (۲) طبعیہ (۳) عقلیہ

تو کل ملا کر چھ قسمیں ہو گئیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) دلالتِ لفظیہ وضعیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ ہو اور لفظ کی دلالت اپنے معنیٰ پر وضع کی وجہ سے ہو، جیسے: لفظ زید کی دلالت ذاتِ زید پر۔

(۲) دلالتِ لفظیہ طبعیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ ہو اور دلالت طبیعت کے تقاضہ کی وجہ سے ہو، جیسے: اُح اُح کی دلالت سینہ کے درد پر۔

(۳) دلالتِ لفظیہ عقلیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ ہو اور دلالت عقل کی وجہ سے ہو، وضع اور طبیعت کی وجہ سے نہ ہو، جیسے: دیوار کے پیچھے سے سنے جانے والے لفظ دیز کی دلالت کسی بولنے والے پر۔

(۴) دلالتِ غیر لفظیہ وضعیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ نہ ہو اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلالت وضع کی وجہ سے ہو، جیسے: دوالِ اربعہ، یعنی خطوط، عقود، نصب، اشارات کی دلالت اپنے اپنے مدلولات پر۔

(۵) دلالتِ غیر لفظیہ طبعیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ نہ ہو اور دلالت طبیعت کی وجہ سے ہو، جیسے: گھوڑے کے ہنہنانے کی دلالت اس کی بھوک وغیرہ پر۔

(٦) دلالتِ غیر لفظیہ عقلیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ نہ ہو اور دلالت عقل کی وجہ سے ہو، جیسے: دھوویں کی دلالت آگ پر۔

محل امتحان نمبر (۱۹)، قطبی: ص ۲۲

(ششماہی امتحان ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَيُشْتَرَطُ فِي الدَّلَالَةِ الْإِلْتِزَامِيَّةِ كَوْنُ الْخَارِجِ بِحَالَةٍ يَلْزَمُ مِنْ تَصَوُّرِ الْمُسَمّٰى فِي الذِّهْنِ تَصَوُّرُهٗ، وَإِلَّا لَامْتَنَعَ فَهْمُهٗ مِنَ اللَّفْظِ وَلَايُشْتَرَطُ فِيهَا كَوْنُهٗ بِحَالَةٍ يَلْزَمُ مِنْ تَحَقُّقِ الْمُسَمّٰى فِي الْخَارِجِ تَحَقُّقُهٗ فِيهِ، كَدَلَالَةِ لَفْظِ الْعَمٰى عَلَى الْبَصَرِ مَعَ عَدَمِ الْمُلَازَمَةِ بَيْنَهُمَا فِي الْخَارِجِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) دلالتِ التزامیہ کی تعریف لکھیے، نیز عبارت کی ایسی تشریح کریں کہ مثال ممثل لہٗ پر پوری طرح منطبق ہو جائے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور دلالتِ التزامیہ میں شرط ہے امر خارج کے ایسی حالت پر ہونے کی کہ ذہن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں مسمیٰ کے تصور سے اس (امر خارج) کا تصور لازم آئے (ضروری ہو) ورنہ تو لفظ سے اس امر خارج کا سمجھنا محال ہوگا اور دلالتِ التزامیہ میں امر خارج کے ایسی حالت پر ہونے کی شرط نہیں ہے کہ خارج میں مسمّیٰ کے پائے جانے سے اس (امر خارج) کا پایا جانا لازم آئے، جیسا کہ لفظ ''عمیٰ'' کی دلالت ''بصر'' پر، باوجود تلازم نہ ہونے کے ان دونوں (عمیٰ وبصر) کے درمیان خارج میں۔

(ب) دلالتِ التزامیہ کی تعریف مع دیگر جزئیات:

دلالتِ التزامیہ: وہ دلالتِ لفظیہ وضعیہ ہے جس میں لفظ اپنے معنیٰ پر اس واسطہ سے دلالت کرے کہ لفظ ایسے معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے جس سے یہ معنیٰ مدلول خارج ہیں، یعنی معنیٰ موضوع لہٗ کے خارج پر خارج اور لازم ہونے کی وجہ سے اگر دلالت ہو تو یہ دلالتِ التزامیہ ہے، جیسے: انسان کی دلالت علم پر دلالتِ التزامیہ ہے؛ کیوں کہ انسان کے معنیٰ موضوع لہٗ تو حیوانِ ناطق ہیں اور علم اس سے خارج ہے؛ مگر اس کے لیے لازم ہے، تو اگر انسان کی دلالت علم پر اس حیثیت سے ہو کہ یہ ''حیوانِ ناطق''، معنیٰ موضوع لہٗ سے خارج؛ مگر اس کے لیے لازم ہے تو یہ دلالتِ التزامیہ ہوگی۔

مذکورہ فی السوال عبارت میں دلالتِ التزامیہ کے لیے ایک شرط بیان کی گئی ہے، جب کہ ایک دوسری چیز کی نفی کی گئی ہے۔

دراصل لزوم کی دو قسمیں ہیں: (۱) لزومِ ذہنی (۲) لزومِ خارجی

لزومِ ذہنی: یہ ہے کہ امر خارج مسمّیٰ کے لیے ذہن کے اعتبار سے لازم ہو، یعنی مسمّیٰ کا ذہن میں جب تصور ہو تو امر خارج کا تصور بھی ضرور ہو، مسمّیٰ یعنی ملزوم، لازم کے بغیر ذہن میں بالکل نہ پایا جائے، جیسے: اندھے کے لیے بصر (آنکھ) لازم ہے، کہ اندھے کا تصور ذہن میں آنکھ کے بغیر نہیں ہوتا، تو یہ لزوم ذہنی ہے۔

لزومِ خارجی: یہ ہے کہ اگر خارج مسمّیٰ کے لیے خارج کے اعتبار سے لازم ہو،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یعنی جب مسمّٰی خارج میں پایا جائے تو یہ امر خارج بھی خارج میں اس کے ساتھ ضرور پایا جائے، اس کے بغیر مسمّٰی خارج میں بالکل نہ پایا جائے، جیسے: حبشی کے لیے کالا ہونا لازم ہے کہ خارج میں اگر حبشی موجود ہوگا تو سواد (کالا پن) ضرور ہوگا، تو یہ لزوم خارجی ہے۔

تو مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دلالتِ التزامیہ کے لیے لزومِ ذہنی تو شرط ہے اور لزومِ خارجی شرط نہیں ہے، یعنی دلالتِ التزامیہ میں جس امر خارج پر دلالت ہوتی ہے تو وہ ملزوم کے لیے لازم ذہنی تو ہونا ضروری ہے کہ جب ملزوم کا ذہن میں تصور ہو تو اس کا بھی تصور ساتھ ساتھ ضرور ہو؛ لیکن اس کا لازم خارجی ہونا ضروری نہیں کہ ملزوم اگر خارج میں متحقق ہو تو اس کے ساتھ یہ بھی خارج میں موجود ہو، جیسے: "عَمَی" کی دلالت بصر پر دلالتِ التزامیہ ہے؛ کیوں کہ عمٰی کے معنیٰ موضوع لہٗ "عَدَمُ الْبَصَرِ عَمَّا مِنْ شَأْنِهٖ أَنْ يَكُوْنَ بَصِيْرًا" ہیں، اور بصر اس سے خارج؛ مگر لازم ہے اور لازم ذہنی ہے؛ مگر لازم خارجی نہیں ہے، یعنی ذہن میں عمٰی کا تصور بغیر بصر کے ہوتا ہی نہیں ہے اور خارج میں عمٰی اور بصر کے بیچ لزوم ذہنی تو ہے؛ لیکن لزوم خارجی نہیں ہے؛ بل کہ عناد خارجی ہے۔

وَإِلَّا لَامْتَنَعَ: یہ لزومِ ذہنی کے شرط قرار دینے کی علت ہے، یعنی دلالتِ التزامیہ کے لیے لزومِ ذہنی کی اس لیے شرط لگائی گئی ہے کہ اگر امر خارج اور مسمّٰی میں لزوم نہ ہوگا تو پھر لفظ سے یہ امر خارج مفہوم نہیں ہوگا اور جب یہ امر خارج مفہوم من اللفظ نہیں ہوگا تو لفظ کا مدلول کیسے بنے گا؟ جب مدلول نہیں بن سکے گا تو پھر دلالت نہیں ہوگی اور دلالتِ التزامیہ نہیں پائی جائے گی؛ اس لیے یہ شرط قرار دی گئی۔

رہی یہ بات کہ لزوم خارجی شرط کیوں نہیں ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لزومِ خارجی دلالتِ التزامیہ کے لیے شرط ہو تو دلالتِ التزامی مشروط ہوگی اور قاعدہ ہے کہ مشروط بغیر شرط کے نہیں پایا جاتا؛ لہٰذا دلالتِ التزامی بغیر لزومِ خارجی کے نہیں پائی جانی چاہئے، حالاں کہ دلالتِ التزامیہ لزومِ خارجی کے بغیر پائی جاتی ہے، جیسے: عمٰی کی بصر پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلالتِ التزامیہ ہے اور لزومِ خارجی نہیں ہے؛ بل کہ عناد خارجی ہے، یعنی خارج میں عمیٰ اور بصر ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، اگر آنکھ ہوگی تو اندھا نہیں ہوگا اور اگر اندھا ہوگا تو آنکھ نہیں ہوگی، تو پتہ چلا کہ لزومِ خارجی دلالتِ التزامیہ کے لیے شرط نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر (۲۰)، قطبی: ص/۲۳

(سالانہ امتحان ۱۴۱۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: فَإِنْ قُلْتَ: اَلْبَصَرُ جُزْءُ مَفْهُوْمِ الْعَمٰى فَلَا يَكُوْنُ دَلَالَتُهٗ عَلَيْهِ بِالْإِلْتِزَامِ؛ بَلْ بِالتَّضَمُّنِ، فَنَقُوْلُ: اَلْعَمٰى عَدَمُ الْبَصَرِ لَا الْعَدَمُ وَالْبَصَرُ وَالْعَدَمُ الْمُضَافُ إِلَى الْبَصَرِ يَكُوْنُ الْبَصَرُ خَارِجًا عَنْهُ، وَإِلَّا لَاجْتَمَعَ فِي الْعَمٰى الْبَصَرُ خَارِجًا عَنْهُ، وَإِلَّا لَاجْتَمَعَ فِي الْعَمٰى الْبَصَرُ وَعَدَمُهٗ.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) اعتراض و جواب کو لکھیں۔

(د) دلالتِ مطابقی، دلالتِ تضمنی اور دلالتِ التزامی کی تعریف مع مثال لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

پس اگر آپ اعتراض کریں کہ بصر تو عمیٰ کے مفہوم (تعریف) کا جزء ہے؛ لہٰذا عمیٰ کی دلالت بصر پر التزامی نہیں؛ بل کہ تضمنی ہوگی، تو ہم جواب دیں گے کہ عمیٰ "عَدَمُ الْبَصَر" کا نام ہے، نہ کہ "عدم اور بصر" کا اور عدم جو کہ بصر کی طرف مضاف ہے اس سے بصر خارج ہے؛ ورنہ تو عمیٰ میں بصر اور عدمِ بصر کا اجتماع ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) اعتراض وجواب:

مذکورہ عبارت میں ایک اعتراض کیا گیا ہے وہ یہ کہ آپ نے دلالتِ التزامی کی مثال میں جو ''عمیٰ'' کو پیش کیا ہے کہ عمیٰ کی دلالت بصر پر؛ یہ دلالتِ التزامی ہے، یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ دلالتِ التزامی میں امر خارج پر دلالت ہوتی ہے اور بصر عمیٰ کی حقیقت سے خارج کہاں ہے؟ یہ تو داخلِ ماہیت ہے؛ اس لیے کہ عمیٰ کی تعریف ہے: ''عَدَمُ الْبَصَرِ عَمَّا مِنْ شَأْنِهِ أَنْ يَكُوْنَ بَصِيْرًا'' یعنی جس کی شان بینا ہونا ہو اس کی بینائی کا نہ ہونا، تو یہاں پر دیکھئے ''بصر'' عمیٰ کے مفہوم میں داخل نظر آرہا ہے نہ کہ خارج؛ لہٰذا دلالتِ التزامی نہ ہوگی؛ البتہ تضمنی ہوگی؛ کیوں کہ معنیٰ موضوع لہٗ کے جزء پر دلالتِ تضمنی ہوتی ہے، پھر آپ نے کیسے دلالتِ التزامی کی مثال بنا کر پیش کر دیا؟

جواب:

شارح نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک عمیٰ کی تعریف وہ ہے جو آپ نے بتائی ہے؛ مگر اس میں ''بصر'' کو داخلِ حقیقت سمجھنا غلط ہے؛ کیوں کہ عمیٰ ''عَدَمُ الْبَصَرِ'' کا نام ہے (اضافت کے ساتھ): ''اَلْعَدَمُ وَالْبَصَرُ'' کا نام نہیں ہے (عطف کے ساتھ)، اسی طرح ''اَلْعَدَمُ الْبَصَرُ'' (وصف کے ساتھ) کا نام نہیں ہے۔

اگر عمیٰ عدم وبصر کا نام ہوتا تو واقعتاً بصر ہی عمیٰ کا جزء ہوتا، اب جبکہ عمیٰ عدم البصر کا نام ہے تو بصر عمیٰ کا جزء نہیں ہے؛ کیوں کہ بصر مضاف الیہ بن رہا ہے اور مضاف الیہ مضاف سے خارج ہوتا ہے؛ لہٰذا عمیٰ عدم کا نام ہوا؛ نہ کہ عدم اور بصر کا۔

اور اگر اس کو خارج نہیں مانا جائے گا؛ بلکہ داخل سمجھا جائے گا، جیسا کہ معترض نے سمجھ لیا تو پھر عمیٰ میں وجود بصر اور عدمِ بصر دونوں کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ اجتماعِ نقیضین ہے اور یہ باطل ہے، پتہ چلا کہ بصر یہ امر خارج ہے اور دلالتِ التزامی کی مثال درست ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) دلالتِ مطابقی، دلالتِ تضمنی اور دلالتِ التزامی کی تعریف مع مثال:

دلالتِ مطابقی: دَلالَةُ اللَّفظِ عَلَى الْمَعْنٰى بِتَوَسُّطِ الْوَضعِ لَهُ مُطابَقَةً، كَدَالَةِ الْإِنْسانِ عَلَى الْحَيَوانِ النَّاطِقِ.

دلالتِ تضمنی: دَلالَةُ اللَّفظِ عَلَى الْمَعْنٰى بِتَوَسُّطِ الْوَضعِ لِمَا دَخَلَ فِيهِ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى تَضَمُّنٌ، كَدَلالَةِ الْإِنْسانِ عَلَى الْحَيَوانِ أَوْ عَلَى النَّاطِقِ فَقَطْ.

دلالتِ التزامی: دَلالَةُ اللَّفظِ عَلَى الْمَعْنٰى بِتَوَسُّطِ الْوَضعِ لِمَا خَرَجَ عَنْهُ اِلْتِزَامٌ، كَدَلالَتِهِ عَلٰى قَابِلِ الْعِلْمِ وَصَنْعَةِ الْكِتَابَةِ.

یعنی لفظ کی دلالت اپنے معنیٰ پر اگر اس واسطہ سے ہو رہی ہے کہ لفظ اسی معنیٰ کے لیے وضع بھی کیا گیا ہے تو یہ "دلالتِ مطابقی" ہے، جیسے: انسان کی دلالت حیوانِ ناطق پر اس واسطہ سے ہوتی ہے کہ حیوانِ ناطق ہی کے لیے یہ لفظ وضع بھی کیا گیا ہے، تو یہ دلالتِ مطابقی ہے۔

اور اگر لفظ کی دلالت اپنے معنیٰ پر اس واسطہ سے ہو رہی ہے کہ لفظ جس معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے یہ معنیٰ مدلول اس معنیٰ موضوع لہٗ کا جزء ہے، تو یہ دلالتِ تضمنی ہے، جیسے: صرف حیوان یا صرف ناطق پر انسان کی دلالت تضمنی ہے؛ کیونکہ صرف حیوان یا صرف ناطق معنیٰ موضوع لہٗ "حیوانِ ناطق" کا جزء ہے۔

اور اگر لفظ کی دلالت اپنے معنیٰ پر اس واسطہ سے ہو رہی ہے کہ یہ معنیٰ مدلول اس معنیٰ موضوع لہٗ سے خارج ہے جس کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہے تو یہ دلالتِ التزامی ہے، جیسے: قابلیتِ علم یا صنعتِ کتابت پر انسان کی دلالت التزامی ہے؛ کیوں کہ یہ چیزیں انسان کے معنیٰ موضوع لہٗ "حیوانِ ناطق" سے خارج ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ لفظ کے معنیٰ مدلول اگر عین معنیٰ موضوع لہٗ ہوں تو یہ دلالتِ مطابقی ہوتی ہے اور اگر معنیٰ مدلول معنیٰ موضوع لہٗ کا جزء ہوں تو دلالتِ تضمنی ہوتی ہے اور اگر معنیٰ مدلول معنیٰ موضوع لہٗ سے بالکل خارج؛ البتہ لازم ہوں تو یہ دلالتِ التزامی ہوتی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۲۱)، قطبی: ص ۲۴

(سالانہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَأَمَّا هُمَا أَيِ التَّضَمُّنُ وَالْاِلْتِزَامُ؛ فَمُسْتَلْزِمَانِ لِلْمُطَابَقَةِ، لِأَنَّهُمَا لَايُوْجَدَانِ إِلَّا مَعَهَا، لِأَنَّهُمَا تَابِعَانِ لَهَا، وَالتَّابِعُ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ تَابِعٌ لَايُوْجَدُ بِدُوْنِ الْمَتْبُوْعِ. وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِالْحَيْثِيَّةِ اِحْتِرَازًا عَنِ التَّابِعِ الْأَعَمِّ، كَالْحَرَارَةِ لِلنَّارِ، فَإِنَّهَا تَابِعَةٌ لِلنَّارِ، وَقَدْ تُوْجَدُ بِدُوْنِهَا، كَمَا فِي الشَّمْسِ وَالْحَرْكَةِ، أَمَّا مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا تَابِعَةٌ لِلنَّارِ فَلَاتُوْجَدُ إِلَّا مَعَهَا.

(الف) اعراب لگائے۔ (ب) ترجمہ کیجئے۔

(ج) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے "وَإِنَّمَا قَيَّدَ التَّابِعَ بِالْحَيْثِيَّةِ إلخ" کی وضاحت کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور بہر حال وہ دونوں یعنی دلالتِ تضمنی والتزامی، تو یہ دلالت مطابقی کو مستلزم ہیں؛ اس لیے کہ یہ دونوں نہیں پائی جاتیں؛ مگر مطابقی ہی کے ساتھ؛ اس لیے کہ یہ دونوں اس کے تابع ہیں اور تابع اس حیثیت سے کہ وہ تابع ہے بغیر متبوع کے نہیں پایا جاتا۔ اور حیثیت کی قید سے مقید کیا عام تابع سے احتراز کرنے کے لیے، جیسے کہ حرارت آگ کے لیے، پس بیشک وہ آگ کا تابع ہے اور کبھی کبھی آگ کے بغیر پائی جاتی ہے، جیسا کہ دھوپ اور حرکت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں؛ لیکن اس حیثیت سے کہ وہ آگ کے تابع ہے تو وہ نہیں پائی جاتی؛ مگر آگ ہی کے ساتھ۔

(ب) عبارت کی تشریح اور "وَإِنَّمَا قَيَّدَ التَّابِعَ بِالْحَيْثِيَّةِ إلخ" کی وضاحت:

ماقبل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دلالتِ مطابقی دیگر دو دلالتوں (تضمنی والتزامی) کو مستلزم نہیں ہے، اب اس کا بیان ہے کہ یہ دونوں دلالتیں دلالتِ مطابقی کو مستلزم ہیں، یعنی مطابقی ان دونوں کو لازم ہے کہ تضمنی اور التزامی مطابقی کے بغیر نہیں پائی جائے گی اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ دلالتِ تضمنی والتزامی تابع ہیں اور دلالتِ مطابقی متبوع ہے اور ضابطہ ہے کہ تابع بحیثیتِ تابع متبوع کے بغیر نہیں پایا جاتا ہے؛ اس لیے یہ دونوں مطابقی کے بغیر نہیں پائی جائے گی۔

وَإِنَّمَا قَيَّدَ التَّابِعَ بِالْحَيْثِيَّةِ إلخ: ابھی ماقبل میں جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ تابع بغیر متبوع کے نہیں پایا جاتا، تو اس میں حیثیت کی قید لگائی گئی اور یوں کہا گیا کہ "تابع بحیثیت تابع متبوع کے بغیر نہیں پایا جاتا" تو یہ قید کیوں لگائی گئی ہے؟

مذکورہ عبارت میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ تابع دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) عام (۲) خاص، ان میں سے خاص تابع تو اپنے متبوع کے بغیر نہیں پایا جاتا؛ لیکن عام تابع اپنے متبوع کے بغیر پایا جاتا ہے، جیسے حرارت (گرمی) یہ عام تابع ہے یہ اپنے متبوع مثلاً آگ کے بغیر پائی جاتی ہے، مثلاً آدمی دھوپ میں بیٹھے تو بدن میں حرارت آجاتی ہے، اسی طرح تیز چلنے اور حرکت کرنے سے بدن میں گرمی آجاتی ہے، تو اگر ضابطہ علی الاطلاق رکھا جاتا کہ تابع متبوع کے بغیر نہیں پایا جاتا تو عام تابع کے ذریعہ یہ ضابطہ ٹوٹ جاتا، تو اس لیے ضابطہ کو علی الاطلاق نہ رکھ کر مقید کردیا کہ "تابع من حیث التابع متبوع کے بغیر نہیں پایا جاتا" چناں چہ عام تابع بھی عام ہونے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے اعتبار سے تو گرچہ متبوع کے بغیر پایا جاتا ہے؛ مگر متبوع کا تابع ہونے کی حیثیت سے متبوع کے بغیر نہیں پایا جاتا، تو حیثیت کی قید عام تابع کو اس ضابطہ سے خارج کرنے کے لیے ہے۔

محل امتحان نمبر (۲۲)، قطبی: ص/۲۴

(سالانہ امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَفِي هٰذَا الْبَيَانِ نَظَرٌ، لِأَنَّ التَّابِعَ فِي الصُّغْرىٰ إِنْ قُيِّدَ بِالْحَيْثِيَّةِ مَنَعْنَاهَا، وَإِنْ لَمْ يُقَيَّدْ بِهَا لَمْ يَتَكَرَّرِ الْحَدُّ الْأَوْسَطُ، فَلَمْ يُنْتِجِ الْمَطْلُوبَ، وَيُمْكِنُ أَنْ يُجَابَ عَنْهُ بِأَنَّ الْحَيْثِيَّةَ فِي الْكُبْرىٰ لَيْسَتْ قَيْدًا لِلْأَوْسَطِ؛ بَلْ لِلْحُكْمِ فِيهَا، فَيَتَكَرَّرُ الْحَدُّ الْأَوْسَطُ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) "هٰذَا الْبَيَانِ" کی مراد واضح کیجیے، نیز مذکورہ اعتراض وجواب کو سمجھ کر لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور اس بیان میں نظر ہے؛ اس لیے کہ صغریٰ میں لفظ تابع کو اگر حیثیت کی قید سے مقید کیا جائے تو ہم اس کو منع کریں گے اور اگر لفظ تابع حیثیت کی قید سے مقید نہ ہو تو حد اوسط مکرر نہ ہوگا، تو مقصود نتیجہ برآمد نہ ہوگا اور ممکن ہے کہ اس نظر کا یہ جواب دیا جائے کہ کبریٰ میں حیثیت، حد اوسط کی قید نہیں ہے؛ بل کہ کبریٰ میں جو حکم ہے اس کی قید ہے؛ لہٰذا حد اوسط مکرر ہو جائے گا (تو مقصود نتیجہ برآمد ہوگا)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) "هٰذَا الْبَيَانُ" کی مراد اور مذکورہ سوال و جواب کی وضاحت:

تو "هٰذا البیان" سے مراد یہ قیاس اور دلیل ہے جس پر اعتراض قائم کیا گیا ہے۔

اعتراض: اعتراض کی وضاحت یہ ہے کہ اوپر صغریٰ کبریٰ میں اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ "مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ تَابِعٌ" کی قید کبریٰ میں لگی ہوئی ہے صغریٰ میں نہیں ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس قید کو صغریٰ میں بھی بڑھاؤ گے یا نہیں؟ اگر بڑھاتے ہو جیسا کہ کبریٰ میں ہے تو ہم اس کو تسلیم نہیں کریں گے؛ کیوں کہ پھر عبارت یوں ہوگی: "اَلتَّضَمُّنُ وَالْاِلْتِزَامُ تَابِعَانِ لِلْمُطَابَقَةِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُمَا تَابِعَانِ" (کہ تضمنی والتزامی، مطابقی کے تابع ہیں، تابع ہونے کی حیثیت سے ہیں)، مطلب یہ ہوگا کہ تضمنی والتزامی دلالتِ مطابقی کے تابع ہیں اور بحیثیت تابع کے تابع ہیں یعنی تابع کا مفہوم ہیں نہ کہ تابع کا فرد، گویا کہ تضمنی والتزامی کا تابع کا مفہوم ہونا سمجھ میں آئے گا، حالاں کہ یہ دونوں تابع کا نفس مفہوم نہیں ہیں؛ بل کہ تابع کا فرد ہیں؛ اس لیے صغریٰ میں یہ قید نہیں بڑھائی جا سکتی ہے۔

اور اگر اس قید کا صغریٰ میں اضافہ نہیں کرتے ہیں جیسا کہ ہے بھی نہیں تو اب لفظ تابع مکرر نہیں رہے گا؛ کیوں کہ صغریٰ میں صرف یوں ہے: "تَابِعَانِ" اور کبریٰ میں اس طرح ہے: "وَالتَّابِعُ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ تَابِعٌ" لہٰذا وہ حدِ اوسط نہ رہے گا؛ کیوں کہ حدِ اوسط اسی کو کہتے ہیں جو صغریٰ کبریٰ دونوں میں مذکور ہو؛ لہٰذا اب مطلوب نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، یعنی جو دعویٰ تھا وہ ثابت نہ ہوگا تو دلیل بے کار ہو کے جا پڑے گی، تو دونوں صورتیں خرابی سے خالی نہیں۔

جواب: شارح رحمہ اللہ نے اس کا ممکنہ جواب پیش کیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ معترض کی پیش کردہ دوسری صورت کو اختیار کیا جائے گا، یعنی حیثیت کی قید صغریٰ میں نہیں بڑھائی جائے گی، صرف کبریٰ میں رہے گی، اب رہا یہ اعتراض کہ حدِ اوسط (تابع) مکرر نہیں ہو رہا ہے تو اس کے جواب میں یہ تاویل کر لی جائے گی کہ کبریٰ میں جو "مِنْ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حَیثُ" کی قید لگی ہوئی ہے یہ لفظاً مقدم ہے؛ مگر حکماً مؤخر ہے، یعنی یہ الفاظ لکھے ہوئے تو"تَابِعٌ" کے بعد ہیں؛ لیکن حقیقت میں ان کا تعلق "لَایُوْجَدُ" سے ہے؛ لہٰذا اب لفظ تابع کبریٰ میں مقید نہ رہا؛ بل کہ مطلق ہوگیا جیسا کہ صغریٰ میں ہے، جب دونوں جگہ ایک جیسا ہوگیا تو اب مکرر ہوگیا؛ لہٰذا مقصود ثابت ہو جائے گا اور نتیجہ ٹھیک وصحیح برآمد ہوگا اور مطلب کبریٰ کا یہ ہوگا کہ تابع بغیر متبوع کے بحیثیت تابع کے نہیں پایا جاتا، یہ مطلب نہیں ہوگا کہ تابع بحیثیت تابع کے بغیر متبوع کے نہیں پایا جاتا۔

محل امتحان نمبر (۲۳)، قطبی: ص ۲۴

(داخلہ امتحان ۱۴۲۰ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالـدَّالُّ بِـالْـمُـطَـابَقَةِ إِنْ قُصِدَ بِجُزْئِهِ الدَّلَالَةُ عَلٰى جُزْءِ مَعْنَاهُ، فَهُوَ الْمُرَكَّبُ، كَرَامِي الْحِجَارَةِ، وَإِلَّا فَهُوَ الْمُفْرَدُ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) مفرد و مرکب کی تعریف لکھیے۔

(د) مفرد اور مرکب کے پائے جانے کی صورتوں کو لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور وہ لفظ جو (اپنے معنیٰ پر) دلالت کرے دلالتِ مطابقی کے ساتھ اگر اس کے جزء سے اس کے معنیٰ کے جزء پر دلالت مقصود ہو تو وہ لفظ مرکب ہے، جیسے: رامی الحجارۃ (پتھر کا پھینکنے والا) ورنہ تو وہ مفرد ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مفرد و مرکب کی تعریف:

مفرد: وہ لفظ ہے جس کے جزء سے اس کے معنیٰ کے جزء پر دلالت مقصود نہ ہو، جیسے: زید، عمرو غیرہ۔

مرکب: وہ لفظ ہے جس کے جزء سے اس کے معنیٰ کے جزء پر دلالت مقصود ہو، جیسے: "رَامِيْ الْحِجَارَةِ" مرکب ہے؛ کیوں کہ اس پورے لفظ کے معنیٰ ہیں "پتھر پھینکنے والا" اب یہاں پر ایک جزء (رامی) تو دلالت کرتا ہے "پھینکنے والا" پر اور دوسرا جزء (حجارۃ) دلالت کرتا ہے ایک خاص جسم (پتھر) پر۔

(د) مفرد اور مرکب کے پائے جانے کی صورتیں:

مرکب کے لیے پانچ صورتیں یہ ہیں:

(۱) لفظ کا جزء ہو۔

(۲) معنیٰ کا جزء ہو۔

(۳) لفظ کے جزء کی معنیٰ کے جزء پر دلالت ہو۔

(۴) وہ جزء معنیٰ مقصود کا جزء ہو۔

(۵) پھر یہ دلالت مقصود بھی ہو، جیسے: رَامِيْ الْحِجَارَةِ، غُلَامُ زَيْدٍ، زَيْدٌ قَائِمٌ وغیرہ۔

مفرد کے وجود کی پانچ صورتیں:

(۱) لفظ کا جزء نہ ہو، جیسے: "أ" (ہمزۂ استفہام)۔

(۲) لفظ کا تو جزء ہو؛ مگر معنیٰ کا جزء نہ ہو، جیسے: اللّٰہ، یہاں پر لفظ اللّٰہ کے تو اجزاء ہیں؛ مگر اس کے معنیٰ (خدا) کے اجزاء نہیں ہیں۔

(۳) لفظ و معنیٰ دونوں کا جزء ہو؛ مگر جزء پر دلالت نہ ہو، جیسے: زید، عمرو غیرہ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۴) جزءِلفظ جزءِ معنیٰ پر دلالت کرے؛ مگر یہ معنیٰ مقصود کا جزء نہ ہو، یعنی مقصود کے جزء پر دلالت نہ کرے، جیسے: عبداللہ، جب کہ علم ہو؛ تو نام ہونے کی صورت میں اس لفظ کا کوئی جزء مثلاً ''عبد'' اس کے معنیٰ مقصود (مسمّٰی) کے جزء مثلاً: ہاتھ، پاؤں پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

(۵) جزءِلفظ معنیٰ مقصود کے جزء پر تو دلالت کرے؛ لیکن یہ دلالت مقصود و مراد نہ ہو، جیسے: ''حیوانِ ناطق''؛ جب کہ کسی کا علم ہو۔

محل امتحان نمبر (۲۴)، قطبی: ص/۲۷

(ششماہی امتحان ۱۴۱۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَهُوَ إِنْ لَمْ يَصْلُحْ لِأَنْ يُخْبَرَ بِهِ وَحْدَهُ فَهُوَ الْأَدَاةُ "كَـفِـي وَلَا" وَ إِنْ صَلُحَ لِذٰلِكَ فَإِنْ دَلَّ بِهَيْئَتِهِ عَلٰى زَمَانٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ فَهُوَ الْكَلِمَةُ، وَإِنْ لَمْ يَدُلَّ فَهُوَ الْإِسْمُ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) مفرد کے تین قسموں میں منحصر ہونے کی دلیلِ حصر بیان کریں؛ نیز ہر ایک کی مثال بھی لکھیے۔

(د) اداۃ کی دو مثالیں کیوں ہیں؟ لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور وہ (لفظ مفرد) اگر تنہا مخبر بہ بننے کی صلاحیت نہ رکھے تو اداۃ ہے، جیسے: فی اور لا، اور اگر وہ اس کی (تنہا مخبر بہ بننے کی) صلاحیت رکھے تو اگر وہ اپنی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہیئت سے تینوں زمانوں میں سے کسی ایک معین زمانہ پر دلالت کرے تو وہ کلمہ ہے اور اگر (معین زمانہ پر) دلالت نہ کرے تو وہ اسم ہے۔

(ج) مفرد کے تین قسموں میں منحصر ہونے کی دلیلِ حصر:

ماقبل میں ماتن مفرد ومرکب کی تعریف بیان کر چکے ہیں تو اب مفرد ومرکب کی تقسیم فرمارہے ہیں؛ چناں چہ مذکورہ عبارت میں مفرد کی تقسیم کی ہے کہ مفرد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اداۃ (۲) کلمہ (۳) اسم

دلیلِ حصر: مفرد کی ان تین اقسام میں انحصار کی دلیل یہ ہے کہ مفرد اوّلاً دو حال سے خالی نہیں، یا تو اکیلے مُخبر بہ بننے کی اس کے اندر صلاحیت ہوگی یا نہیں، اگر اکیلے مُخبر بہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے تو وہ اداۃ ہے، جیسے: "فِي" اور "لَا"۔

اور اگر اکیلے مخبر بہ بننے کی لفظ مفرد میں صلاحیت ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ اپنی ہیئت سے کسی ایک زمانۂ معین پر دلالت کرے گا یا دلالت نہیں کرے گا، اگر ایک معین زمانہ پر لفظ مفرد اپنی ہیئت سے دلالت کررہا ہے تو اس کو کلمہ کہتے ہیں، جیسے: ضَرَبَ (اس نے مارا) یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے یا مارے گا)، اوّل مثال میں زمانہ ماضی پر اور ثانی میں حال یا استقبال پر دلالت ہورہی ہے؛ لہٰذا یہ کلمہ ہیں (نحوی حضرات اس کو فعل کہتے ہیں) اور اگر معین زمانہ پر دلالت نہیں ہورہی ہے تو پھر وہ اسم ہے، جیسے: زید، عمرو وغیرہ۔

(د) اداۃ کی دو مثالیں کیوں؟

دراصل اَداۃ دو طرح کا ہوتا ہے، ایک تو وہ جو بالکل ہی مخبر بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، نہ تو اکیلے اور نہ دو کے لیے، یعنی کسی کے ساتھ، اور ایک وہ ہوتا ہے جو اکیلے تو مخبر بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا؛ البتہ کسی اور کے ساتھ مل کر مخبر بہ بن جاتا ہے، تو اداۃ کی انہیں دو قسموں کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے ماتن رحمہ اللہ نے دو مثالیں پیش کی ہیں؛

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

چناں چہ "فِي" کا اخبار یہ میں کوئی کردار نہیں ہے اور "لَا" اداۃ کی دوسری قسم کی مثال ہے کہ اکیلے تو مخبر بہ نہیں بنتا؛ البتہ ساتھ میں مل کر بن جاتا ہے، جیسے: زَیْدٌ لَاحَجَرٌ (زید غیر پتھر ہے)، یہ قضیہ معدولۃ المحمول ہے، یہاں پر "لَاحَجَرٌ" مخبر بہ (خبر) واقع ہے، تو پتہ چلا کہ "لا" کا اخبار یہ میں کردار ہے۔

محل امتحان نمبر (۲۵)، قطبی: ص/۲۷

(سالانہ امتحان ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَلَعَلَّکَ تَقُوْلُ: اَلْأَفْعَالُ النَّاقِصَةُ لَاتَصْلُحُ لِأَنْ یُخْبَرَ بِهَا وَحْدَهَا، فَیَلْزَمُ أَنْ تَکُوْنَ أَدَوَاتٍ، فَنَقُوْلُ: لَابُعْدَ فِيْ ذٰلِکَ، حَتّٰى أَنَّهُمْ قَسَّمُوْا الْأَدَوَاتِ إِلٰى غَیْرِ زَمَانِیَّةٍ وَزَمَانِیَّةٍ، وَالزَّمَانِیَّةُ هِيَ الْأَفْعَالُ النَّاقِصَةُ، وَغَایَةُ مَافِي الْبَابِ أَنَّ اِصْطِلَاحَهُمْ لَایُطَابِقُ لِاِصْطِلَاحِ النُّحَاةِ، وَذٰلِکَ غَیْرُ لَازِمٍ۔

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت میں پیش کردہ اشکال وجواب لکھیے۔

(د) اداۃ وفعل کے بارے میں مناطقہ اور نحویوں کی اصطلاح میں وجہِ فرق کو واضح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور شاید کہ آپ (بطورِ اعتراض) کہیں گے کہ افعالِ ناقصہ تنہا مخبر بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان کا اداۃ ہونا لازم آتا ہے، تو ہم (جواب میں) کہیں گے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حتیٰ کہ مناطقہ نے ادوات کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دو قسمیں کی ہیں: (۱) اداۃِ زمانیہ (۲) اداۃِ زمانیہ۔ اور اداۃِ زمانیہ یہی افعالِ ناقصہ ہیں اور زیادہ سے زیادہ جو بات اِس باب میں لازم آتی ہے وہ یہ کہ مناطقہ کی اصطلاح نحاۃ کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہو رہی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے۔

(ج) عبارت میں پیش کردہ اشکال و جواب:

مذکورہ عبارت میں ایک اشکال اور اس کا جواب نقل کیا گیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ابھی آپ نے ماقبل میں جو اَداۃ (حرف) کی تعریف کی ہے، یہ مانع نہیں رہی؛ کیوں کہ آپ کی اس تعریف میں افعالِ ناقصہ داخل ہو رہے ہیں؛ اس لیے کہ یہ بھی تنہا مخبر بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے؛ کیونکہ ان کے معنیٰ غیر مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں، یعنی بغیر خبر کے تام نہیں ہوتے ہیں۔

تو شارح نے اس کا جواب دیا کہ اگر افعالِ ناقصہ اس تعریف میں داخل ہو رہے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لیے کہ مناطقہ کے نزدیک یہ اَداۃ ہی ہیں، فعل (کلمہ) نہیں ہیں؛ لہٰذا اداۃ کی تعریف پر مانع نہ ہونے کا اعتراض نہیں ہوگا، پھر مناطقہ کے نزدیک اداۃ کی دو قسمیں ہیں: (۱) اداۃِ زمانیہ (۲) اداۃِ غیر زمانیہ

اداۃِ زمانیہ: وہ لفظ مفرد ہے جو تنہا مخبر بہ بننے کی صلاحیت نہ رکھے اور زمانہ سے مقترن ہو، جیسے: "کَانَ، "صَارَ" وغیرہ۔

اداۃِ غیر زمانیہ: وہ مفرد ہے جو تنہا مخبر بہ بننے کی صلاحیت نہ رکھے اور نہ زمانہ سے مقترن ہو، جیسے: "فِيْ لَا" وغیرہ۔

تو مناطقہ کے نزدیک افعالِ ناقصہ اداۃِ زمانیہ ہیں؛ لہٰذا کوئی اعتراض نہیں؛ البتہ نحاۃ کے نزدیک یہ افعال ہیں، یعنی مناطقہ کی اصطلاح میں ان کو اداۃ اور نحاۃ کی اصطلاح میں ان کو فعل کہا جاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) اداۃ وفعل کے بارے میں مناطقہ اور نحویوں کی اصطلاح میں وجہِ فرق کی وضاحت:

وجہِ فرق: اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ نحاۃ کی نظر الفاظ پر ہوتی ہے اور مناطقہ کی معانی پر، یعنی نحاۃ کا مقصود بالذات الفاظ ہوتے ہیں اور معنیٰ مقصود بالتبع، جب کہ مناطقہ کا مقصود بالذات معنیٰ ہوتے ہیں اور الفاظ مقصود بالتبع۔

اب جب نحاۃ نے دیکھا کہ افعالِ ناقصہ پر فعل کی علامات آتی ہیں، مثلاً ماضی مضارع کی گردان ہوتی ہے، حروفِ ناصبہ وجازمہ آتے ہیں اور مناطقہ نے دیکھا کہ ان کے معنیٰ غیر مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں، ضم ضمیمہ کے محتاج ہوتے ہیں، تو اس اختلاف اور فرق کی وجہ سے دونوں کی اصطلاح پر بھی فرق پڑ گیا اور ان دونوں کے نزدیک اصطلاحیں الگ الگ ہوگئیں؛ چنانچہ مناطقہ کے نزدیک افعالِ ناقصہ اداۃ ہوگئے اور نحاۃ کے نزدیک فعل ہوگئے؛ لہٰذا اب کسی طرح کا کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

محل امتحان نمبر (۲۶)، قطبی: ص/۲۸

(امتحان داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالْمُرَادُ بِالْهَيْئَةِ وَالصِّيْغَةِ الْهَيْئَةُ الْحَاصِلَةُ لِلْحُرُوْفِ بِاعْتِبَارِ تَقْدِيْمِهَا وَتَاخِيْرِهَا وَحَرَكَاتِهَا وَسَكَنَاتِهَا، وَهِيَ صُوْرَةُ الْكَلِمَةِ، وَالْحُرُوْفُ مَادَّتُهَا.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) صورت اور مادہ کے فرق کو واضح کر کے مطلب لکھیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

اور مراد ہیئت وصیغہ سے وہ ہیئت ہے جو حروف کو حاصل ہوتی ہے حروف کی تقدیم وتاخیر اوران کی حرکات وسکنات کے اعتبار سے اور یہ ہیئت کلمہ کی شکل وصورت ہے اورحروف کلمہ کا مادہ ہیں۔

(ج) صورت اور مادہ کے فرق کی وضاحت اور مطلب:

ماقبل میں مفرد کی اقسامِ ثلاثہ کی تعریفیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں کلمہ واسم کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ لفظ مفرد مخبر بہ بننے کے ساتھ اگر اپنی ہیئت سے کسی ایک زمانہ پر دلالت کرے گا تو وہ کلمہ ہے اور اگر اپنی ہیئت سے زمانہ پر دلالت نہیں کرتا ہے تو وہ اسم ہے، تو ہیئت کس کو کہتے ہیں؟ ہیئت سے کیا مراد ہے؟ اس عبارت میں اس کو بیان کیا جارہا ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں کہ ہیئت اور صیغہ (جوکہ دونوں مترادف ہیں) سے مراد وہ شکل و صورت ہے جو کلمہ کے حروف کو آگے پیچھے ترتیب سے رکھنے اوران پر حرکت وسکون لگانے کے بعد کلمہ کے حروف کو حاصل ہوتی ہے اور خود یہ حروفِ کلمہ کا مادّہ کہلاتے ہیں۔

مادّہ: وہ چیز ہے جس سے کوئی شئی مرکب ہو۔

ہیئت: وہ صورت وشکل ہے جو شئی کی ترکیب کے بعد پیدا ہو۔

چناں چہ یہاں پر کلمہ کے حروف مثلاً ''ض، ر، ب'' مادّہ ہیں اور ''ضَرَبَ'' بروزن ''فَعَلَ'' یہ صورت وہیئت ہے۔

''بالھیئۃ'' کی قید کیوں لگائی گئی؟

اسم وکلمہ کی تعریف میں ہیئت کی قید کیوں لگائی گئی؟ اس کی وجہ شارح نے یہ بتایا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے کہ اگر یہ قید نہ لگائی جاتی تو بعض اسماء اسم کی تعریف سے خارج ہوکر کلمہ کی تعریف میں داخل ہوجاتے اور اس طرح کلمہ کی تعریف مانع اور اسم کی تعریف جامع نہ رہتی؛ چناں چہ لفظ زمان (وقت) "صُبُوْحٌ" (صبح کا وقت) "أمْسِ" (کل گزشتہ) یہ سب زمانوں پر دلالت کررہے ہیں، اس لیے کلمہ میں داخل ہوجاتے؛ حالاں کہ یہ اسم ہیں؛ لیکن جب ہیئت کی قید لگا کر کہا گیا کہ زمانہ پر دلالت اگر ہیئت کی وجہ سے ہوتو وہ کلمہ ہوگا؛ ورنہ نہیں، تو یہ الفاظ مذکورہ اب کلمہ میں داخل نہیں ہوں گے؛ کیوں کہ ان میں زمانوں پر دلالت ہیئت کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ ان کے مادّہ کی وجہ سے ہورہی ہے اور "ضَـرَبَ، یَـضْـرِبُ" جیسے الفاظ کلمہ میں داخل رہیں گے؛ کیوں کہ ان میں زمانہ پر دلالت ہیئت کی وجہ سے ہورہی ہے؛ نہ کہ مادّہ کی وجہ سے۔

خلاصۂ کلام:

یہ ہے کہ کلمہ میں دلالت علی الزمان کی علت ہیئت ہوتی ہے نہ کہ مادّہ، یہی وجہ ہے کہ اگر ہیئت بدلتی ہے تو زمانہ بدل جاتا ہے، خواہ مادّہ نہ بدلے، جیسے: "ضَـرَبَ" اور "یَـضْرِبُ" یہاں پر مادّہ "ض، ر، ب" ایک ہی ہے؛ مگر ہیئت الگ الگ ہونے سے اوّل میں زمانہ ماضی اور ثانی میں حال یا مستقبل آ گیا۔

اور اگر ہیئت نہیں بدلتی ہے تو زمانہ نہیں بدلتا ہے، خواہ مادّہ بدل جائے، جیسے: ضَـرَبَ اور طَـلَـبَ، اوّل وثانی دونوں جگہ زمانہ ایک ہی ہے (ماضی)؛ کیوں کہ ہیئت ایک ہے، گو مادّہ الگ الگ ہے، اوّل میں "ض، ر، ب" اور ثانی میں "ط، ل، ب" مادہ ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حل امتحان نمبر (۲۷)، قطبی: ص/۲۸

(ششماہی امتحان ۱۴۲۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَحِ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ مَعْنَاهُ وَاحِدًا أَوْ كَثِيْرًا، فَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ فَإِنْ تَشَخَّصَ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى يُسَمّٰى عَلَمًا، وَ إِلَّا فَمُتَوَاطِيًا إِنِ اسْتَوَتْ أَفْرَادُهُ الذِّهْنِيَّةُ وَالْخَارِجِيَّةُ فِيْهِ، كَالْإِنْسَانِ وَالشَّمْسِ، وَ مُشَكِّكًا إِنْ كَانَ حُصُوْلُهُ فِي الْبَعْضِ أَوْلٰى وَ أَقْدَمَ وَ أَشَدَّ مِنَ الْآخَرِ، كَالْوُجُوْدِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْوَاجِبِ وَالْمُمْكِنِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) عبارت میں کس کی قسم ذکر کی گئی ہے لکھیں، نیز تشکیک کی اقسام تحریر کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور اس وقت یا تو اس کے معنیٰ ایک ہوں گے یا کثیر، پس اگر پہلی صورت ہو (معنیٰ ایک ہوں) تو اگر وہ معنیٰ متشخص ہو تو اس کا نام علَم رکھا جاتا ہے ورنہ تو "متواطی" (نام رکھا جاتا ہے) اگر اس کے ذہنی و خارجی افراد اس معنیٰ میں برابر ہوں اور مشکک (نام رکھا جاتا ہے) اگر اس معنیٰ کا حصول بعض افراد میں بلاواسطہ اور مقدم اور شدید ہو دوسرے بعض کے مقابلہ میں جیسے: وجود، واجب اور ممکن کی طرف نسبت کے اعتبار سے۔

(ج) عبارت میں کس کی قسم ہے لکھئے، نیز ہر ایک کی تعریف کیجیے:

عبارت میں متحد المعنیٰ کی قسمیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) علم (۲) متواطی (۳) مشکک

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) تشکیک کی اقسام اور تینوں اقسام کی وجہِ تسمیہ:

تشکیک کی چار قسمیں ہیں: (۱) تشکیل بالا ؔولویت (۲) تشکیک بالا ؔولیت

(۳) تشکیک بالشدۃ (۴) تشکیک بالزیادۃ

تشکیک بالاولویت: یہ ہے کہ ایک معنیٰ کلی اپنے بعض افراد پر تو بلاواسطہ صادق آئے اور دیگر بعض پر بالتبع اور بالواسطہ، جیسے: وجود (یعنی موجود ہونا) اللہ پر صادق آتا ہے بلاواسطہ، یعنی خدا بذاتِ خود موجود ہے اور باقی تمام کائنات پر بالتبع صادق آتا ہے، یعنی تمام کائنات اللہ کے وجود کے واسطہ سے موجود ہے۔

تشکیک بالاولیت: یہ ہے کہ معنیٰ کلی اپنے بعض افراد پر پہلے صادق آئے اور بعض پر بعد میں، جیسے: وجود، اللہ میں پہلے پایا جاتا ہے اور باقی ممکنات میں بعد میں۔

تشکیک بالشدۃ: یہ ہے کہ ایک معنیٰ کلی کا صدق اپنے بعض افراد پر شدت کے ساتھ ہو اور بعض پر ضعیف کے ساتھ، یعنی کچھ پر تو تیز ہو اور کچھ پر ہلکا، جیسے: یہی وجود اللہ پر اشد ہے اور باقی مخلوق پر اضعف ہے، یعنی وجود، خدا کی ذات میں شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے؛ کیونکہ خدا ہی حقیقت میں موجود ہے؛ اس لیے اس کا وجود اتم ہے، اقویٰ ہے، اثبت ہے، اور باقی تمام اشیاء حادث ہیں، اس کی دوسری آسان سی مثال سفیدی ہے کہ یہ برف پر اشد ہے اور ہاتھی کے دانت میں اضعف ہے۔

تشکیک بالزیادۃ: یہ ہے کہ ایک معنیٰ کلی اپنے بعض افراد پر زیادتی کے ساتھ صادق آئے اور بعض پر نقصان کے ساتھ، جیسے: کتاب، دس کتابوں میں زیادتی کے ساتھ پایا جارہا ہے اور پانچ کتابوں میں کمی کے ساتھ۔

(واضح رہے کہ تشکیک بالشدۃ والضعف کا تعلق کیفیت سے ہے اور تشکیک بالزیادۃ والنقصان کا تعلق کمیت سے ہے، یعنی تیز وہلکا ہونا شدت وضعف ہے، جیسے: تیز روشنی وہلکی روشنی۔ اور زیادہ وکم ہونا یہ زیادتی ونقصان ہے، جیسے: پانچ کلو ہونا زیادہ ہے چار کلو کم ہے)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۲۸)، قطبی: ص/۲۸

(امتحان ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَإِنْ كَانَ الثَّانِي، فَإِنْ كَانَ وَضْعُهُ لِتِلْكَ الْمَعَانِي عَلَى السَّوِيَّةِ فَهُوَ الْمُشْتَرَكُ، كَالْعَيْنِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ؛ بَلْ وُضِعَ لِأَحَدِهِمَا أَوَّلًا ثُمَّ نُقِلَ إِلَى الثَّانِي، وَ ح إِنْ تُرِكَ مَوْضُوْعُهُ الْأَوَّلُ يُسَمّٰى لَفْظًا مَنْقُوْلًا عُرْفِيًّا إِنْ كَانَ النَّاقِلُ هُوَ الْعُرْفُ الْعَامُّ، كَالدَّابَّةِ، وَشَرْعِيًّا إِنْ كَانَ النَّاقِلُ هُوَ الشَّرْعُ، كَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، وَاصْطِلَاحِيًّا إِنْ كَانَ النَّاقِلُ هُوَ الْعُرْفُ الْخَاصُّ، كَاصْطِلَاحِ النُّحَاةِ وَالنُّظَّارِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت کی اچھی طرح تشریح کریں۔

(د) ہر ایک کی وجہ تسمیہ بیان کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور اگر دوسری صورت ہو (یعنی معنیٰ کثیر ہوں) تو اگر لفظ کی وضع ان معانی کے لیے برابر سرابر ہو تو وہ مشترک ہے، جیسے: لفظ عین۔ اور اگر ایسا نہ ہو؛ بل کہ لفظ ان میں سے اولاً تو ایک کے لیے وضع کیا گیا ہو، پھر دوسرے معنیٰ کی طرف منتقل کرلیا گیا ہو اور اس وقت (جب کہ دوسرے کی طرف منتقل کرلیا گیا) اگر اس کے پہلے معنیٰ موضوع لہ چھوڑ دیے گئے ہوں تو اس لفظ کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نام ''منقولِ عرفی'' رکھا جاتا ہے، اگر ناقل عرفِ عام ہو، جیسے: دَابَّة. اور ''منقولِ شرعی'' (نام رکھا جاتا ہے) اگر ناقل اہلِ شرع ہوں، جیسے: صلاۃ اور صوم۔ اور ''منقول اصلاحی'' (نام رکھا جاتا ہے) اگر ناقل عرفِ خاص ہو، جیسے: نحاۃ اور نُظار کی اصطلاح۔

(ب) عبارت کی تشریح:

لفظ مفرد کی ماقبل میں تین قسمیں بیان کی گئیں: اداۃ، کلمہ، اسم۔ پھر اسم کی دو قسمیں ہوئیں: متحد المعنیٰ، متکثر المعنیٰ۔

مذکورہ عبارت میں اسم متکثر المعنیٰ کی صرف دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، جب کہ کل چار قسمیں ہیں: (۱) مشترک (۲) منقول (۳) حقیقت (۴) مجاز

جن کی دلیلِ حصر یہ ہے:

دلیلِ حصر: لفظ متکثر المعنیٰ (جس کے معنیٰ کثیر ہوں) دو حال سے خالی نہیں، یا تو تمام معانی کے لیے الگ الگ وضع کیا گیا ہوگا یا نہیں، اگر الگ الگ سب کے لیے وضع کیا گیا ہے تو یہ مشترک ہے، جیسے: لفظ عین، کہ چشمہ، آنکھ، ذات وغیرہ سب اس کے معنیٰ ہیں اور یہ سب کے لیے الگ الگ وضع کیا گیا ہے؛ لٰہذا یہ مشترک ہے۔ اور اگر ایسا نہیں: بل کہ وضع تو ایک معنیٰ کے لیے کیا گیا؛ مگر استعمال دوسرے معنیٰ میں بھی ہوتا ہے، تو پھر دو صورتیں ہیں: یا تو پہلے معنیٰ موضوع لہٗ متروک اور دوسرے مشہور ہو گئے ہوں گے یا نہیں، اگر پہلے معنیٰ متروک اور دوسرے مشہور ہو گئے تو اس کو منقول کہتے ہیں، جیسے ''دَابَّة''، منقول ہے؛ کیوں کہ اس کے معنیٰ موضوع لہٗ (مایدب علی الارض، جو زمین پر رینگے) متروک ہو گئے اور دوسرے معنیٰ (چوپایہ) مشہور ہو گئے۔ اور اگر پہلے معنیٰ متروک نہیں ہوئے؛ بل کہ مستعمل ہیں، یعنی اول و ثانی دونوں جگہ پر استعمال ہوتے ہیں تو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اگر پہلے معنیٰ موضوع لہٗ میں استعمال ہو رہا ہے تو یہ حقیقت ہے، جیسے: "أَسَدٌ" جب کہ حیوانِ مفترس کے لیے مستعمل ہو اور جب دوسرے معنیٰ غیر موضوع لہٗ میں مستعمل ہو تو یہ مجاز ہے، جیسے: یہی "أَسَدٌ" جب کہ رجلِ شجاع کے لیے مستعمل ہو۔

پھر منقول کی تین قسمیں ہیں جو مذکورہ عبارت میں بیان کی گئی ہیں:

(۱) منقول عرفی (۲) منقول شرعی (۳) منقول اصطلاحی

اگر معنیٰ اوّل سے ثانی کی طرف عرف اور عوام نے نقل کیا ہے تو یہ منقول عرفی ہے، جیسے: "دَابَّةٌ"، اس کے معنیٰ اوّل ہر وہ جانور ہے جو زمین پر رینگے، جیسے: سانپ، بچھو، پھر عوام نے اس کو نقل کر لیا چار پاؤں والے جانور کے لیے، جیسے: گدھا، گھوڑا وغیرہ۔

اور اگر معنیٰ ثانی کی طرف اہلِ شرع نے منتقل کیا تو یہ منقول شرعی ہے، جیسے: "صَوْمٌ وَصَلاۃٌ"، صوم کے پہلے معنیٰ ہیں: "إِمْسَاکٌ" مطلقاً، یعنی علی الاطلاق روکنا اور "صَلاۃٌ" کے پہلے معنیٰ ہیں: "دُعَاءٌ" پھر اہلِ شرع نے "صَوْمٌ" کو منتقل کر لیا "طلوعِ صبح صادق سے لے کر غروبِ شمس تک روزہ کی نیت کے ساتھ اپنے آپ کو کھانے، پینے اور جماع سے روکنے" کے لیے، اسی طرح "صَلاۃٌ" کو ارکانِ مخصوصہ کی ادائیگی مع کچھ شرائط کے، یعنی نماز کے لیے منتقل کر لیا۔

اور اگر اہلِ علم وفن نے اس کو نقل کیا ہے تو منقولِ اصطلاحی ہے، جیسے: نحاۃ کی اصطلاحات: اسم، فعل، حرف وغیرہ، یہ سب منقول اصطلاحی ہیں؛ کیوں کہ مثلاً اسم کے اصلی اور پہلے معنیٰ "بلندی" کے ہیں، پھر نحاۃ نے اس کو منتقل کر لیا ایسے کلمہ کی طرف جو مستقل بالمفہوم ہو اور زمانہ کے ساتھ مقترن نہ ہو۔

اور جیسے: "دَوَرَانٌ"، اس کے اصلی معنیٰ ہیں: گلی کوچوں میں گھومنا، پھرنا، چکر لگانا، پھر مناطقہ نے ایسے امر پر کوئی اثر مرتب ہونے کی طرف نقل کر لیا جو امر علت بننے کی صلاحیت رکھے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) ہر ایک کی وجہ تسمیہ ملاحظہ ہو:

مشترک: اشتراک (افتعال) سے اسم مفعول ہے، بمعنیٰ شریک ہونا، چوں کہ لفظ مشترک تمام معانی میں شریک ہوتا ہے؛ بلا قرینہ کوئی ایک معنیٰ مراد نہیں ہوتے، اس وجہ سے اس کو مشترک کہا جاتا ہے۔

منقول: نقل سے مشتق ہے، بمعنیٰ منتقل کرنا، چوں کہ لفظ منقول کو معنیٰ اوّل سے ثانی کی طرف منتقل کرلیا جاتا ہے، اس وجہ سے اس کو منقول کہتے ہیں۔

منقولِ عرفی: میں چوں کہ یہیں ناقل عرف ہوتا ہے، اس وجہ سے منقول عرفی کہا جاتا ہے۔

منقولِ شرعی: میں ناقل شرع ہوتی ہے، اس وجہ سے منقولِ شرعی کہا جاتا ہے۔

منقولِ اصطلاحی: میں ناقل چوں کہ خاص اصطلاح اور فن والے لوگ ہوتے ہیں؛ اس وجہ سے اس کو منقول اصطلاحی کہتے ہیں۔

حقیقت: حق فلان الامر سے مشتق ہے، بمعنیٰ ثابت کرنا، لفظ حقیقت بھی چوں کہ اپنے اصلی معنیٰ میں جب استعمال ہوتا ہے تو گویا اپنے مقام پر ثابت ہوتا ہے؛ اس وجہ سے اس کو حقیقت کہتے ہیں۔

مجاز: جاز، یجوز سے مصدر میمی بمعنیٰ اسم مفعول ہے، تجاوز کرنا، آگے بڑھنا، لفظ مجاز بھی چوں کہ اپنے اصلی معنیٰ سے تجاوز کرکے دوسرے مجازی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو مجاز کہا جاتا ہے۔

محل امتحان نمبر (۲۹)، قطبی: ص ر ۳۰

(داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: أَمَّا اِصْطِلَاحُ النُّحَاةِ فَكَالْفِعْلِ، فَإِنَّهُ كَانَ فِي الْأَصْلِ اِسْمًا لِمَا صَدَرَ عَنِ الْفَاعِلِ، كَالْأَكْلِ وَالشُّرْبِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَالضَّرْبِ، ثُمَّ نَقَلَهُ النُّحَاةُ إِلٰى كَلِمَةٍ دَلَّتْ عَلٰى مَعْنًى فِي نَفْسِهٖ، مُقْتَرِنٍ بِأَحَدِ الْأَزْمِنَةِ الثَّلَاثَةِ، وَأَمَّا اصْطِلَاحُ النُّظَّارِ كَالدَّوَرَانِ، فَإِنَّهُ كَانَ فِي الْأَصْلِ لِلْحَرَكَةِ فِي السِّكَكِ، ثُمَّ نَقَلَهُ النُّظَّارُ إِلٰى تَرَتُّبِ الْأَثَرِ عَلٰى مَالَهُ صَلُوحُ الْعِلِّيَّةِ.

(الف) اعراب لگایئے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) مطلب لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

بہرحال! نحاۃ کی اصطلاح تو جیسے فعل ہے، پس بیشک وہ اصل میں تو نام ہے اس چیز کا جو فاعل سے صادر ہو، جیسے: کھانا، پینا، مارنا، پھر نحویوں نے اس کو نقل کرلیا ایسے کلمہ کی طرف جو معنیٰ مستقل پر دلالت کرے، مقترن ہو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ اور بہرحال! نظر وفکر والوں (مناطقہ) کی اصطلاح جیسے: دوران ہے کہ بیشک اصل میں تو وہ گلیاروں میں گھومنے کے لیے (موضوع) ہے، پھر مناطقہ نے اس کو منتقل کرلیا ایسی چیز پر اثر مرتب ہونے کی طرف جس میں علت بننے کی صلاحیت ہو۔

(ج) مطلب:

ایک لفظ کے کثیر معنیٰ ہوں تو اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) مشترک (۲) منقول (۳) حقیقت (۴) مجاز

پھر منقول کی باعتبار ناقل کے تین قسمیں ہیں:

(۱) منقولِ شرعی (۲) منقولِ عرفی (۳) منقولِ اصطلاحی

تو مذکورہ عبارت میں منقولِ اصطلاحی کی دو مثالیں پیش کی گئی ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) اصطلاحِ نحاۃ:

مثلاً فعل؛ کہ یہ منقولِ اصطلاحی ہے؛ کیوں کہ اس کے معنیٰ کثیر (ایک سے زائد) ہیں اور معنیٰ اوّل سے اس کو نحاۃ نے معنیٰ ثانی کی طرف منتقل کیا ہے، اس کے معنیٰ اوّل ہیں: ہر وہ کام جو کسی کام کرنے والے سے صادر ہو، مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا وغیرہ۔ اور معنیٰ ثانی ہیں: کلمہ کی ایک وہ قسم جو معنیٰ مستقل رکھے اور اس میں زمانہ بھی ہو، جیسے: "ضَرَبَ، نَصَرَ" وغیرہ، تو معنیٰ اوّل اس کے متروک ہو گئے اور ثانی مشہور ہو گئے اور ثانی معنی کی طرف نحوی حضرات لے کر آئے تو یہ منقولِ اصطلاحی ہے۔

(۲) اصطلاحِ نظار:

جیسے "دَوَرَانٌ" اس کے پہلے اور اصلی معنیٰ "حَرْكَةٌ فِي السِّكَكِ" ہے (گلی کوچوں میں گھومنا)، دوسرے معنیٰ ہیں: "تَرَتُّبُ الْأَثَرِ عَلٰى مَالَهُ صَلُوْحُ الْعِلِّيَّةِ" یعنی ایسی چیز پر جس میں علت بننے کی صلاحیت ہو کسی اثر و حکم کو مرتب کرنا اور یہ دوسرے معنیٰ کی طرف مناطقہ کھینچ کر لائے ہیں تو یہ منقولِ اصطلاحی ہے۔

محلِ امتحان نمبر (۳۰)، قطبی: ص/۳۱

(الف) عبارت با اعراب: أَمَّا الْحَقِيْقَةُ فَلِأَنَّهَا مِنْ حَقَّ فُلَانٌ الْأَمْرَ، أَيْ أَثْبَتَهُ، أَوْ مِنْ حَقَّقْتُهُ، إِذَا كُنْتَ مِنْهُ عَلٰى يَقِيْنٍ، فَكَذَا كَانَ اللَّفْظُ مُسْتَعْمَلًا فِي مَوْضُوْعِهِ الْأَصْلِيِّ فَهُوَ شَيْءٌ مُثْبَتٌ فِي مَقَامِهِ، مَعْلُوْمُ الدَّلَالَةِ، وَ أَمَّا الْمَجَازُ فَلِأَنَّهُ مِنْ جَازَ الشَّيْءُ يَجُوْزُهُ، إِذَا تَعَدَّاهُ، وَإِذَا اسْتُعْمِلَ اللَّفْظُ فِي الْمَعْنَى الْمَجَازِيِّ فَقَدْ جَازَ مَكَانَهُ الْأَوَّلَ وَمَوْضُوْعَهُ الْأَصْلِيَّ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) مطلب بیان کرتے ہوئے حقیقت کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کے درمیان بیان کردہ مناسبت کی تشریح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

بہر حال حقیقت کو (حقیقت کیوں کہتے ہیں؟) تو وہ اس لیے کہ لفظِ حقیقت "حَقَّ فُلَانٌ الْأَمْرَ" سے ماخوذ ہے، یعنی فلاں نے ایک امر کو ثابت و برقرار رکھا، یا لفظِ حقیقت "حَقَّقْتُهُ" سے ماخوذ ہے، یعنی تو جب کسی امر کی طرف سے کامل یقین پر ہو، تو جب لفظ اپنے موضوع اصلی میں مستعمل ہوتا ہے تو وہ اپنے مقامِ اصلی پر برقرار ہوتا ہے، معلوم الدلالۃ ہوتا ہے اور بہر حال مجاز کو (مجاز کیوں کہتے ہیں؟) تو وہ اس لیے کہ یہ لفظ "جَازَ الشَّيْءُ يَجُوْزُهُ" سے ماخوذ ہے، جب کہ کوئی کسی سے تجاوز کر جائے اور جب لفظ مجازی معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے تو گویا کہ وہ اپنے پہلے مکان اور اصلی معنیٰ سے تجاوز کر چکا ہوتا ہے۔

(ج) مطلب اور حقیقت کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ کے درمیان بیان کردہ مناسبت کی تشریح:

ایک لفظ کے کثیر معنیٰ ہوں تو اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) مشترک (۲) منقول (۳) حقیقت (۴) مجاز

اس کی وضاحت یہ ہے کہ حقیقت اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے پہلے اور اصلی معنیٰ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں مستعمل ہو، جیسے: ''أَسَدٌ'' شیر کے لیے مستعمل ہو تو حقیقت ہے۔ اور مجاز اس کو کہتے ہیں جو دوسرے مجازی معنیٰ میں مستعمل ہو، جیسے: یہی لفظ ''أَسَدٌ'' جب کہ بہادر آدمی کے لیے مستعمل ہو۔

تو حقیقت یا تو ''حَقَّ فُلَانٌ الْأَمْرَ'' سے ماخوذ ہے، یا حَقَّقْتُہٗ'' سے ماخوذ ہے، اوّل کے معنیٰ آتے ہیں ثابت کرنا، برقرار رہنا اور دوسرے کے معنیٰ آتے ہیں یقین کرنا، تو اب حقیقت کے معنیٰ لغوی اور معنی اصطلاحی کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ لفظ حقیقت بھی اپنے پہلے اور اصلی معنیٰ میں جب استعمال ہوتا ہے تو وہ اپنے اصلی مقام پر برقرار رہتا ہے، ثابت رہتا ہے، نیز جب اصلی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے تو ظاہر الدلالۃ ہوتا ہے، یعنی لفظ کے معنیٰ بالکل واضح اور ظاہر ہوتے ہیں تو معنیٰ یقینی ہوتے ہیں، اس میں بالکل خفاء اور شک نہیں ہوتا، تو اس لیے اس لفظ کو دونوں ماخوذ عنہ کے اعتبار سے حقیقت کہا جاتا ہے۔

محل امتحان نمبر (۳۱)، قطبی: ص/۳۱

(ششماہی امتحان ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: فَاللَّفْظُ إِذَا نَسَبْنَاهُ إِلٰى لَفْظٍ آخَرَ، فَلَايَخْلُوْ إِمَّا أَنْ يَتَوَافَقَا فِي الْمَعْنَى، أَيْ يَكُوْنُ مَعْنَاهُمَا وَاحِدًا، أَوْيَخْتَلِفَا فِي الْمَعْنَى، أَيْ يَكُوْنُ لِأَحَدِهِمَا مَعْنًى وَلِلْآخَرِ مَعْنًى آخَرُ، فَإِنْ كَانَا مُتَوَافِقَيْنِ فَهُوَ مُرَادِفٌ، وَاللَّفْظَانِ مُتَرَادِفَانِ، أُخِذَا مِنَ التَّرَادُفِ الَّذِيْ هُوَ رُكُوْبُ أَحَدٍ خَلْفَ آخَرَ، كَأَنَّ الْمَعْنٰى مَرْكُوْبٌ وَاللَّفْظَانِ رَاكِبَانِ عَلَيْهِ، فَيَكُوْنَانِ مُتَرَادِفَيْنِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مرادف اور مباین کی تعریف لکھ کر مطلب بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

چناں چہ جب ہم ایک لفظ کو دوسرے کی طرف منسوب کریں گے تو (دو حال سے) خالی نہیں: (الف) یا تو وہ دونوں لفظ معنیٰ کے اعتبار سے ایک دوسرے کے موافق ہوں گے، یعنی دونوں لفظ کے معنیٰ ایک ہوں گے (ب) یا دونوں لفظ معنیٰ کے اعتبار سے مختلف ہوں گے، یعنی ایک لفظ کے ایک معنیٰ ہوں گے اور دوسرے لفظ کے کوئی دوسرے معنیٰ ہوں گے، پس اگر دو لفظ ایک دوسرے کے موافق ہوں تو وہ لفظ مرادف کہلاتا ہے اور دو لفظ مترادفین، یہ مترادفین ''ترادف'' سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ کسی کے دوسرے کے پیچھے سوار ہونے کے آتے ہیں، گویا کہ معنیٰ مرکوب ہے اور دو لفظ اس پر راکب ہیں تو یہ دونوں مترادف ہو گئے۔

(ج) مرادف اور مباین کی تعریف مع مطلب:

یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم ایک لفظ کی دوسرے لفظ کے اعتبار سے ہے، یعنی دو لفظ کے اگر ایک ہی معنیٰ ہوں تو ہر ایک مرادف اور دونوں ایک ساتھ مترادفین کہلاتے ہیں اور اگر دو لفظ کے الگ الگ معنیٰ ہوں تو ہر ایک لفظ مبائن اور دونوں ایک ساتھ مبائنین کہلاتے ہیں۔

وجہِ تسمیہ:

پھر شارح نے وجہ تسمیہ بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مُـــرَادِف'' ''مُـرَادَفَـتْ'' سے اور ''مُتَـرَادِف''، ''تَـرَادُف'' سے ماخوذ (اسم فاعل) ہے اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

''مرادفت'' یا ''ترادف'' کے معنیٰ آتے ہیں ایک سواری پر سوار شخص کے پیچھے سوار ہونا، یعنی ایک سواری پر ایک بیٹھا ہوا ہے تو اس کے پیچھے ایک اور کا بیٹھنا یہ ترادف ہے، تو یہاں پر دولفظ کے ایک معنیٰ ہوتے ہیں، تو گویا کہ ایک معنیٰ سواری ہے اور دولفظ اس پر آگے پیچھے دوسوار ہیں، ہرایک لفظ دوسرے کے پیچھے سوار ہے، تو اس لیے ان کو مترادفین کہا جاتا ہے۔

مبائن کی وجہ تسمیہ بھی ذہن نشین کرتے چلیں، مبائن ''مبائنت'' سے اور متبائن ''تبائن'' سے ماخوذ ہے، مبائنت یا تبائن کے معنیٰ آتے ہیں مفارقت، یعنی جدائیگی کے، تو یہاں پر دولفظ کے دو معنیٰ الگ الگ ہوتے ہیں، تو گویا کہ دونوں لفظ کی سواری الگ الگ ہوتی ہے، اس وجہ سے یہ الفاظ اپنے مرکوب کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ اور مبائن ہوتے ہیں، تو ان کو مبائن اور متبائنین کہا جاتا ہے۔

محل امتحان نمبر (۳۳)، قطبی: ص/۳۱

(الف) عبارت بااعراب: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ ظَنَّ أَنَّ مِثْلَ النَّاطِقِ وَالْفَصِيْحِ وَمِثْلَ السَّيْفِ وَالصَّارِمِ مِنَ الْأَلْفَاظِ الْمُتَرَادِفَةِ لِصِدْقِهِمَا عَلٰى ذَاتٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ فَاسِدٌ، لِأَنَّ التَّرَادُفَ هُوَ الْاِتِّحَادُ فِي الْمَفْهُوْمِ لَا الْاِتِّحَادُ فِي الذَّاتِ، نَعَمْ! الْاِتِّحَادُ فِي الذَّاتِ مِنْ لَوَازِمِ الْاِتِّحَادِ فِي الْمَفْهُوْمِ بِدُوْنِ الْعَكْسِ.

(الف) اعراب لگایئے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) لفظ مرادف اور مبائن کی تعریف مع مثال لکھ کر عبارت کی تشریح کیجیے۔

(د) ''نَعَمْ الْاِتِّحَادُ فِي الذَّاتِ'' سے مصنف رحمہ اللہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

اور بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ ناطق و فصیح اور سیف و صارم جیسے الفاظ، مترادف الفاظ میں سے ہیں، ان دونوں لفظ کے ایک ذات پر صادق آنے کی وجہ سے، حالاں کہ یہ خیال فاسد ہے؛ اس لیے کہ ترادف اتحاد فی المفہوم کا نام ہے نہ کہ اتحاد فی الذات کا، ہاں! البتہ اتحاد فی الذات، اتحاد فی المفہوم کے لوازمات میں سے ہے، اس کے برعکس کے بغیر۔

(ج) لفظ مرادف اور مبائن کی تعریف مع مثال اور عبارت کی تشریح:

مرادف: دو لفظوں ہوں اور دونوں کے معنیٰ ایک ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا مرادف کہتے ہیں، جیسے: لفظ "أَسَدٌ و لَيْثٌ" دونوں کے معنیٰ شیر کے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے مرادف ہیں۔

مبائن: دو لفظ ہوں اور دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا مبائن کہتے ہیں، جیسے: "إِنْسَانٌ و فَرَسٌ" ایک دوسرے کے مبائن ہیں۔

مذکورہ عبارت میں شارح نے ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے، وہ یہ کہ کچھ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر دو لفظوں کا مصداق ایک ہو تو یہ بھی ایک دوسرے کے مرادف ہوں گے، جیسے: مثلاً ناطق (بولنے والا) اور فصیح (اچھی گفتگو کرنے والا) (یعنی ایسی گفتگو کرنے والا جو تنافرِ حروف، غرابت اور مخالفتِ قیاسِ لغوی سے خالی ہو) دونوں کا مصداق انسان ہے تو یہ ایک دوسرے کے مرادف ہیں، اسی طرح سیف (تلوار) صارم (کاٹنے والا) دونوں کا مصداق تلوار ہوتی ہے، تو یہ بھی مرادف ہیں؛ حالاں کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اتحاد فی الذات: کہتے ہیں دو چیزوں کا مصداق میں متحد ہونا، یعنی ایک شئ پر صادق آنا، جیسے: ناطق اور فصیح کا مصداق ایک ہے (انسان)۔

اتحاد فی المفہوم: کا مطلب ہے دو چیزوں کا مفہوم و معنیٰ میں ایک ہونا، یعنی دو لفظوں کا ایک معنیٰ ہونا، جیسے: اسد و لیث، دونوں کا مفہوم ایک ہے (شیر)، جہاں پر ان حضرات نے ترادف سمجھا ہے وہاں پر اتحاد فی الذات پایا جا رہا ہے، اتحاد فی المفہوم نہیں پایا جا رہا ہے؛ لہٰذا ناطق و فصیح جیسے الفاظ مرادف نہیں ہوں گے۔

(د) "نَعَمْ الْاِتِّحَادُ فِي الذَّاتِ" سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟

نعم! الاتحاد في الذات إلخ: غالباً ان حضرات نے اتحاد فی المفہوم اور اتحاد فی الذات میں تلازم و تساوی سمجھ لیا جس کی بنا پر اسد و لیث کی طرح ناطق و فصیح کو بھی مرادف سمجھ بیٹھے، یعنی یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اسد و لیث کے معنیٰ و مصداق جس طرح ایک ہیں تو اسی طرح ناطق و فصیح کے مصداق کی طرح معنیٰ بھی ایک ہوں گے، یہ سمجھ لینا غلطی ہے؛ کیوں کہ ترادف اتحاد فی الذات کا نام نہیں ہے؛ بل کہ اتحاد فی المفہوم کا نام ہے۔

تو شارح رحمہ اللہ اس عبارت سے اس کی تردید کر رہے ہیں کہ اگر دو لفظوں کے معنیٰ ایک ہوں تو وہاں پر تو مصداق بھی ایک ہی ہونا ضروری ہے؛ لیکن جہاں پر دو لفظوں کا مصداق ایک ہو تو وہاں پر معنیٰ ایک ہونا ضروری نہیں، بالفاظِ دیگر اتحاد فی الذات تو اتحاد فی المفہوم کے لیے لازم ہے؛ لیکن اتحاد فی المفہوم اتحاد فی الذات کے لیے لازم نہیں ہے؛ گویا کہ ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، نہ کہ تساوی کی اور بعض لوگوں نے تساوی کو سمجھ لیا جس کی وجہ سے اس غلط خیالی کے مرتکب ہوئے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۳۳)، قطبی: ص ۳۲/

(ششماہی امتحان ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَأَمَّا الْمُرَكَّبُ فَهُوَ إِمَّا تَامٌّ، وَهُوَ الَّذِي يَصِحُّ السُّكُوْتُ عَلَيْهِ، أَوْ غَيْرُ تَامٍّ، وَالتَّامُّ إِنْ احْتَمَلَ الصِّدْقَ وَالْكِذْبَ فَهُوَ الْخَبَرُ وَالْقَضِيَّةُ، وَإِنْ لَمْ يَحْتَمِلْ فَهُوَ الْإِنْشَاءُ، فَإِنْ دَلَّ عَلٰى طَلَبِ الْفِعْلِ دَلَالَةً أَوَّلِيَّةً فَهُوَ مَعَ الْاِسْتِعْلَاءِ أَمْرٌ كَقَوْلِنَا: اِضْرِبْ، وَمَعَ الْخُضُوْعِ سُؤَالٌ وَدُعَاءٌ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مرکب کے تمام اقسام اور ان کی تعریفات لکھیں۔

(د) دلالتِ اوّلیہ، استعلاء اور خضوع کا مطلب بھی تحریر کریں۔

جواب

(الف) ترجمہ:

اور بہر حال مرکب پس وہ یا تو تام ہوتا ہے اور وہ (مرکب تام) وہ ہے کہ جس پر سکوت صحیح ہو، یا غیر تام ہوتا ہے۔ اور مرکب تام اگر صدق وکذب کا احتمال رکھے تو وہ خبر اور قضیہ ہے اور اگر احتمال نہ رکھے تو وہ انشاء ہے، پھر اگر وہ انشاء طلب فعل پر دلالت کرے دلالتِ اوّلیہ تو وہ استعلاء کے ساتھ امر ہے، جیسے ہمارا قول: "اِضْرِبْ" اور خضوع کے ساتھ سوال ودعا ہے۔

(ج) مرکب کے تمام اقسام اور ان کی تعریفات:

مذکورہ عبارت میں ماتن نے مرکب کی تقسیم در تقسیم کی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مرکب کی اوّلاً دو قسمیں ہیں: (۱) مرکب تام (۲) مرکب غیر تام

مرکب تام: وہ مرکب ہے کہ جس پر متکلم کا سکوت صحیح ہو، یعنی جس سے مخاطب کو پوری بات سمجھ میں آجائے، جیسے: زَیْدٌ قَائِمٌ.

مرکب غیر تام: وہ مرکب ہے جس پر متکلم کا سکوت صحیح نہ ہو، یعنی جس سے سامع کو پوری بات معلوم نہ ہو؛ بلکہ تشنگی باقی رہ جائے، جیسے: غُلَامُ زَیْدٍ.

پھر مرکب تام کی دو قسمیں ہیں: (۱) خبر وقضیہ (۲) اِنشاء

خبر وقضیہ: وہ مرکب تام ہے جو صدق وکذب کا احتمال رکھے، یعنی اس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکے، جیسے: زَیْدٌ قَائِمٌ، ضَرَبَ زَیْدٌ.

اِنشاء: وہ مرکب تام ہے جو صدق وکذب کا احتمال نہ رکھے، یعنی اس کے قائل کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں، جیسے: اِضْرِبْ، هَلْ زَیْدٌ قَائِمٌ.

پھر انشاء کی چار قسمیں ہیں: (۱) امر (۲) دعا (۳) التماس (۴) تنبیہ

امر: وہ انشاء ہے جو استعلاء کے ساتھ طلبِ فعل پر دلالت کرے دلالتِ اوسلیہ، جیسے: "اِضْرِبْ" (تو مار)۔

التماس: وہ انشاء ہے جو تساوی کے ساتھ طلبِ فعل پر دلالت کرے، یعنی متکلم مخاطب سے طلبِ فعل کرے اور اپنے آپ کو مخاطب کے برابر تصور کرے، جیسے: ایک شخص اپنے ہم عصر، ہم مرتبہ سے طلبِ فعل کرے، مثلاً کہے: "اِئْتِ بِالْمَاءِ" (پانی لائیے)۔

تنبیہ: وہ انشاء ہے جو طلب پر دلالت نہ کرے، جیسے: "لَیْتَ زَیْدٌ حَاضِرًا".

شارح وماتن کے بقول اس قسم میں تمنی، ترجی، ندا، قسم، تعجب، سب داخل ہیں۔

پھر مرکب غیر تام کی دو قسمیں ہیں: (۱) مرکب تقییدی (۲) مرکب غیر تقییدی

مرکب تقییدی: وہ مرکب غیر تام ہے جس میں دوسرا جزء پہلے جزء کے لیے قید ہو، جیسے: رَجُلٌ کَرِیْمٌ، غُلَامُ زَیْدٍ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مرکب غیر تقییدی: وہ ہے جس میں جزءِ ثانی جزءِ اوّل کے لیے قید نہ ہو، جیسے: مِنَ الرَّجُلِ، قَدْ ضَرَبَ.

(د) دلالتِ اوّلیہ، استعلاء اور خضوع کا مطلب:

(۱) استعلاء: استفعال کا مصدر ہے، بمعنیٰ بلندی چاہنا، یعنی متکلم اپنے آپ کو مخاطب سے بڑا سمجھ کر مخاطب سے کسی فعل کو طلب کرے۔

(۲) دلالتِ اوّلیہ: کا مطلب ہے دلالتِ وضعیہ، یعنی امر اس کو کہیں گے جو طلبِ فعل پر من حیث الوضع دلالت کرے، من حیث الاخبار دلالت نہ کرے، یعنی امر وہ ہے جو طلبِ فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو، طلبِ فعل کی خبر دینے کے لیے نہ ہو؛ لہٰذا ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ'' اور ''أَطْلُبُ مِنْكَ الْفِعْلَ'' جیسے جملے امر سے خارج ہو جائیں گے؛ کیونکہ یہ اگرچہ طلب پر دلالت کر رہے ہیں؛ مگر من حیث الاخبار کر رہے ہیں، نہ کہ من حیث الوضع، یعنی طلب کے لیے موضوع نہیں ہیں؛ بلکہ طلب کے لیے مخبر ہیں۔

دعا: وہ انشاء ہے جو خضوع کے ساتھ طلبِ فعل پر دلالت کرے، جیسے: ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً'' وغیرہ۔

(۳) خضوع: فتح کا مصدر ہے، بمعنیٰ جھکنا، پست ہونا، یعنی متکلم اپنے آپ کو مخاطب سے حقیر وکمتر سمجھ کر طلبِ فعل کرے تو یہ دعا ہے۔

محلِ امتحان نمبر (۳۴)، قطبی: ص ۳۲/

(داخلہ امتحان ۱۴۲۱ھ)

(الف) عبارت با اعراب: فَإِنْ قِيلَ: اَلْخَبَرُ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ مُطَابِقًا لِلْوَاقِعِ أَوْ لَا، فَإِنْ كَانَ مُطَابِقًا لِلْوَاقِعِ لَمْ يَحْتَمِلِ الْكِذْبَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُطَابِقًا لَمْ يَحْتَمِلِ الصِّدْقَ، فَلَا خَبَرَ دَاخِلٌ فِي الْحَدِّ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) ''فَإِنْ قِيلَ'' سے جو اعتراض کیا گیا ہے، اعتراض اور جواب کو بھی لکھیں۔

جواب

(الف) ترجمہ:

پس اگر کہا جائے کہ خبر یا تو واقع کے مطابق ہوگی یا نہیں، اگر واقع کے مطابق ہوگی تو کذب کا احتمال نہیں رکھے گی اور واقع کے مطابق نہیں ہوگی تو صدق کا احتمال نہیں رکھے گی؛ لہٰذا کوئی خبر تعریف میں داخل نہیں رہی۔

(ج) ''فَإِنْ قِيلَ'' سے جو اعتراض کیا گیا ہے، اعتراض اور جواب

فَإِنْ قِيلَ: مذکورہ عبارت میں خبر وانشاء کی تعریف پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ خبر کی تعریف جامع نہیں رہی؛ کیوں کہ آپ نے خبر کی تعریف میں یہ بات کہی ہے کہ جو صدق و کذب کا احتمال رکھے تو وہ خبر ہے اور ایسی کوئی خبر نہیں ہوتی جو صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھے؛ بلکہ یا تو صرف صدق کا احتمال رکھتی ہے یا صرف کذب کا، اگر خبر واقع کے مطابق ہے تو وہ خبر صادق کہلاتی ہے، یعنی صرف صدق کا احتمال رکھتی ہے اور اگر خبر واقع کے مطابق نہیں ہے تو وہ خبر کاذب کہلاتی ہے، یعنی صرف کذب کا احتمال رکھتی ہے؛ لہٰذا کوئی خبر، خبر نہیں رہی۔

غیر پسندیدہ جواب:

بعض حضرات کی طرف سے اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ خبر کی تعریف ''مايحتمل الصدق والكذب'' میں واؤ عاطفہ جو وصل واجتماع کے لیے آتا ہے 'أو'' کے معنیٰ میں ہے، جو فصل کے لیے آتا ہے اور اب مطلب یہ ہے کہ خبر وہ مرکب تام ہے جو صدق یا کذب کا احتمال رکھے؛ لہٰذا اب تمام خبریں اس تعریف میں داخل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو جائیں گی؛ کیوں کہ ہر خبر صدق یا کذب کا احتمال رکھتی ہی ہے۔

لیکن بقولِ شارح یہ جواب اچھا نہیں ہے؛ کیوں کہ لفظ "یَحتَمِلُ" اِس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ "واؤ"، "أو" کے معنیٰ میں نہیں ہے؛ اس لیے کہ احتمال کا مطلب ہوتا ہے جانبین کا امکان اور "أوْ" کا مطلب ہے جانبین میں سے صرف ایک کا وجود، تو اگر واوَ، او کے معنیٰ ہی میں ہوتا تو پھر "احتمل" کا لفظ نہ لاکر عبارت یوں آتی: "اَلْخَبَرُ مَاصَدَقَ أوْ كَذَبَ" (خبر وہ ہے جو صادق ہو یا کاذب ہو)، تو پتہ چلا کہ واوَ اپنے ہی (جمعیت) کے معنیٰ میں ہے اور یہ جواب غیر پسندیدہ ہے۔

پسندیدہ جواب:

مذکورہ اعتراض کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ خبر کی تعریف میں واوَ اپنی جگہ پر ہے، یعنی وصل واجتماع کے لیے ہے؛ البتہ صدق وکذب کے احتمال سے مراد "بِمُجَرَّدِ النَّظَرِ إلٰی نَفْسِ الْمَفْهُوْمِ مَعَ قَطْعِ النَّظَرِ عَنِ الْخَارِجِ" ہے، یعنی خبر وہ ہے جو مرکب کے نفس مفہوم پر نظر کرتے ہوئے صدق وکذب کا احتمال رکھے، قرائن خارجیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے، یعنی کچھ خارجی قرائن کی بنیاد پر خواہ صدق وکذب کا احتمال رکھے یا نہ رکھے، اس کا خبر میں کوئی دخل نہیں ہے؛ لہٰذا اب تمام خبریں خبر میں داخل ہو جائیں گی؛ کیوں کہ ہر خبر صادق، خارج کے اعتبار سے گو کذب کا احتمال نہیں رکھتی؛ لیکن اپنے مفہوم کے اعتبار سے کذب کا احتمال بھی رکھتی ہے، جیسے: "اَلسَّمَاءُ فَوْقَنَا" خبر صادق ہے، مشاہد کے قرینہ کی وجہ سے کذب نہیں ہے؛ لیکن اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس میں کذب ہے، اسی طرح ہر خبر کاذب گو خارج کے اعتبار سے صدق کا احتمال نہیں رکھتی؛ لیکن نفس مفہوم کے اعتبار سے رکھتی ہے، جیسے: "اَلسَّمَاءُ تَحْتَنَا" خبر کاذب ہے، نفس الامر کے اعتبار سے اس میں صدق بالکل نہیں ہے؛ لیکن نفس مفہوم کے اعتبار سے یہاں پر صدق بھی ہے، تو اس طرح خبر وقضیہ کی ذکر کردہ تعریف جامع ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۳۵)، قطبی: ص ۳۴

(داخلہ امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: كُلُّ مَفْهُوْمٍ فَهُوَ جُزْئِيٌّ إِنْ مَنَعَ نَفْسُ تَصَوُّرِهٖ مِنْ وُقُوْعِ الشَّرْكَةِ فِيْهِ، وَكُلِّيٌّ إِنْ لَمْ يَمْنَعْ، وَاللَّفْظُ الدَّالُّ عَلَيْهِمَا يُسَمّٰى كُلِّيًا وَ جُزْئِياً بِالْعَرَضِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔ (ج) تشریح کریں۔

(د) ''نفس تصور'' کی قید کیوں کا فائدہ لکھیں۔

جواب

(الف) ترجمہ:

ہر مفہوم پس وہ جزئی ہے اگر اس کا محض تصور اس میں شرکت سے مانع ہو اور (وہ مفہوم) کلی ہے اگر وہ مانع نہ ہو اور جو لفظ ان دونوں (کلی وجزئی) پر دلالت کرتا ہے تو اس کا نام کلی وجزئی بالعرض (مجازاً) رکھ دیا جاتا ہے۔

(ج) تشریح کریں:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے مفہوم کی تقسیم اور پھر اس کی قسموں کی تعریفات کی ہیں، مفہوم ماحصل فی الذہن کو کہتے ہیں، یعنی ذہن میں جو چیز آئے، خواہ بالفعل آئے یا بالقوۃ، اس کو مفہوم کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) کلی (۲) جزئی

ماتن رحمہ اللہ نے جو دونوں کی تعریف کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مفہوم ایسا ہے کہ جس کا نفس تصور شرکت سے مانع ہے تو وہ ''جزئی'' ہے اور اگر نفس تصور شرکت سے مانع نہیں ہے؛ بلکہ شرکت کو جائز قرار دیتا ہے تو وہ ''کلی'' ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نفس تصور کا مطلب: یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک وجود ذہنی ہوتا ہے اور ایک وجود خارجی، تو اگر وجود ذہنی کے اعتبار سے مفہوم میں شرکت ہوسکتی ہے یعنی وہ مفہوم صرف ذہن میں پائے جانے کے اعتبار سے کثیر افراد پر صادق آرہا ہے یا آسکتا ہے تو وہ کلی ہے؛ خواہ خارج کے اعتبار سے کثیرین پر صادق آئے یا نہ آئے اور اگر وجود ذہنی کے اعتبار سے شرکت نہیں ہوسکتی تو مفہوم جزئی ہے، جیسے: زید، عمرو، بکر وغیرہ کے مفہوم میں شرکت نہیں ہوسکتی تو یہ جزئی ہیں اور انسان وحیوان کے مفہوم میں شرکت ہوسکتی ہے تو یہ کلی ہیں، تو نفس تصور کا مطلب ہے ''تصور من حیث الذہن'' نہ کہ ''من حیث الخارج''۔

وَاللَّفْظُ الدَّالُّ إلخ: اس عبارت میں ماتن رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ کلی وجزئی ہونا حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو مفہوم ومعنیٰ کی صفت ہیں اور کلی وجزئی اصلاً معنیٰ کے نام ہیں؛ لیکن ''تَسْمِیَۃُ الدَّالِّ بِاسْمِ الْمَدْلُوْلِ'' کے قبیل سے ان الفاظ کو مجازاً کلی وجزئی کہہ دیا جاتا ہے جو ان معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں، جیسے: حقیقت کے اعتبار سے تو ذاتِ زید جزئی ہے، اسی طرح انسان کا مفہوم حیوانِ ناطق کا مجموعہ یہ کلی ہے؛ لیکن مجازاً لفظ زید کو جزئی اور لفظ انسان کو کلی کہہ دیا جاتا ہے۔

(د) کلی وجزئی کی تعریف میں ''نفس تصور'' کی قید کا فائدہ ملاحظہ ہو:

اگر یہ قید نہ لگائی جاتی تو پھر کلی کی تعریف جامع اور جزئی کی تعریف مانع نہ رہتی، بعض کلی کلیات سے نکل کر جزئی میں داخل ہوجاتی؛ کیونکہ اس قید کے بغیر کلی وجزئی کی تعریف کا خلاصہ یہ ہوتا کہ اگر مفہوم میں شرکت ہوسکے، یعنی وہ کثیرین پر صادق آسکے تو وہ کلی ہے اور اگر شرکت نہ ہوسکے تو وہ جزئی ہے؛ لہٰذا بعض کلی مثلاً واجب الوجود اور لاشئ؛ یہ کلی سے خارج ہوجاتی اور جزئی میں داخل ہوجاتی؛ کیونکہ ''واجب الوجود'' خارج میں صرف ایک فرد پر صادق آتا ہے اور ''لاشے'' ایک فرد پر بھی صادق نہیں آتا، تو ''نفسِ تصورہ'' کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قیدلگا کر بتادیا کہ کلی وجزئی ہونے میں خارج میں شرکت وعدمِ شرکت کا اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ صرف ذہن وعقل کے اعتبار سے شرکت وعدمِ شرکت کا اعتبار ہے اور ذہن کے اعتبار سے واجب الوجود اور لاشے'' میں شرکت ممکن ہے، تو یہ کلی ہے جزئی نہیں ہے۔

''واجب الوجود'' میں عقلاً شرکت ممکن ہے، تب ہی تو توحید کے اثبات میں دلائل قائم کیے جاتے ہیں اور ''لاشے'' کا بھی عقلاً صدق علی الکثیرین ممکن ہے، اگرچہ خارج میں اس کا ایک فرد بھی پایا جانا محال ہے، تو اس لیے یہ قید لگائی، تاکہ اس طرح کی کلیات جزئی میں داخل نہ ہو جائیں۔

محل امتحان نمبر (۳۶)، قطبی: ص ۳۴

(ششماہی امتحان ۱۴۱۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: الْـمَعَـانِيْ هِـيَ الـصُّوَرُ الذِّهْنِيَّةُ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا وُضِعَ بِإِزَائِهَا الْأَلْفَاظُ، فَإِنْ عُبِّرَ عَنْهَا بِأَلْفَاظٍ مُفْرَدَةٍ فَهِيَ الْمَعَانِي الْمُفْرَدَةُ، وَإِلَّا فَالْمُرَكَّبَةُ، وَالْكَلَامُ هٰهُنَا إِنَّمَا هُوَ فِي الْمَعَانِي الْمُفْرَدَةِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجئے۔ (ج) مطلب قلم بند کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

معانی ذہنی صورتیں (کہلاتی) ہیں، اس حیثیت سے کہ ان کے مقابل الفاظ وضع کیے جائیں، پس اگر ان ذہنی معانی کو مفرد الفاظ سے تعبیر کیا جائے تو وہ معانی مفردہ کہلاتے ہیں، ورنہ تو معانی مرکبہ اور یہاں پر گفتگو معانی مفردہ میں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مطلب:

مذکورہ عبارت شارح کی ہے جس میں شارح نے معانی کا مصداق بیان فرمایا ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں کہ ذہن میں اشیاء کی جو صورتیں مُرتسم ہوتی ہیں ان کو معانی کہا جاتا ہے؛ مگر علی الاطلاق نہیں؛ بل کہ اس حیثیت سے ان ذہنی صورتوں کو معانی کہا جاتا ہے کہ ان کے بالمقابل الفاظ وضع کیے گئے ہوں، یعنی ان صورِ ذہنیہ پر دلالت کرنے کے لیے الفاظ مقرر کیے گئے ہوں۔

فَإِنْ عُبِّرَ عَنْهَا بِأَلْفَاظٍ مُفْرَدَةٍ: یہاں سے شارح معانی کی تقسیم کر رہے ہیں اور یہ تقسیم معانی پر دلالت کرنے والے الفاظ کے اعتبار سے ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں کہ اگر معانی کو الفاظِ مفردہ سے تعبیر کیا جائے گا تو وہ معانی مفردہ کہلائیں گے اور اگر الفاظ مرکبہ سے ادا کیا جائے گا تو وہ معانی مرکبہ کہلائیں گے؛ چناں چہ "زید" کے معنیٰ "زید" مفرد ہوں گے؛ کیوں کہ اس پر لفظ مفرد زید دلالت کر رہا ہے اور "زَيْدٌ قَائِمٌ" کے معنیٰ (زید کھڑا ہے) مرکب کہلائیں گے؛ کیوں کہ لفظ مرکب "زَيْدٌ قَائِمٌ" سے اس کو تعبیر کیا جا رہا ہے۔

تو گویا کہ جس طرح لفظ کی دو قسمیں مشہور ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب

اسی طرح معنیٰ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مفرد (۲) مرکب

وَالْكَلَامُ هٰهُنَا إِنَّمَا هُوَ فِي الْمَعَانِي الْمُفْرَدَةِ: اس عبارت سے شارح یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس فصل میں ماتن رحمہ اللہ معانی مفردہ سے بحث کریں گے؛ چناں چہ کلی و جزئی اور پھر کلی کی تمام اقسام و ابحاث معنیٰ مفرد ہی سے متعلق ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حل امتحان نمبر (۳۷)، قطبی: ص ۳۴/۳۵-۳۵

(سالانہ امتحان ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: بَيَانُ التَّسْمِيَةِ بِالْكُلِّيِّ وَالْجُزْئِيِّ، أَنَّ الْكُلِّيَّ جُزْءٌ لِلْجُزْئِيِّ غَالِبًا، كَالْإِنْسَانِ، فَإِنَّهُ جُزْءٌ لِزَيْدٍ، وَالْحَيْوَانِ فَإِنَّهُ جُزْءٌ لِلْإِنْسَانِ، وَالْجِسْمِ فَإِنَّهُ جُزْءٌ لِلْحَيْوَانِ، فَيَكُوْنُ الْجُزْئِيُّ كُلًّا وَالْكُلِّيُّ جُزْءٌ لَهُ، وَكُلِّيَّةُ الشَّيْءِ إِنَّمَا يَكُوْنُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْجُزْئِيِّ، فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ الشَّيْءُ مَنْسُوْبًا إِلَى الْكُلِّ وَالْمَنْسُوْبُ إِلَى الْكُلِّ كُلِّيٌّ، وَكَذٰلِكَ جُزْئِيَّةُ الشَّيْءِ إِنَّمَا هِيَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْكُلِّيِّ، فَيَكُوْنُ مَنْسُوْبًا إِلَى الْجُزْءِ وَالْمَنْسُوْبُ إِلَى الْجُزْءِ جُزْئِيٌّ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) کلی وجزئی کی تعریف کریں اور عبارت کا واضح مطلب لکھتے ہوئے "كُلِّيَّةُ الشَّيْءِ إِنَّمَا يَكُوْنُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْجُزْئِيِّ" اور "جُزْئِيَّةُ الشَّيْءِ إِنَّمَا هِيَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْكُلِّيِّ" کی خصوصیت کے ساتھ وضاحت کیجیے۔

جواب

(الف) ترجمہ:

کلی اور جزئی نام رکھنے (کی وجہ) کا بیان یہ ہے کہ کلی عام طور پر جزئی کا جزء ہوتی ہے، جیسے: انسان بیشک زید کا جزء ہے، اور جیسے: حیوان کہ بیشک یہ انسان کا جزء ہے اور جیسے: جسم کہ یہ حیوان کا جزء ہے، تو جزئی کل ہو جاتی ہے اور کلی اس کا جزء اور شی کا کلی ہونا وہ جزئی کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے؛ چناں چہ وہ شی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کل کی طرف منسوب ہوتی ہے اور منسوب الی الکل شئ ہی کلی کہلاتی ہے اور اسی طرح شئ کا جزئی ہونا کلی کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے؛ چنانچہ وہ منسوب الی الجزء ہوتا ہے اور منسوب الی الجزء شئ ہی جزئی ہوتی ہے۔

(ج) کلی و جزئی کی تعریف اور عبارت کا مطلب:

مذکورہ عبارت سے قبل کلی اور جزئی کی تعریفیں تفصیل کے ساتھ گزری ہیں، اب اس عبارت میں شارح نے کلی و جزئی کی وجہِ تسمیہ بیان کی ہیں، جن کا اجمالی بیان تو یہ ہے کہ کلی اور جزئی دونوں لفظوں میں یائے نسبتی لگی ہوئی ہے؛ لہٰذا کلی کے معنیٰ ہوئے ”کل والا“ یعنی کل سے تعلق رکھنے والا اور جزئی کے معنیٰ ہوئے ”جزء والا“ یعنی جزء سے تعلق رکھنے والا، تو کلی کل سے تعلق رکھتی ہے اور جزئی جزء سے، اس وجہ سے ان کو کلی و جزئی کہا جاتا ہے۔

کلی و جزئی کی وجہ تسمیہ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ کلی اکثر و بیشتر اپنے جزئیات کا جزء بنتی ہے، مثلاً انسان وحیوان وجسم نامی، ان میں انسان کلی نوع ہے، باقی دو جنس ہیں، تو انسان اپنے افراد زید، عمرو وغیرہ کا جزء ہے؛ کیونکہ افراد واشخاص میں دو چیزیں ہوا کرتی ہیں: (۱) ماہیتِ نوعیہ (۲) تشخص

ان ہی سے مرکب ہوکر فرد بنتا ہے تو انسان ماہیتِ نوعیہ کا جزء بن رہا ہے، اسی طرح حیوان جزء بن رہا ہے، مثلاً انسان اور فرس کا، نیز جسم نامی جزء بن رہا ہے حیوان کا، تو کلی تو جزء ہوئی اور یہ افراد و جزئیات کہ جن کی کلی جزء بن رہی ہے کل ہوگئے؛ کیوں کہ جس کا جزء ہو وہ کل ہوتا ہے، تو کلی تو جزء اور جزئی کل ہوگئی، و كلية الشيء إلخ: یعنی کلی کا کلی ہونا جزئی کے لحاظ سے اور جزئی کا جزئی ہونا یہ کلی کے لحاظ سے ہوتا ہے؛ چناں چہ گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کلی کو جزئی سے تعلق ہے، اسی طرح جزئی کو کلی سے تعلق ہے، کلی کو جزئی سے جزء بننے کا تعلق ہے کہ کلی جزئی کا جزء بنتی ہے اور جزئی کو کلی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بننے کا تعلق ہے کہ جزئی کلی کے لیے کل بنتی ہے، تو ہر ایک کو دوسرے سے تعلق ہے، بالفاظِ دیگر ہر ایک دوسرے کی طرف منسوب ہے، کلی جزئی کی طرف منسوب ہے اور جزئی کلی کی طرف؛ لہٰذا کلی (جزء) کل (جزئی) کی طرف منسوب ہے اور جزئی (کل) کلی (جزء) کی طرف منسوب ہے اور جو چیز کل کی طرف منسوب اور اس سے تعلق رکھے تو اس کو کلی اور جو چیز جزء کی طرف منسوب اور اس سے تعلق رکھے اس کو جزئی کہا جاتا ہے، اس وجہ سے کلی کو کلی نام دیا گیا اور جزئی کو جزئی نام دیا گیا۔

غالبًا کی قید کیوں؟ یعنی یہ کہا گیا ہے کہ عام طور پر اور اکثر و بیشتر کلی اپنے افراد کا جزء ہوتی ہے، ہر کلی جزء نہیں ہوتی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کلیات پانچ ہیں: جنس، نوع، فصل، خاصہ، عرضِ عام، تو ان میں سے اوّل الذکر صرف تین اپنے افراد کا جزء بنتی ہیں، باقی دو نہیں، تو اس لیے یہ حکم کلی نہیں لگایا گیا؛ بلکہ غالبًا کہہ کر اکثری حکم لگایا گیا کہ اکثر کلی جزء بنتی ہے اپنے افراد کا۔

محل امتحان نمبر (۳۸)، قطبی: ص/۳۵

(سالانہ امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت با اعراب: فَالْكُلِّيُّ إِذَا نُسِبَ إِلٰى مَاتَحْتَهُ مِنَ الْجُزْئِيَّاتِ، فَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ نَفْسَ مَاهِيَّتِهَا أَوْ دَاخِلًا فِيْهَا أَوْ خَارِجًا عَنْهَا، وَالدَّاخِلُ يُسَمَّى ذَاتِيًّا وَالْخَارِجُ عَرَضِيًّا، وَرُبَمَا يُقَالُ: الذَّاتِيُّ عَلٰى مَالَيْسَ بِخَارِجٍ، وَهٰذَا أَعَمُّ مِنَ الْأَوَّلِ.

(ب) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت میں کلیاتِ خمسہ کا اجمالاً ذکر ہے، آپ مطلب لکھتے ہوئے ان کو مثالوں سے بیان کیجیے۔ (د) ذاتی کے دونوں معنوں میں فرق بیان کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب):

پس کلی جب اپنے ماتحت جزئیات کی طرف منسوب ہوتو یا تو وہ اپنے جزئیات کی عین ماہیت ہوگی یا ماہیت میں داخل ہوگی یا ماہیت سے خارج ہوگی۔اور داخلِ ماہیت کلی کا نام ذاتی اور خارجِ ماہیت کا نام عرضی رکھا جاتا ہے اور کبھی کبھی ذاتی اس کلی پر بولا جاتا ہے جو ماہیت سے خارج ہو اور یہ معنیٰ پہلے سے عام ہیں۔

(ج) کلیاتِ خمسہ مع مثال، اور مطلب:

مذکورہ عبارت میں اولاً تو کلی کی تین صورتیں وحالتیں بیان کی گئی ہیں، پھر کلی ذاتی و عرضی کی تعریف، نیز ذاتی کے دو معنیٰ ذکر کیے گئے ہیں، کلی کی تین حالتیں یہ ہیں:

(۱) یا تو کلی اپنے افراد و جزئیات کی عین حقیقت ہوتی ہے، یعنی پوری حقیقت ہوتی ہے، جیسے: انسان اپنے افراد زید، عمر، بکر وغیرہ کی عین حقیقت ہے، پوری حقیقت ہے، ان سب کی حقیقت صرف انسان ہی ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حقیقت نہیں؛ بلکہ تشخصات وعوارض ہوتے ہیں۔

(۲) یا کلی اپنے افراد کی حقیقت میں داخل ہوتی ہے، جیسے: حیوان اپنے افراد انسان، فرس، بقر وغیرہ کی پوری حقیقت میں داخل ہوتی ہے، یعنی ایک جزء ہے، مثلاً انسان کی پوری حقیقت حیوانِ ناطق ہے، تو اس میں حیوان ایک جزء ہے۔

(۳) یا کلی اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے، جیسے: ضاحک اپنے افراد زید، عمر، بکر وغیرہ کی حقیقت سے خارج ہے، پھر دوسری اور تیسری حالت میں یہ تفصیل ہے کہ جو کلی اپنے افراد کی حقیقت میں داخل ہے وہ یا تو (ا) تمام مشترک ہوگی، جیسے: حیوان یا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) تمام مشترک نہیں ہوگی، جیسے: ناطق وحساس، اسی طرح جو کلی اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہے وہ یا تو (۱) ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہوگی، جیسے: ضاحک، کاتب وغیرہ، یا (۲) مختلف حقیقت والے افراد پر بولی جائے گی، جیسے: ماشی، نامی وغیرہ۔

اب ان میں سے پہلی والی کلی جو کہ اپنے افراد کی عین حقیقت ہو؛ کو ''نوع'' کہتے ہیں اور دوسری والی کو جو کہ داخلِ حقیقت اور تمام مشترک ہو؛ کو جنس کہتے ہیں اور تیسری والی کو جو کہ داخلِ حقیقت تو ہو؛ مگر تمام مشترک نہ ہو؛ بلکہ بعض مشترک ہو یا بالکل ہی مشترک نہ ہو؛ اس کو ''فصل'' کہتے ہیں اور چوتھی کلی کہ جو خارجِ حقیقت ہو اور ایک حقیقت والے افراد کے ساتھ خاص ہو؛ کو ''خاصہ'' کہتے ہیں اور پانچویں کلی جو کہ خارج حقیقت ہو اور مختلف حقیقت والے افراد پر محمول ہو؛ کو ''عرضِ عام'' کہتے ہیں، اور پانچویں کلی جو کہ خارج حقیقت ہو اور مختلف حقیقت والے افراد پر محمول ہو؛ کو ''عرضِ عام'' کہتے ہیں، تو اس طرح بظاہر عبارت مذکورہ میں کلی کی تین اقسام کا ذکر ہے؛ لیکن درحقیقت پانچوں اقسام کا اجمالاً ذکر ہے۔

(د) ذاتی کے دونوں معنوں میں فرق:

کلی ذاتی کے دو معنیٰ شارح نے مذکورہ عبارت میں بیان کیے ہیں: ایک تو یہ کہ کلی ذاتی اس کو کہتے ہیں جو داخلِ حقیقت ہو، جیسے: حیوان۔ دوسرے معنیٰ یہ کہ کلی ذاتی اس کو کہتے ہیں جو خارجِ حقیقت نہ ہو (خواہ داخل حقیقت ہو یا نہ ہو) کلی ذاتی کے دونوں معنوں میں سے پہلے خاص اور دوسرے عام ہیں، پہلی تعریف کے اعتبار سے صرف جنس اور فصل اس میں داخل ہو رہی ہے نوع نہیں؛ کیوں کہ نوع داخلِ حقیقت نہیں؛ بلکہ عین حقیقت ہوتی ہے اور دوسری تعریف کے اعتبار سے نوع بھی اس میں آ گئی ہے؛ کیوں کہ نوع خارجِ حقیقت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ عینِ حقیقت ہوتی ہے، اگرچہ داخلِ حقیقت بھی نہیں ہوتی اور دوسری تعریف کا مطلوب یہی ہے کہ خارجِ حقیقت نہ ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۳۹)، قطبی: ص/۳۵

(داخلہ امتحان ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت با اعراب: فَالْكُلِّيُّ إِذَا نُسِبَ إِلٰى مَاتَحْتَهُ مِنَ الْجُزْئِيَّاتِ، فَإِمَّا أَنْ يَكُوْنَ نَفْسَ مَاهِيَّتِهَا أَوْ دَاخِلًا فِيْهَا أَوْ خَارِجًا عَنْهَا، وَالدَّاخِلُ يُسَمّٰى ذَاتِيًّا وَالْخَارِجُ عَرَضِيًّا،

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) کلی کی اپنے ماتحت جزئیات کے اعتبار سے کتنی قسمیں ہیں؟ لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

پس کلی جب اپنے ماتحت جزئیات کی طرف منسوب ہو تو یا تو وہ اپنے جزئیات کی عین ماہیت ہوگی یا ماہیت میں داخل ہوگی یا ماہیت سے خارج ہوگی۔ اور داخلِ ماہیت کلی کا نام ذاتی اور خارجِ ماہیت کا نام عرضی رکھا جاتا ہے۔

(ج) کلی کی اپنے ماتحت جزئیات کے اعتبار سے قسمیں:

مذکورہ عبارت میں کلی کی اس کی جزئیات کے اعتبار سے تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) کلی اپنے افراد و جزئیات کی پوری حقیقت ہو، جیسے: انسان اپنے افراد: زید، عمرو، بکر وغیرہ کی پوری حقیقت ہے۔

(۲) کلی اپنے افراد و جزئیات کی حقیقت میں داخل ہو، یعنی پوری حقیقت تو نہ ہو؛ بلکہ حقیقت کا جزء ہو، جیسے: حیوان اپنے افراد انسان، فرس، بقر وغیرہ کی پوری حقیقت کا جزء ہے؛ کیوں کہ ان کی پوری حقیقت مثلاً انسان کی ”حیوانِ ناطق“ ہے، فرس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کی ''حیوانِ صاہل'' ہے اور ان سب میں حیوان داخل ہے۔

(۳) کلی اپنے افراد و جزئیات کی حقیقت سے خارج ہو، جیسے: ضاحک، زید، عمرو، بکر وغیرہ کی حقیقت سے خارج ہے جو کہ ضاحک کے افراد ہیں۔

پھر کلی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کلی ذاتی (۲) کلی عرضی

کلی ذاتی: وہ کلی ہے جو اپنے افراد کی پوری حقیقت ہو، یا حقیقت کا جزء ہو، جیسے: حیوان اور انسان۔

کلی عرضی: وہ کلی ہے جو اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہو، جیسے: ضاحک، ماشی۔

پھر کلی ذاتی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جنس (۲) نوع (۳) فصل

اور کلی عرضی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خاصہ (۲) عرضِ عام

کل ملا کر پانچ قسمیں ہو گئیں جن کو کلیاتِ خمسہ کہتے ہیں۔

محل امتحان نمبر (۴۰)، قطبی: ص ر ۳۷

(ششماہی امتحان ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت با اعراب: اَلْكُلِّيُّ الَّذِي هُوَ جُزْءُ الْمَاهِيَّةِ مُنْحَصِرٌ فِي جِنْسِ الْمَاهِيَّةِ وَفَصْلِهَا، لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ تَمَامَ الْجُزْءِ الْمُشْتَرَكِ بَيْنَ الْمَاهِيَّةِ وَبَيْنَ نَوْعٍ آخَرَ، أَوْ لَايَكُوْنَ، وَالْمُرَادُ بِتَمَامِ الْجُزْءِ الْمُشْتَرَكِ بَيْنَ الْمَاهِيَّةِ وَبَيْنَ نَوْعٍ آخَرَ الْجُزْءُ الْمُشْتَرَكُ الَّذِي لَايَكُوْنُ وَرَاءَهُ جُزْءٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا، أَيْ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جُزْءٌ مُشْتَرَكٌ لَايَكُوْنُ جُزْءٌ مُشْتَرَكٌ خَارِجًا عَنْهُ؛ بَلْ كُلُّ جُزْءٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا، إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ نَفْسَ ذٰلِكَ الْجُزْءِ أَوْ جُزْءً مِنْهُ كَالْحَيْوَانِ.

(الف) اعراب لگایئے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) تمامِ مشترک کی جامع تعریف کر کے عبارت کی تشریح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

وہ کلی جو ماہیت کا جزء ہوتی ہے، ماہیت کی جنس اور اس کی فصل میں منحصر ہے؛ اس لیے کہ وہ کلی یا تو اس ماہیت اور نوعِ آخر کے درمیان تمامِ جزء مشترک ہوگی یا نہیں ہوگی اور اس ماہیت ونوعِ آخر کے درمیان تمامِ جزءِ مشترک سے مراد ایسا جزء مشترک ہے کہ جس کے علاوہ کوئی اور دوسرا ان دونوں (ماہیت ونوعِ آخر) کے درمیان جزء مشترک نہ ہو، یعنی (تمامِ مشترک) ایسا جزء مشترک ہوتا ہے کہ کوئی اور جزء مشترک اس پہلے جزء مشترک سے خارج نہ ہو؛ بلکہ ہر جزء مشترک یا تو اس پہلے والے جزء مشترک کا عین ہو یا اس کا جزء ہو، جیسے: حیوان۔

(ج) تمامِ مشترک کی جامع تعریف اور عبارت کی تشریح:

مذکورہ عبارت میں شارح نے اوّلاً تو یہ بات بیان کی ہے کہ جو کلی کسی ماہیت کا جزء ہوتی ہے تو وہ صرف دو چیزوں میں منحصر ہے، یعنی یا تو وہ اس ماہیت کے لیے جنس ہوتی ہے، یا اس ماہیت کے لیے فصل بنتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلی یا تو اس ماہیت (کہ جس کا جزء بن رہی ہے) اور دیگر ماہیت کے بیچ تمام مشترک ہوتی ہے یا نہیں، اگر یہ کلی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تمامِ مشترک ہوتی ہے تو یہ جنس بنتی ہے اور اگر تمام مشترک نہیں بنتی (خواہ بالکل مشترک ہی نہ ہو یا ہو، مگر بعضِ مشترک ہو) تو فصل ہوتی ہے۔

پھر شارح رحمہ اللہ نے تمامِ مشترک کی تعریف بھی مذکورہ عبارت میں کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

تمامِ مشترک: چند اجزائے مشترکہ میں سے اس سب سے بڑے جزء کو کہتے ہیں جو ایسا مشترک ہو کہ باقی دیگر اجزائے مشترکہ اس سے خارج اور باہر نہ ہوں، خارج نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باقی اجزاء یا تو بالکل تمامِ مشترک کا عین ہوں، یعنی دونوں کا مصداق ایک ہو، یا باقی اجزائے مشترکہ اس تمام مشترک کے جزء ہوں، جیسے: مثلاً حیوان، انسان وفرس میں تمام مشترک ہے؛ کیوں کہ حیوان کے علاوہ دیگر اجزاء مثلاً جوہر، جسم نامی، حساس، متحرک بالارادہ یہ سارے کے سارے بھی انسان وفرس میں مشترک تو ہیں؛ مگر ایسے مشترک ہیں کہ حساس اور متحرک بالارادہ تو عین حیوان ہیں؛ کیوں کہ دونوں کا مصداق ایک ہے اور جوہر، جسم نامی یہ حیوان کا جزء ہیں؛ تو حیوان ''تمام جزء مشترک'' کہلائے گا اور باقی اجزاء ''بعض مشترک'' کہلائیں گے۔

محل امتحان نمبر (۴۱)، قطبی: ص/۳۹

(ششماہی امتحان ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَهُوَ قَرِيبٌ إِنْ كَانَ الْجَوَابُ عَنِ الْمَاهِيَّةِ، وَعَنْ بَعْضِ مَايُشَارِكُهَا فِيهِ عَيْنَ الْجَوَابِ عَنْهَا، وَعَنْ كُلِّ مَايُشَارِكُهَا، كَالْحَيْوَانِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْإِنْسَانِ، وَبَعِيدٌ إِنْ كَانَ الْجَوَابُ عَنْهَا وَعَنْ بَعْضِ مَايُشَارِكُهَا فِيهِ غَيْرَ الْجَوَابِ عَنْهَا وَعَنْ بَعْضٍ آخَرَ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) عبارت کا مفہوم واضح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور وہ (جنس) قریب ہے اگر ماہیت اور اس کے بعض مشارکات کا جواب بعینہٖ وہ جواب ہو جو ماہیت اور اس کے تمام مشارکات کا جواب ہوتا ہے، جیسے: حیوان انسان کے اعتبار سے اور وہ بعید ہے اگر ماہیت اور اس کے بعض مشارکات کا جواب اس جواب کے علاوہ ہو جو ماہیت اور اس کے دیگر مشارکات کا جواب ہوتا ہے۔

(ج) عبارت کا مفہوم:

ماتن رحمہ اللہ نے اس عبارت میں جنس کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) جنس قریب (۲) جنس بعید

پھر ہر ایک کی تعریف بیان کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

جنسِ قریب: وہ جنس ہے جس کے جزئیات اور افراد میں سے کوئی سے بھی بھی دو یا زائد افراد کو لے کر اگر سوال کیا جائے تو ہر مرتبہ یہی جنس جواب میں واقع ہو، جیسے: حیوان؛ انسان کی جنسِ قریب ہے؛ کیوں کہ اس کے افراد مثلاً انسان، فرس، حمار، بقر، غنم وغیرہ ہیں، اب اگر انسان وفرس کو لے کر سوال کریں اور یوں کہیں: "اَلْـإِنْسَـانُ وَالْـفَـرَسُ مَـاهُـمَـا؟" تو جواب حیوان آئے گا اور اگر حمار اور بقر کو لے کر سوال کریں تو جواب حیوان آئے گا، انسان وغنم کو لے کر سوال کریں تو جواب حیوان آئے گا اور اگر سب کو لے کر سوال کریں تو جواب میں حیوان آئے گا، تو ہر دفعہ یہی جواب آ رہا ہے، تو پتہ چلا کہ انسان وفرس وغیرہ کی حیوان جنسِ قریب ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جنسِ بعید: وہ جنس ہے کہ اس کے جزئیات میں سے کچھ کو لے کر سوال کرنے پر جواب اور آئے اور دیگر بعض کو لے کر سوال کرنے پر جواب کچھ اور آئے، ہر مرتبہ یہی جنس جواب نہ آئے، جیسے: جسم نامی، انسان کی جنس بعید ہے؛ کیوں کہ اس کے افراد مثلاً انسان، فرس، بقر، شجرِ انگور، شجرِ آدم وغیرہ ہیں، اب ان میں سے انسان اور شجرِ انگور کو لے کر اگر سوال کریں اور یوں کہیں: الإنسان وشجرة العنب ماهما؟ تو جواب میں "جِسْمٌ نَامٍ" آئے گا اور انسان وفرس کو لے کر سوال کریں تو جواب میں جسم نامی نہیں؛ بل کہ حیوان آئے گا، تو یہاں پر جواب بدل گیا ہے؛ لہٰذا پتہ چلا کہ جسم نامی انسان وغیرہ کی جنسِ بعید ہے، اسی طرح جسم مطلق اور جوہر بھی انسان کی جنس بعید ہے۔

محل امتحان نمبر (۴۲)، قطبی: ص ۴۲

(سالانہ امتحان ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: لَايُقَالُ: حَصْرُ جُزْءِ الْمَاهِيَّةِ فِي الْجِنْسِ وَالْفَصْلِ بَاطِلٌ، لِأَنَّ الْجَوْهَرَ النَّاطِقَ وَالْجَوْهَرَ الْحَسَّاسَ مَثَلًا جُزْءٌ لِمَاهِيَّةِ الْإِنْسَانِ مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ بِجِنْسٍ، وَلَافَصْلٍ، لِأَنَّا نَقُوْلُ: الْكَلَامُ فِي الْأَجْزَاءِ الْمُفْرَدَةِ، لَا فِيْ مُطْلَقِ الْأَجْزَاءِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) ماہیت، جزءِ ماہیت، اجزائے مفردہ اور اجزائے مطلقہ کی تعریف مع مثال تحریر کیجیے۔ (د) عبارت میں ذکر کردہ اشکال وجواب کو لکھیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جزءِ ماہیت کو جنس اور فصل میں منحصر کر دینا باطل ہے؛ اس لیے کہ مثلاً جوہر ناطق اور جوہر حساس؛ انسان کی ماہیت کا جزء ہے، باوجودے کہ یہ جنس نہیں ہے اور نہ ہی فصل ہے؛ کیوں کہ ہم جواب میں کہیں گے کہ گفتگو اجزائے مفردہ میں چل رہی ہے نہ کہ مطلق اجزا میں۔

(ج) ماہیت، جزءِ ماہیت، اجزائے مفردہ اور اجزائے مطلقہ کی تعریف مع مثال:

ماہیت: ان چند چیزوں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جن سے مل کر کوئی شی بنتی ہے، جیسے: حیوانِ ناطق، انسان کی ماہیت ہے کہ ان دونوں سے مل کر انسان بنتا ہے۔

جزءِ ماہیت: جن چند چیزوں سے مل کر کوئی شی بنتی ہے ان میں سے ہر ایک کو جزءِ ماہیت کہا جاتا ہے، جیسے: ''حیوان'' اور ''ناطق'' الگ الگ ماہیتِ انسان کے جزء ہیں۔

اجزائے مفردہ: وہ اجزاء کہلاتے ہیں جو کسی طرح کی نسبتِ اضافی یا اتصالی کے بغیر ہوں، جیسے: ''حیوان'' اور ''ناطق''۔

اجزائے مطلقہ: وہ اجزاء کہلاتے ہیں جو کسی طرح کی قید سے مقید نہ ہوں، یعنی خواہ وہ نسبت کے ساتھ ہوں یا بغیر نسبت کے ہوں، جیسے: ''جوہر حساس'' اور ''حیوان''۔

(د) عبارت میں ذکر کردہ اشکال و جواب:

اشکال: یہ ہے کہ ماقبل میں کلی کی ایک صورت (کہ وہ کلی اپنے افراد کی حقیقت و ماہیت کا جزء ہو) کو صرف دو چیزوں: جنس اور فصل میں منحصر کیا گیا ہے، یعنی یہ کہا گیا ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ جو کلی اپنے افراد کی ماہیت کا جزء ہو تو وہ یا تو جنس ہوتی ہے؛ جب کہ تمام مشترک ہو، یا فصل ہوتی ہے؛ جب کہ تمام مشترک نہ ہو، تو صرف دو قسموں میں یہ انحصار صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ کچھ کلی ایسی ہیں کہ جو ماہیت کا جزء تو ہیں؛ مگر نہ جنس ہیں اور نہ فصل ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جنس و فصل کے علاوہ کوئی اور بھی چیز ہے جس کے ضمن میں جزءِ ماہیت بننے والی کلی پائی جاتی ہے، جیسے: مثلاً جوہر ناطق، انسان کی ماہیت کا جزء ہے؛ لیکن جنس نہیں ہے؛ کیوں کہ جنس تمام مشترک کو کہتے ہیں اور یہ تمام مشترک نہیں ہے اور نہ ہی یہ فصل ہے، ورنہ تو جنس اور فصل سے ماہیت کی ترکیب میں ذاتی کا تکرار لازم آئے گا اور یہ باطل ہے؛ لہٰذا آپ کا صرف دو ہی چیزوں میں منحصر کر دینا غلط ہے۔

شارح علیہ الرحمہ نے اس اشکال کا جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے جس جزء کو لے کر اشکال کیا ہے وہ مرکب جزء ہے اور ہم نے جس جزء کا انحصار کیا ہے وہ مفرد جزء ہے، تو ہماری مراد اجزائے مفردہ ہے نہ کہ اجزائے مطلقہ کہ وہ مفرد ہوں یا مرکب، تو جو ہماری مراد ہے اس پر اشکال نہیں اور جس پر اشکال ہے وہ ہماری مراد نہیں۔

محل امتحان نمبر (۴۳)، قطبی: ص/۴۲

(ششماہی امتحان ۱۴۱۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَرَسَمُوْا الْفَصْلَ بِأَنَّهُ كُلِّيٌّ يُحْمَلُ عَلٰى شَيْءٍ فِي الْإِنْسَانِ أَوْ عَنْ زَيْدٍ بِـ "أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِي جَوْهَرِهٖ؟"، فَالْجَوَابُ "أَنَّهُ نَاطِقٌ أَوْ حَسَّاسٌ".

(الف) عبارت پر اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) تشریح کرتے ہوئے بتائیے کہ "أَيُّ شَيْءٍ" سے کس چیز کا سوال ہوتا ہے۔ اور "فِي جَوْهَرِهٖ" کی قید لگانے کا کیا فائدہ ہے؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

اور مناطقہ نے فصل کی رسم (تعریف) یوں کی ہے کہ وہ ایسی کلی ہے جو "أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِي جَوْهَرِهٖ؟" کے ذریعہ سوال کیا جائے تو جواب یہ ہوگا کہ وہ ناطق ہے یا حساس ہے۔

(ج) تشریح اور "أَيُّ شَيْءٍ" سے کس چیز کا سوال ہوتا ہے؟ نیز "فِي جَوْهَرِهٖ" کی قید لگانے کا فائدہ:

"أَيُّ شَيْءٍ" کے ذریعہ ممیّز کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، یعنی ایسی چیز مطلوب ہوتی ہے جو شئی کو جدا کرنے والی ہو؛ لہٰذا جو چیز بھی ممیّز بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ "أَيُّ شَيْءٍ" کے جواب میں واقع ہوسکتی ہے؛ البتہ ممیّز دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) ممیّز ذاتی (۲) ممیّز عرضی

ممیّز ذاتی: کہتے ہیں ایسے ممیّز کو جو شئی کو اس کی ذات کے اعتبار سے جدا کرے، جیسے: "ناطق"۔

اور ممیّز عرضی: کہتے ہیں ایسے ممیّز کو جو شئی کو اس کے اوصاف وعوارض کے اعتبار سے جدا کرے، جیسے: "ضاحک" وغیرہ۔

چنانچہ اگر "أَيُّ شَيْءٍ" کے ذریعہ ممیّز ذاتی مطلوب ہو؛ بایں طور کہ "فِي جَوْهَرِهٖ" کی قید سوال میں لگی ہوئی ہو تو اب جواب میں "فصل" واقع ہوتی ہے؛ کیونکہ فصل ہی ممیّز ذاتی ہوتی ہے۔

اور اگر "أَيُّ شَيْءٍ" کے ذریعہ ممیّز عرضی مطلوب ہو؛ بایں طور کہ "فِي جَوْهَرِهٖ"

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے بجائے ''فِيْ عَرْضِهٖ'' کی قید ہوتو اب جواب میں ''خاصہ'' آئے گا؛ کیونکہ خاصہ ممیّز عرضی ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر سوال یوں کیا جائے: ''اَلإِنْسَانُ أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِيْ جَوْهَرِهٖ؟'' (انسان اپنی ذات کے اعتبار سے کیا ہے؟) تو جواب آئے گا ''هُوَ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ''۔

اور اگر یوں سوال کیا جائے: ''اَلْإِنْسَانُ أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِيْ عَرْضِهٖ؟'' (انسان اپنی عرض وصفت کے اعتبار سے کیا ہے؟) تو جواب آئے گا ''هُوَ حَيَوَانٌ ضَاحِكٌ''۔

تعریف میں جنس وفصل: فصل کی مذکورہ تعریف میں لفظ ''كُلِّيٌّ'' بمنزلہ جنس ہے، کلیاتِ خمسہ کو شامل ہے اور ''يُحْمَلُ إلخ'' پہلی فصل ہے، اس سے ''جنس نوع، عرض عام'' خارج ہوجائیں گے اور ''فِيْ جَوْهَرِهٖ'' کی قید دوسری فصل ہے، اس کے ذریعہ ''خاصہ'' خارج ہوجائے گا؛ کیونکہ عرضِ عام تو بالکل کسی کے جواب میں نہیں آتا اور جنس نوع ''مَاهُوَ'' کے جواب میں آتے ہیں اور ''خاصہ'' ''أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِيْ عَرْضِهٖ'' کے جواب میں آتا ہے، نہ کہ ''أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِيْ جَوْهَرِهٖ'' کے، اس طرح فصل کی تعریف جامع مانع ہوگئی۔

محلِ امتحان نمبر (۴۴)، قطبی: ص/۴۳

(ششماہی امتحان ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَاعْلَمْ أَنَّ قُدَمَاءَ الْمَنْطِقِيِّيْنَ زَعَمُوْا أَنَّ كُلَّ مَاهِيَّةٍ لَهَا فَصْلٌ وَجَبَ أَنْ يَكُوْنَ لَهَا جِنْسٌ، حَتّٰى أَنَّ الشَّيْخَ تَبِعَهُمْ فِي الشِّفَاءِ، وَحَدَّ الْفَصْلَ بِأَنَّهُ كُلِّيٌّ مَقُوْلٌ عَلَى الشَّيْءِ فِيْ جَوَابِ أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِيْ جَوْهَرِهٖ مِنْ جِنْسِهٖ، وَإِذَا لَمْ يُسَاعِدْهُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اَلْبُرْهَانُ عَلٰى ذٰلِكَ نَبَّهَ الْمُصَنِّفُ عَلٰى ضُعْفِهِ بِالْمُشَارَكَةِ فِي الْوُجُوْدِ أَوَّلًا وَ بِإِيْرَادِ هٰذَا الْاِحْتِمَالِ ثَانِيًا.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجئے۔

(ج) مطلب بیان کیجیے۔

(د) "وَإِذَا لَمْ يُسَاعِدْهُ، إلخ" سے مصنف رحمہ اللہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب

(ب) ترجمہ:

جان لو کہ بیشک متقدمین مناطقہ نے یہ خیال کیا ہے کہ جس ماہیت کے لیے فصل ہوتی ہے، اس کے لیے جنس کا ہونا ضروری ہے، حتیٰ کہ شیخ نے بھی ان متقدمین مناطقہ کی پیروی کی اور فصل کی تعریف یوں کی کہ فصل وہ ایسی کلی ہے جو کسی شئی پر "أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِيْ جَوْهَرِهِ مِنْ جِنْسِهِ" کے جواب میں محمول ہو اور جب کہ دلیل نے اس نظریہ کی موافقت نہیں کی تو مصنف رحمہ اللہ نے مشارکت فی الوجود سے اوّلاً اس کے ضعف پر تنبیہ کی اور ثانیاً اس احتمال کو پیش کر کے (تنبیہ کی)۔

(ج) مطلب:

مذکورہ عبارت میں شارح نے ایک اختلاف کو ذکر کیا ہے، وہ اختلاف یہ ہے کہ متقدمین مناطقہ بشمول شیخ بوعلی سینا کن نظریہ یہ ہے کہ فصل اسی ماہیت کی ہو سکتی ہے جس کی کوئی جنس ہو، اگر کسی ماہیت کی کوئی جنس نہیں ہے تو اس کی فصل نہیں ہو سکتی، جیسے: جنس عالی کی کوئی جنس نہیں ہے تو اس کی کوئی فصل نہیں ہو گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری طرف متاخرین بشمول ماتن رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ فصل کے ہونے کے لیے ماہیت کی جنس کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ چناں چہ جنس عالی کی ان کے نزدیک فصل ہوسکتی ہے، شیخ بوعلی سینا چوں کہ متقدمین کے ساتھ ہیں اسی لیے انھوں نے فصل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "هُوَ كُلِّيٌّ مَقُوْلٌ عَلَى الشَّيْءِ فِيْ جَوَابِ أَيُّ شَيْءٍ هُوَ فِيْ جَوْهَرِهٖ مِنْ جِنْسِهٖ" یعنی فصل ایسی کلی ہے جو "أَيُّ شَيْءٍ هُوَ جَوْهَرِهٖ مِنْ جِنْسِهٖ" کے جواب میں کسی شئ پر محمول ہو، شیخ نے "مِنْ جِنْسِهٖ" کا جو اضافہ کیا ہے اسی سے متقدمین کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ اس ماہیت کی جنس کا ہونا ضروری ہے جس کی یہ فصل ہے، تاکہ یہ فصل اس ماہیت کو اس کے مشارکات جنسیہ سے ممتاز کرے۔

(د) "وَإِذَا لَمْ يُسَاعِدْهُ، إلخ" سے مصنف رحمہ اللہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

وَإِذَا لَمْ يُسَاعِدْهُ، إلخ: اس عبارت سے شارح یہ فرما رہے ہیں کہ متقدمین حضرات کا جو مذہب ہے وہ دلائل کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے، یعنی دلائل سے وہ مذہب مُبرہن و مُدلل نہیں ہے؛ بلکہ کمزور ہے، تو اس لیے ماتن نے ان کے مذہب کی کمزوری کو بیان کیا ہے اور دو طرح سے اس پر آگاہ کیا ہے:

(ا) ایک تو یہ کہ ماتن رحمہ اللہ نے ماقبل میں یوں کہا: "كَيْفَ مَا كَانَ يُمَيِّزُ الْمَاهِيَةَ عَنْ مُشَارِكِيْهَا فِيْ جِنْسٍ أَوْفِيْ وُجُوْدٍ فَكَانَ فَصْلًا" یعنی جزء ماہیت خواہ بعض مشترک ہو یا بالکل مشترک نہ ہو، جیسا بھی ہوگا تو وہ ماہیت کو اس کے مشارکات فی الجنس یعنی مشارکات جنسیہ سے یا مشارکات فی الوجود یعنی مشارکاتِ وجودیہ سے ضرور ممتاز کرے گا، تو یہی اس کی فصل ہوجائے گا۔

تو یہاں پر مشارکت فی الجنس کے بعد مشارکت فی الوجود کا اضافہ کرکے ماتن رحمہ اللہ نے اپنے مذہب کے مضبوط اور متاخرین کے مذہب کے ضعف پر آگاہ کیا، یعنی یہ بتلا دیا کہ اگر کسی ماہیت کی جنس نہیں ہے تو نہ ہوا کرے، اس کی فصل پھر بھی ہوسکتی ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جو مشارکات وجودیہ سے بہرحال ممتاز کرے گی۔

(۲) دوسرے یہ کہ ماتن رحمہ اللہ نے فصل کی تعریف میں ایک عقلی احتمال یہ ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی ماہیت دو یا چند ایسے اُمور سے مرکب ہو جو اس ماہیت کے مساوی ہوں تو یہ چند اُمور اس ماہیت کے فصل واقع ہوں گے؛ حالاں کہ ان میں کوئی جنس نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اس ماہیت کے مساوی ہیں اور مساوی جنس نہیں؛ بلکہ فصل ہوا کرتی ہے اور یہ فصل اسی ماہیت کو اس کے مشارکات وجودیہ سے ممتاز کریں گی "وَ بِإِيْرَادِ هٰذَا الْاِحْتِمَالِ ثَانِيًا" سے یہی عقلی احتمال مراد ہے، تو پتہ چلا کہ جس ماہیت کی کوئی جنس نہ ہو تو اس کی فصل ہو سکتی ہے اور وہ اس ماہیت کو مشارکات وجودیہ سے ممتاز کرے گی۔

محل امتحان نمبر (۴۵)، قطبی: ص ۴۴

(داخلہ امتحان ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالْفَصْلُ الْمُمَيِّزُ لِلنَّوْعِ عَنْ مُشَارِكِهٖ فِي الْجِنْسِ قَرِيْبٌ إِنْ مَيَّزَهٗ عَنْهُ فِيْ جِنْسٍ قَرِيْبٍ، كَالنَّاطِقِ لِلْإِنْسَانِ وَبَعِيْدٌ إِنْ مَيَّزَهٗ عَنْهُ فِيْ جِنْسٍ بَعِيْدٍ كَالْحَسَّاسِ لِلْإِنْسَانِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگایئے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) مطلب بیان کریں، کلیاتِ خمسہ میں سے ہر ایک کی تعریف و مثال پیش کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور وہ فصل جو نوع کو اس کے مشارک فی الجنس سے تمیز دینے والی ہو (وہ)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قریب ہوتی ہے اگر وہ نوع کو مشارک فی الجنس القریب سے تمیز دے، جیسے: ناطق؛ انسان کے لیے (فصلِ قریب ہے) اور وہ فصل بعید ہوتی ہے اگر وہ نوع کو مشارک فی الجنس البعید سے تمیز دے، جیسے: ''حساس'' انسان کے لیے (فصل بعید ہے)۔

(ج) مطلب اور کلیاتِ خمسہ میں سے ہر ایک کی تعریف ومثال:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے فصل کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) فصل قریب (۲) فصل بعید

فصل کا مقصد چوں کہ نوع کو مشارکاتِ جنسیہ سے ممتاز کرنا ہوتا ہے اور جنس کی دو قسمیں ہیں: جنسِ قریب اور جنسِ بعید، لہٰذا مشارکاتِ جنسیہ دو قسم پر ہو گئے:

(۱) مشارکتِ جنس قریب (۲) مشارکاتِ جنس بعید

فصل قریب: پس اگر وصل نوع کو مشارکات جنس قریب سے جدا کر رہی ہے تو وہ فصل قریب ہے، جیسے: ''ناطق'' انسان کو اس کے مشارکات جنس قریب یعنی حیوانیت میں شریک اشیاء مثلاً ''فرس''، ''بقر''، ''غنم'' وغیرہ سے جدا کر رہا ہے تو یہ ناطق انسان کا فصل قریب ہے۔

فصل بعید: اور اگر فصل نوع کو مشارکاتِ جنس بعید سے جدا کر رہی ہے تو وہ فصل بعید ہے، جیسے: ''حساس''، فصلِ بعید ہے انسان کا؛ کیونکہ یہ انسان کو حیوانیت میں شرکاء سے جدا نہیں کرتا؛ بلکہ جسم نامی ہونے میں شرکاء مثلاً: ''درخت انگور''، ''درختِ امرود'' وغیرہ سے جدا کرتا ہے۔

کلیاتِ خمسہ:

یعنی پانچ کلیاں یہ ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱)جنس (۲)نوع (۳)فصل (۴)خاصہ (۵)عرضِ عام

جنس: "هُوَ كُلِّيٌّ مَقُوْلٌ عَلٰى كَثِيْرِيْنَ مُخْتَلِفِيْنَ بِالْحَقَائِقِ فِيْ جَوَابِ مَاهُوَ" یعنی جنس وہ ایسی کلی ہے جو مختلف حقیقت رکھنے والے بہت سے افراد پر "مَاهُوَ" کے جواب میں محمول ہو، جیسے: حیوان، جسمِ نامی، جسم مطلق وغیرہ۔

نوع: "هُوَ كُلِّيٌّ مَقُوْلٌ عَلٰى كَثِيْرِيْنَ مُتَّفِقِيْنَ بِالْحَقَائِقِ فِيْ جَوَابِ مَاهُوَ" یعنی نوع وہ ایسی کلی ذاتی ہے جو ایک حقیقت رکھنے والے بہت سے افراد پر "مَاهُوَ" کے جواب میں محمول ہو، جیسے: انسان، فرس بقر وغیرہ۔

فصل: "هِيَ كُلِّيَّةٌ مَقُوْلَةٌ عَلٰى مَاتَحْتَ حَقِيْقَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَطْ قَوْلًا عَرْضِيًّا" یعنی خاصہ وہ کلی ہے جو صرف ایک حقیقت والے افراد پر محمول ہو عرضی محمول ہونا، یعنی یہ اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہو؛ داخل نہ ہو، جیسے: "کاتب"، "ضاحک" وغیرہ۔

عرضِ عام: "هُوَ كُلِّيٌّ مَقُوْلٌ عَلٰى أَفْرَادِ حَقِيْقَةٍ وَاحِدَةٍ وَغَيْرِهَا قَوْلًا عَرْضِيًّا" یعنی عرضِ عام وہ ایسی کلی ہے جو ایک حقیقت والے افراد اور اس کے علاوہ یعنی مختلف حقیقت والے افراد پر محمول ہو عرضی محمول ہونا، یعنی اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہو، داخل نہ ہو، جیسے: "ماشی"، "نامی" وغیرہ۔

محلِ امتحان نمبر (۴۶)، قطبی: ص ۴۴

(سالانہ امتحان ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَاللَّازِمُ قَدْ يَكُوْنُ لَازِمًا لِلْوُجُوْدِ، كَالسَّوَادِ لِلْحَبْشِيِّ، وَقَدْ يَكُوْنُ لَازِمًا لِلْمَاهِيَةِ، كَالزَّوْجِيَّةِ لِلْأَرْبَعَةِ، وَهُوَ إِمَّا بَيِّنٌ، وَهُوَ الَّذِيْ يَكُوْنُ تَصَوُّرُهُ مَعَ تَصَوُّرِهٖ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

كَافِيًا فِي جَزْمِ الذِّهْنِ بِاللُّزُوْمِ بَيْنَهُمَا، كَالْإِنْقِسَامِ بِمُتَسَاوِيَيْنِ لِلْأَرْبَعَةِ، وَإِمَّا غَيْرُ بَيِّنٍ، وَهُوَ الَّذِي يَفْتَقِرُ جَزْمُ الذِّهْنِ بِاللُّزُوْمِ بَيْنَهُمَا إِلٰى وَسَطٍ، كَتَسَاوِي الزَّوَايَا الثَّلَاثِ لِلْقَائِمَتَيْنِ لِلْمُثَلَّثِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) عرضِ لازم اور عرضِ مفارق، نیز لازم وجود اور لازم ماہیت کی تعریف مع مثال لکھ کر مطلب تحریر کریں۔

(د) لازم بین اور غیر بین کی تعریف کی واضح تشریح اور مثالوں کی توضیح کیجیے اور بتائیے کہ لازم بین وغیر بین کی مذکورہ تعریف عام ہے یا خاص؟

جواب

(ب) ترجمہ:

اور لازم، کبھی تو وجود کے لیے لازم ہوتا ہے، جیسے: ''سواد'' (کالا ہونا) حبشی کے لیے ہے اور کبھی ماہیت کے لیے لازم ہوتا ہے، جیسے: ''زوجیت''؛ اربعہ کے لیے ہے۔ اور وہ (لازم) یا تو بیّن ہوتا ہے اور وہ (لازمِ بیّن) وہ ہے کہ جس کا تصور اس کے ملزوم کے تصور کے ساتھ ذہن کے یقین کرنے میں کافی ہو، دونوں (لازم وملزوم) کے درمیان لزوم کا، جیسے: انقسام بمتساوین (دو برابر حصوں پر تقسیم ہونا) اربعہ کے لیے (لازمِ بیّن ہے) اور یا غیر بیّن ہوتا ہے اور وہ (لازمِ غیر بیّن) وہ ہے کہ ذہن کا دونوں (لازم وملزوم) کے بیچ لزوم کا یقین کر لینا دلیل کا محتاج ہو، جیسے: مثلث کے تین زاویوں کا دو زاویۂ قائمہ کے برابر ہونا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) عرضِ لازم اور عرضِ مفارق مع دیگر جزئیات کے تشریح:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے اوّلاً لازم کی تقسیم کی، پھر لازمِ ماہیت کی تقسیم کی ہے اور اس کی اقسام کی تعریف مع امثلہ پیش کی ہیں۔

ماقبل میں ماتن رحمہ اللہ نے کلی کی تین حالتیں بیان کی تھیں:

(۱) کلی اپنے افراد کی عین حقیقت ہو۔

(۲) کلی اپنے افراد کی حقیقت کا جزء ہو۔

(۳) کلی اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہو۔

یہ جو تیسری حالت ہے اس کو ''کلی عرضی'' کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عرضِ لازم (۲) عرضِ مفارق

عرضِ لازم: وہ کلی عرضی ہے جس کا ماہیت سے جدا ہونا محال و ناممکن ہو، جیسے: فردیت (طاق و بے جوڑ ہونا) تین یا پانچ یا سات وغیرہ عدد کے لیے عرضِ لازم ہے کہ ان اعداد سے فردیت جدا نہیں ہوتی۔

عرضِ مفارق: وہ کلی عرضی ہے جس کا ماہیت سے جدا ہونا ممکن ہو، جیسے: کتابت بالفعل، ضحک بالفعل، مشی بالفعل وغیرہ انسان کے لیے عرضِ مفارق ہے؛ کیونکہ یہ اوصاف انسان کے اندر ہر وقت نہیں ہوتے؛ بل کہ کبھی جدا ہوتے ہیں اور کبھی موجود ہوتے ہیں۔

پھر معروض کے اعتبار سے عرضِ لازم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) لازمِ ماہیت (۲) لازمِ وجود

لازمِ ماہیت: وہ عرضِ لازم ہے جو ماہیت کے لیے ''من حیث الماہیت مع قطع النظر عن وجودہ'' لازم ہو، یعنی ماہیت جب بھی پائی جائے خواہ خارج میں یا ذہن میں؛ تو اس کا جدا ہونا اس سے محال ہو، جیسے: فردیت تین کے لیے، اسی طرح زوجیت چار کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لیے لازمِ ماہیت ہے کہ یہ اعداد ان اوصاف (زوجیت وفردیت) کے بغیر پائے ہی نہیں جاتے؛ خواہ ذہن میں آپ ان کا تصور کریں یا یہ خارج میں پائے جائیں، ہر حال میں یہ اوصاف پائے جائیں گے، تو یہ ان اوصاف کی ماہیت کے لیے لازم ہوئے۔

لازمِ وجود: وہ عرضِ لازم ہے جو ماہیت کے لیے "من حیث الوجود" لازم ہو، یعنی اگر یہ ماہیت خارج میں پائی جاتی ہیں تو یہ لازم بھی اس کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے، اس سے الگ نہیں ہوتا، جیسے: حبشی کے لیے سواد باعتبار وجودِ خارجی کے لازم ہے، کہ اگر حبشی خارج میں پایا جائے گا تو کالا پن ضرور ہوگا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ حبشی تو موجود ہو اور کالا نہ ہو، تو یہ لازمِ وجود ہے، لازمِ ماہیت نہیں ہے؛ کیوں کہ حبشی کی ماہیت (انسان) بغیر سواد کے پائی جاتی ہے، اگر ماہیت کے لیے لازم ہوتا تو کوئی انسان سواد کے بغیر نہ موجود ہوتا، پتہ چلا کہ یہ لازمِ وجود ہے حبشی کے لیے۔

(د) لازم بین اور غیر بین کی تعریف کی واضح تشریح اور مثالوں کی توضیح کیجیے مع دیگر جزئیات:

پھر لازمِ ماہیت کی دو قسمیں ہیں: (۱) لازمِ بیّن (۲) لازمِ غیر بیّن

لازمِ بیّن: وہ لازم ہے کہ لازم وملزوم اور ان کے بیچ نسبت کا تصور کرنے سے لزوم کا یقین ہو جائے، اب کسی دلیل کی ضرورت نہ ہو، جیسے: اربعہ کے لیے زوجیت لازمِ بیّن ہے؛ کیوں کہ جب اربعہ (چار) اور زوجیت (دو حصوں پر برابر تقسیم ہونا) اور ان کے بیچ نسبت کا کوئی شخص تصور کرتا ہے تو طرفان کے تصور کر لینے ہی سے اس کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ہاں! زوجیتِ اربعہ کے لیے لازم ہے، یعنی چار دو برابر حصوں پر منقسم ہونے والا ہے، یہی لازمِ بیّن ہے۔

لازمِ غیر بیّن: وہ لازم ہے کہ جہاں پر صرف لازم وملزوم اور نسبت کے تصور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کر لینے سے لزوم کا یقین حاصل نہ ہو؛ بلکہ دلیل کی ضرورت ہو، جیسے اس کی مشہور مثال ''حدوثِ عالم'' ہے، یعنی عالم کے لیے حادث ہونا لازم غیر بیّن ہے؛ کیوں کہ صرف حدوث (حادث ہونا، نوپید ہونا) اور عالَم (دنیا) اور ان کے بیچ نسبت کے تصور کر لینے سے عالم کے حادث ہونے کا ذہن یقین نہیں کرتا؛ بلکہ دلیل کی ضرورت پڑتی ہے؛ چنانچہ یوں کہا جاتا ہے: ''اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ'' (صغریٰ) ''وَ کُلُّ مُتَغَیِّرٍ حَادِثٌ'' (کبریٰ) ''فَالْعَالَمُ حَادِثٌ'' (نتیجہ) اب عالم کے حادث ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، یہ لازمِ غیر بیّن ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے لازمِ غیر بیّن کی یہ مثال دی ہے:

''مثلث کے تین زاویوں کا برابر ہونا دو زاویہ قائمہ کے''

مُثَلَّث: اس شکل کو کہتے ہیں جو تین خطوطِ مستقیمہ کے احاطۂ تامہ کی وجہ سے حاصل ہو۔

زاویہ: اس کیفیت کو کہتے ہیں جو مقدار کو عارض ہوتی ہے دو حدوں کے احاطۂ غیر تامہ کی وجہ سے۔

نوٹ: زاویہ اس کو نہیں کہتے جو ایک نقطہ پر دو خطِّ مستقیم کے ملنے سے پیدا ہو۔

پھر زاویہ قائمہ: اس زاویہ کو کہتے ہیں جو پورے نوّے درجے کا ہو۔

نوٹ: زاویہ حادّہ: وہ ہے جو ''زاویہ قائمہ'' سے چھوٹا ہو۔

زاویہ منفرجہ: وہ ہے جو زاویہ قائمہ سے بڑا ہو۔ (فیروز اللغات اُردو کلاں: ۷۳۸)

تو ''مثلث'' کے تین زاویے برابر ہوتے ہیں دو زاویہ قائمہ کے، گویا کہ مثلث کے تین زاویوں کے لیے لازم ہے دو زاویہ قائمہ کے برابر ہونا؛ مگر یہ لازم غیر بیّن ہے؛ کیوں کہ اس بات کا یقین کرنے کے لیے واسطہ کی یعنی دلیل کی ضرورت ہے، بغیر واسطہ کے ذہن اس کا یقین نہیں کرتا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محلّ امتحان نمبر (۴۷)، قطبی: ص ۴۷

(ششماہی امتحان ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَ فِي تَمْثِيلِ الْكُلِّيَّاتِ بِالنَّاطِقِ وَالضَّاحِكِ وَالْمَاشِي لَا بِالنُّطْقِ وَالضِّحْكِ وَالْمَشْيِ الَّتِي هِيَ مَبَادِيهَا فَائِدَةٌ، وَهِيَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي حَمْلِ الْكُلِّيِّ عَلٰى جُزْئِيَّاتِهٖ حَمْلُ الْمُوَاطَاةِ، وَهُوَ حَمْلُ هُوَ هُوَ، لَا حَمْلُ الْاِشْتِقَاقِ، وَهُوَ حَمْلُ هُوَ ذُوْ هُوَ، وَالنُّطْقُ وَالضِّحْكُ وَالْمَشْيُ لَا يَصْدُقُ عَلٰى أَفْرَادِ الْإِنْسَانِ بِالْمُوَاطَاةِ، فَلَا يُقَالُ: زَيْدٌ نُطْقٌ؛ بَلْ ذُوْ نُطْقٍ أَوْ نَاطِقٌ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت میں ذکر کردہ اصطلاحات کی تعریف کریں۔

(د) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور کلیات کی مثال ناطق و ضاحک و ماشی سے دینے میں نہ کہ نطق و ضحک و مشی سے جو کہ ان (ناطق وغیرہ) کے مبادی ہیں؛ ایک فائدہ ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ کلی کے اس کے جزئیات پر حمل میں معتبر حمل بالمواطاۃ ہے اور وہ "هُوَ هُوَ" کا حمل ہے، نہ کہ حمل بالاشتقاق اور وہ "هُوَ ذُوْ هُوَ" کا حمل ہے اور نطق و ضحک و مشی انسان کے افراد پر بالمواطاۃ صادق نہیں آتے؛

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

چناں چہ "زَیْدٌ نُطْقٌ" نہیں کہا جاتا؛ بل کہ "زَیْدٌ ذُو نُطْقٍ" یا "زَیْدٌ نَاطِقٌ" کہا جاتا ہے۔

(ج) عبارت میں ذکر کردہ اصطلاحات کی تعریف:

حمل بالاشتقاق: یہ ہے کہ محمول کا حمل موضوع پر فی، لام یا ذو کے واسطے سے ہو، جیسے: "زَیْدٌ فِي الدَّارِ، اَلْمَالُ لِزَیْدٍ، زَیْدٌ ذُوْ مَالٍ"۔

حمل بالمواطاۃ: یہ ہے کہ محمول کا حمل موضوع پر بلا کسی واسطہ کے ہو، جیسے: "زَیْدٌ کَاتِبٌ"۔

(د) عبارت کی تشریح:

مذکورہ عبارت میں شارح رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ ماقبل میں جو کلیات کا بیان آیا ہے وہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے ان کی مثالوں میں اسماءِ مشتقات مثلاً ناطق، ضاحک، ماشی کو پیش کیا ہے، ان کے مبادی یعنی مشتق منہ اور مصادر مثلاً نطق، ضحک، مشی کو پیش نہیں کیا ہے، تو ایسا مصنف رحمہ اللہ نے ایک فائدہ کے پیش نظر کیا ہے، وہ فائدہ یہ ہے کہ حمل کی دو قسموں میں سے یہاں پر یعنی جہاں کلی کا اپنے افراد و جزئیات پر حمل ہو حمل بالمواطاۃ معتبر ہے، حمل بالاشتقاق معتبر نہیں ہے اور ان اسمائے مشتقات کے جو مبادی ہیں ان کا حمل بالمواطاۃ ان کے جزئیات پر ہوتا نہیں ہے، حمل بالاشتقاق ہو جاتا ہے؛ چناں چہ زید نطق نہیں کہا جاتا زید ذو نطق کہا جا سکتا ہے، تو اس وجہ سے یہاں پر اسمائے مشتقات کو مثالوں میں پیش کیا، تاکہ حمل مواطاۃ درست ہو جائے۔

"ناطق": فصل کی مثال ہے، "ضاحک": خاصہ کی اور "ماشی": عرضِ عام کی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حل امتحان نمبر (۴۸)، قطبی: ص/ ۴۸

(ششماہی امتحان ۱۴۲۰ھ، داخلہ امتحان ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: اَلْكُلِّيُّ قَدْ يَكُوْنُ مُمْتَنِعَ الْوُجُوْدِ فِي الْخَارِجِ، لَالِنَفْسِ مَفْهُوْمِ اللَّفْظِ، كَشَرِيْكِ الْبَارِيْ عَزَّ اسْمُهُ، وَقَدْ يَكُوْنُ مُمْكِنَ الْوُجُوْدِ، وَلٰكِنْ لَايُوْجَدُ، كَالْعُنْقَاءِ، وَقَدْ يَكُوْنُ الْمَوْجُوْدُ مِنْهُ وَاحِدًا فَقَطْ مَعَ امْتِنَاعِ غَيْرِهٖ، كَالْبَارِيْ عَزَّ اسْمُهُ، أَوْمَعَ إِمْكَانِهٖ كَالشَّمْسِ، وَقَدْيَكُوْنُ الْمَوْجُوْدُ مِنْهُ كَثِيْرًا، إِمَّا مُتَنَاهِيًا، كَالْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السَّيَّارَةِ، أَوْغَيْرَ مُتَنَاهِيَةٍ، كَالنُّفُوْسِ النَّاطِقَةِ عِنْدَ بَعْضِهِمْ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت کی اچھی طرح وضاحت کیجیے۔

(د) "لَا لِنَفْسِ مَفْهُوْمِ اللَّفْظِ" کی اچھی طرح وضاحت کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

کلی کبھی تو خارج میں ممتنع الوجود ہوتی ہے لفظ کے نفس مفہوم کا اعتبار کیے بغیر، جیسے: شریک باری عزاسمہ اور کبھی ممکن الوجود ہوتی ہے؛ لیکن پائی نہیں جاتی، جیسے: عنقاء (پرندہ) اور کبھی کلی کا صرف ایک فرد موجود ہوتا ہے، ایک کے علاوہ کے امتناع کے ساتھ، جیسے: ''باری عزاسمہ'' یا ایک کے علاوہ کے امکان کے ساتھ، جیسے: ''شمس'' اور کبھی اس کلی کے کثیر افراد (ایک سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

زائد) موجود ہوتے ہیں، یا تو وہ کثیر افراد متناہی ہوتے ہیں، جیسے: ''کواکبِ سبعہ سیارہ'' (سات چلنے پھرنے والے ستارے) یا وہ غیر متناہی ہوتے ہیں، جیسے: بعض مناطقہ کے نزدیک ''نفوسِ ناطقہ''۔

(ج) عبارت کی اچھی طرح وضاحت:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے کلی کی چھ اقسام ذکر کی ہیں:

(۱) کلی ممتنع الافراد: یعنی ایسی کلی جس کا خارج میں کوئی فرد پایا جانا محال ہو، جیسے: ''شریکِ باری تعالیٰ''۔

(۲) ممکن الافراد غیر موجود: یعنی جس کا خارج میں کوئی فرد پایا جانا ممکن تو ہے؛ مگر پایا نہیں جاتا، جیسے: ''عنقاء'' (ایک پرندہ ہے)۔

(۳) ممکن الوجود بفرد واحد مع امتناع الغیر: یعنی ایسی کلی جس کے افراد ممکن ہیں اور پائے بھی جاتے ہیں؛ مگر صرف ایک فرد پایا جاتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس ایک کے علاوہ کا پایا جانا محال ہے، جیسے: ''باری تعالیٰ'' (خداوندِ قدوس)۔

(۴) ممکن الوجود بفرد واحد مع امکان الغیر: یعنی ایسی کلی جس کے افراد ممکن ہیں، موجود ہیں؛ مگر صرف ایک فرد موجود ہے؛ البتہ اس ایک کے علاوہ کسی دوسرے کا پایا جانا ممکن ہے، جیسے: ''شمس وقمر'' (چاند وسورج) کہ یہ کلی ہیں، ان کا صرف ایک ایک فرد موجود ہے اور ایک سے زائد کا پایا جانا ممکن ہے۔

(۵) ممکن موجود بافراد کثیرہ مع التناہی: یعنی ایسی کلی جس کے افراد ممکن ہیں، موجود ہیں اور ایک سے زائد ہیں؛ مگر متناہی ہیں، جیسے: ''کواکبِ سیارہ''؛ کہ یہ سات ستارے ہیں جو گھومتے پھرتے ہیں۔

وہ سات ستارے یہ ہیں:

(۱) شمس (۲) قمر (۳) زحل (۴) مریخ (۵) عطارد (۶) مشتری (۷) زہرہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۶) ممکن موجود با فرادِ کثیرہ مع عدم التناہی: یعنی ایسی کلی جس کے افراد ممکن ہیں، موجود ہیں اور ایک سے زائد ہیں؛ البتہ غیر متناہی ہیں (اَن گنت ہیں)، جیسے: ''معلوماتِ باری'' اور ''نفوسِ ناطقہ'' کچھ حکما کے نزدیک۔

(د) ''لَا لِنَفْسِ مَفْهُوْمِ اللَّفْظِ'' کی وضاحت:

ہر چیز کا ایک مفہوم ہوتا ہے اور ایک اس کا مصداق، بالفاظِ دیگر ہر چیز کی ایک تعریف ہوتی ہے اور ایک اس کے افراد، پھر مفہوم اور تعریف کا تعلق ذہن سے ہوتا ہے اور مصداق و افراد کا تعلق خارج سے، یعنی کسی کی تعریف ذہن میں ہوتی ہے اور اس کے افراد خارج میں ہوتے ہیں، تو کلی کا جو مفہوم ہے یہ ہے کہ تعریف اس میں شرکت ہو سکے، یعنی کثیرین پر صادق آسکے؛ اس کا تعلق ذہن سے ہے اور کلی کے افراد کا تعلق خارج سے ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ کلی کے کلی ہونے کا دار و مدار وجودِ عقلی یا کہئے کہ حصولِ عقلی پر ہے اور کلی کے ممکن یا ممتنع الافراد ہونے کا مدار وجودِ خارجی پر ہے، تو کلی کی جو چھ اقسام ذکر کی گئیں وہ کلی کے وجودِ خارجی کے اعتبار سے ہیں نہ کہ وجودِ ذہنی کے اعتبار سے، یا یوں کہئے کہ کلی کی اقسامِ مذکورہ کلی کے مصداق کے اعتبار سے ہیں، نہ کہ کلی کے مفہوم کے اعتبار سے، اسی بات کو بتانے کے لیے ماتن رحمہ اللہ نے مذکورہ تقسیم کے وقت ''لَالِنَفْسِ مَفْهُوْمِ اللَّفْظِ'' کا اضافہ کیا ہے۔

محلِ امتحان نمبر (۴۹)، قطبی: ص/۵۰

(سالانہ امتحان ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: اَلثَّالِثُ الْكُلِّيَّانِ مُتَسَاوِيَانِ إِنْ صَدَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى كُلِّ مَا يَصْدُقُ عَلَيْهِ الْآخَرُ، كَالْإِنْسَانِ وَالنَّاطِقِ، وَ بَيْنَهُمَا عُمُوْمٌ وَخُصُوْصٌ مُطْلَقًا إِنْ صَدَقَ أَحَدُهُمَا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عَلٰی کُلِّ مَایَصْدُقُ عَلَیْهِ الْآخَرُ مِنْ غَیْرِ عَکْسٍ، کَالْحَیَوَانِ وَالْإِنْسَانِ، وَبَیْنَهُمَا عُمُوْمٌ وَ خُصُوْصٌ مِنْ وَجْهٍ إِنْ صَدَقَ کُلٌّ مِنْهُمَا عَلٰی بَعْضِ مَایَصْدُقُ عَلَیْهِ الْآخَرُ فَقَطْ، کَالْحَیَوَانِ وَالْأَبْیَضِ، وَمُتَبَائِنَانِ إِنْ لَمْ یَصْدُقْ شَیْءٌ مِنْهُمَا عَلٰی شَيْءٍ مِنْهُمَا عَلٰی شَيْءٍ مِمَّا یَصْدُقُ عَلَیْهِ الْآخَرُ، کَالْإِنْسَانِ وَالْفَرَسِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مطلب لکھیں اور کلیین کے درمیان نسبِ اربعہ کو واضح طور پر تحریر کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

تیسری بحث، دو کلی متساوی ہوتی ہیں اگر ان دونوں میں سے ہر ایک کلی صادق آئے اس چیز کے ہر فرد پر جس پر دوسری کلی صادق آتی ہے، جیسے: انسان اور ناطق۔ اور دو کلیوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق (کی نسبت) ہوتی ہے اگر دو کلیوں میں سے ایک کلی اس چیز کے ہر فرد پر صادق آئے جس پر دوسری کلی صادق آتی ہے عکس کے بغیر (یعنی دوسری کلی پہلی کلی کے ہر ہر فرد پر صادق نہ آئے) جیسے: حیوان اور انسان۔ اور دو کلیوں کے درمیان عموم وخصوصِ من وجہٍ (کی نسبت) ہوتی ہے اگر ان دونوں کلیوں میں سے ہر ایک کلی اس چیز کے صرف بعض افراد پر صادق آئے جس پر دوسری کلی صادق آتی ہے جیسے: حیوان اور ابیض۔ اور دو کلی متباین ہوتی ہیں اگر دونوں کلیوں میں سے ہر ایک کلی اس چیز کے کسی بھی فرد پر صادق نہ آئے جس پر دوسری کلی صادق آتی ہے، جیسے: انسان اور فرس۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مطلب اور کلیین کے درمیان نسبِ اربعہ کی وضاحت:

ماتن رحمہ اللہ نے ماقبل میں تیسری فصل کو شروع کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم اس تیسری فصل میں کلی اور جزئی کی مباحثِ خمسہ کو بیان کریں گے، تو دو کے بیان کے بعد اب یہ تیسری بحث کا بیان ہے۔

اور یہاں پر ماتن رحمہ اللہ نے دو کلی کے بیچ چار نسبتوں کو بیان کیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے کہ کلیات میں سے کوئی بھی دو کلی ہوں ان میں چار میں سے ایک نہ ایک نسبت ضرور پائی جائے وہاں پہلی پائی جائے، جیسے: ''انسان'' اور ''ناطق'' کہ ان کے درمیان تساوی ہے؛ کیوں کہ انسان جہاں ہوتا ہے وہاں ناطق ضرور ہوتا ہے اور اسی طرح جہاں ناطق ہوتی ہے وہاں انسان بھی ضرور ہوتا ہے، جن دو کلیوں کے درمیان تساوی کی نسبت ہوتی ہے ان دونوں کو ایک ساتھ ''متساویین'' کہتے ہیں اور الگ الگ متساوی کہتے ہیں۔

تباین: یہ ہے کہ دو کلیوں میں ہر ایک کلی دوسری کلی کے کسی بھی فرد پر بالکل صادق نہ آئے، یعنی جہاں ایک پائی جائے وہاں دوسری بالکل نہ پائی جائے اور جہاں دوسری پائی جائے وہاں پہلی بالکل نہ پائی جائے، جیسے: انسان اور فرس میں تباین کی نسبت ہے؛ کیونکہ جہاں انسان ہوتا ہے وہاں فرس بالکل نہیں ہوتا اور اسی طرح جہاں فرس ہوتا ہے وہاں انسان قطعاً نہیں ہوتا۔

جن دو کلیوں میں تباین کی نسبت ہوتی ہے ان کو ایک ساتھ ملا کر ''متباینین'' کہتے ہیں اور الگ الگ ''تباین'' کہتے ہیں۔

(مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے ''تباین'' کا بیان بالکل آخر میں کیا ہے)

عموم وخصوص مطلق: یہ ہے کہ دو کلیوں میں ایک کلی تو دوسری کلی کے ہر ہر فرد پر صادق آئے؛ مگر دوسری کلی پہلی کلی کے ہر ہر فرد پر صادق نہ آئے؛ بلکہ بعض پر صادق آئے بعض پر نہ آئے، یعنی جہاں ایک کلی ہو تو وہاں پر دوسری تو ضرور ہو؛ مگر جہاں پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری ہو وہاں پر پہلی ضروری نہ ہو؛ بلکہ ہو بھی سکتی ہو اور نہ بھی ہو سکتی ہو، جیسے: حیوان اور انسان میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے؛ کیوں کہ حیوان تو انسان کے ہر ہر فرد پر صادق آتا ہے کہ جہاں انسان ہوتا ہے وہاں حیوان ضرور ہوتا ہے؛ مگر انسان حیوان کے ہر ہر فرد پر صادق آتا ہے کہ جہاں انسان ہوتا ہے وہاں حیوان ضرور ہوتا ہے؛ مگر انسان حیوان کے ہر ہر فرد پر صادق نہیں آتا؛ بلکہ بعض افراد پر صادق آتا ہے، جیسے: زید، عمرو، بکر وغیرہ میں حیوان کے ساتھ انسان پایا جارہا ہے اور بعض پر صادق نہیں آتا، جیسے: حمار، فرس وغیرہ میں حیوان تو ہے؛ مگر انسان نہیں ہے۔

ان میں سے اس کلی کو عام مطلق کہتے ہیں جو دوسری کلی کے ہر فرد پر صادق آتی ہے، جیسے: حیوان، اور دوسری کلی کو خاص مطلق کہتے ہیں، جیسے: ''انسان''۔

عموم وخصوص من وجہٍ: یہ ہے کہ دو کلی میں سے ہر ایک کلی دوسری کلی کے بعض افراد پر صادق آئے؛ بعض پر نہ آئے، یعنی جہاں ایک کلی پائی جائے وہاں پر دوسری کلی کبھی پائی جائے کبھی نہ پائی جائے، اسی طرح جہاں دوسری کلی پائی جائے تو وہاں پر پہلی کلی کبھی پائی جائے کبھی نہ پائی جائے، جیسے: ''حیوان'' اور ''ابیض'' میں عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ کبھی تو صادق آتا ہے، جیسے: ''بگلہ'' میں ''حیوان'' و ''ابیض'' دونوں صادق (جمع) ہیں اور کبھی صادق نہیں آتا، جیسے: ''کوے'' میں ''حیوان'' کے ساتھ ''ابیض'' نہیں ہے اور ''انڈے'' میں ''ابیض'' کے ساتھ ''حیوان'' نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک کلی کو ''عام خاص من وجہٍ'' کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عموم وخصوص من وجہٍ میں تین مادّے ہوتے ہیں، ایک اجتماعی دو افتراقی، بگلہ: اجتماعی مادّہ ہے، کوّا: ایک افتراقی مادّہ ہے، انڈا دوسرا افتراقی مادّہ ہے۔

دلیلِ حصر: آپسی تعلق ونسبت کے اعتبار سے دو کلی دو حال سے خالی نہیں، یا تو ہر ایک کلی دوسری کلی کے کسی فرد پر صادق آئے گی یا نہیں، اگر ہر ایک کلی دوسری کلی کے کسی بھی فرد پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صادق نہ آئے تو یہ تباین ہے اور اگر آئے تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا تو ہر ایک کلی دوسری کلی کے ہر ہر فرد پر صادق آئے گی یا نہیں، اگر آئے تو یہ تساوی ہے اور اگر نہیں تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں کلی ایک دوسرے کے بعض افراد پر صادق آئے گی یا نہیں؛ بلکہ ایک تو دوسری کے ہر فرد پر صادق آئے اور دوسری پہلی کے بعض پر صادق آئے بعض پر نہیں، تو اگر دونوں ایک دوسرے کے بعض پر صادق آئے تو یہ عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے اور اگر ایک تو دوسری کے ہر فرد پر صادق آئے؛ مگر دوسری بعض پر آئے تو یہ عموم وخصوص مطلق ہے۔

وإنما اعتبرت النسب بين الكلّيين: یہ عبارت ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ماتن رحمہ اللہ نے چار نسبتوں کو بیان کرتے وقت "اَلْكُلِّيَّان" کا لفظ بولا ہے، یعنی چار نسبتوں کو دو کلیوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے، "اَلْمَفْهُوْمَان" کہنا چاہئے تھا، تاکہ دو جزئی یا ایک کلی ایک جزئی کو یہ نسبت کا بیان شامل ہو جاتا، تو ایسا کیوں کیا؟

مذکورہ عبارت میں اس کا جواب دیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماتن رحمہ اللہ کا مقصد چار نسبتوں کو بیان کرنا ہے اور وہ چار نسبتیں صرف دو کلیوں ہی میں ہوتی ہیں، دو جزئی یا ایک کلی وایک جزئی میں نہیں؛ اس لیے "اَلْكُلِّيَّان" بولا اور اس لیے نسبت بین الکلیین کا اعتبار کیا گیا، رہی بات یہ کہ دو جزئی یا ایک کلی وجزئی میں چار نسبتیں کیوں نہیں ہوتیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دو جزئی آپس میں مبائن ہوتی ہیں، تو وہاں پر صرف تباین کی نسبت ہوگی، جیسے: زید اور عمر۔ اور ایک جزئی وکلی میں یا تو تباین ہوگی یا عموم وخصوص مطلق، وہ اس طرح کہ ایک جزئی وایک کلی میں اگر یہ جزئی اس دوسری کلی کا فرد نہیں ہے تو تباین ہوگی جیسے: "زید" اور "فرس" کے بیچ تباین ہے، زید ایک جزئی ہے اور "فرس" ایک کلی ہے؛ مگر "زید"؛ "فرس" کا فرد نہیں ہے۔ اور اگر ایک جزئی دوسری طرف کلی ہی کا فرد ہے تو عموم وخصوص مطلق ہوگی، جیسے: "زید" اور "انسان" کے بیچ عموم وخصوص مطلق ہے، "زید" ایک جزئی ہے اور انسان کلی ہے اور "زید" اسی انسان کا فرد ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۵۰)، قطبی: ص ۵۲

(ششماہی امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَنَقِيْضَا الْمُتَسَاوِيَيْنِ مُتَسَاوِيَان، وَإِلَّا لَصَدَقَ أَحَدُهُمَا عَلٰى بَعْضِ مَا كَذَبَ عَلَيْهِ الْآخَرُ، فَيَصْدُقُ أَحَدُ الْمُتَسَاوِيَيْنِ عَلٰى مَا كَذَبَ عَلَيْهِ الْآخَرُ، وَهُوَ مُحَالٌ، وَنَقِيْضُ الْأَعَمِّ مِنْ شَيْءٍ مُطْلَقًا أَخَصُّ مِنْ نَقِيْضِ الْأَخَصِّ مُطْلَقًا، لِصِدْقِ نَقِيْضِ الْأَخَصِّ عَلٰى كُلِّ مَايَصْدُقُ عَلَيْهِ نَقِيْضُ الْأَعَمِّ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت میں دو دعوے کیے گئے ہیں، آپ دونوں دعووں کا اثبات مثال اور دلیل سے کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور متساوبین کی نقیضین متساوبین ہوتی ہے، ورنہ تو ان میں سے ایک ان بعض افراد پر صادق آئے گی جن پر دوسری کاذب ہورہی ہے (صادق نہیں آرہی ہے) تو متساوبین میں سے ایک صادق آئے گی اس پر جس پر دوسری صادق نہیں آرہی ہے اور یہ محال ہے۔ اور عام مطلق کی نقیض خاص ہوتی ہے، خاص مطلق کی نقیض سے خاص کی نقیض کے صادق آنے کی وجہ سے ان تمام افراد پر جن پر عام کی نقیض صادق آتی ہے اس کے عکس کے بغیر۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) دونوں دعووں کا اثبات مع دلیل:

مذکورہ عبارت میں دو دعوے کیے گئے ہیں:

(ا) پہلا دعویٰ: یہ کہ متساویین کی نقیضین بھی متساویین ہوتی ہیں، یعنی جن دوکلیوں کے بیچ تساوی کی نسبت ہوتی ہے جیسے: ''انسان'' و''ناطق''؛ تو ان کی نقیضوں کے بیچ بھی تساوی کی نسبت ہوگی، جیسے: ''لاانسان'' و''لا ناطق''۔

دلیل: اس دعوے کے اثبات میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ دلیل خلف ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر متساویین کی نقیضوں میں تساوی کو نہیں مانیں گے تو تفارق کو ماننا پڑے گا، یعنی یہ ماننا پڑے گا کہ نقیضین ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتی ہیں، یعنی کسی جگہ پر ایک نقیض تو صادق آرہی ہے؛ مگر دوسری نقیض صادق نہیں آرہی ہے، مثلاً انسان وناطق میں تساوی ہے، تو ان کی نقیض لاانسان ولا ناطق میں بھی تساوی ہوگی، یعنی جہاں لا ناطق وہاں لاانسان ہوگا اور جہاں لاانسان وہاں لا ناطق اور اگر ان میں تساوی نہیں مانتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک تو ہے دوسری نہیں ہے، مثلاً لاانسان تو ہے؛ مگر لا ناطق وہاں پر نہیں ہے، تو جب ایک نقیض کے ساتھ دوسری نہیں ہوگی تو اس دوسری نقیض کی عین یعنی اصل کلی کو پہلی نقیض کے ساتھ ماننا پڑے گا، مثلاً لاانسان کے ساتھ جب لا ناطق نہیں ہوگا تو لا ناطق کی عین یعنی ناطق کو ماننا پڑے گا اور لاانسان کے ساتھ اب ناطق کو اس لیے ماننا پڑے گا کہ اگر اس کو بھی نہیں مانیں گے تو ارتفاعِ نقیضین لازم آئے گا (یعنی ایک جگہ نہ تو لا ناطق ہے اور نہ ہی اس جگہ ناطق ہے) اور یہ محال ہے، تو اس محال سے بچنے کے لیے لاانسان کے ساتھ ناطق کو ماننا پڑے گا، اب جب لاانسان و ناطق ایک ساتھ جمع ہو گئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ناطق کے ساتھ انسان نہیں ہوسکتا؛ ورنہ تو اجماعِ نقیضین لازم آئے گا، یعنی کہ انسان ولاانسان کا ایک ساتھ (ناطق

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے ساتھ) اجتماع لازم آئے گا اور یہ بھی محال ہے، تو اس محال سے بچنے کے لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اب ناطق انسان کے بغیر پایا جائے گا، تو انسان و ناطق میں جو تساوی تھی وہ ختم ہوگئی کہ انسان ناطق کے بغیر پایا جا رہا ہے اور ناطق انسان کے بغیر؛ حالاں کہ مفروض مُسلَّم یہ تھا کہ ان میں تساوی ہے، تو یہ خلافِ مفروض لازم آیا جو کہ محال ہے، نقیضین میں تساوی نہ ماننے کی وجہ سے اور جو مستلزم ہو محال کو وہ خود باطل ہوتا ہے؛ لہٰذا پتہ چلا کہ متساویین کی نقیضوں میں تساوی نہ ماننا بھی باطل ہے اور تساوی کا ہونا ثابت ہے، وھوالمطلوب۔

(۲) دوسرا دعویٰ: یہ کہ عام خاص مطلق کی نقیض خاص عام مطلق ہو جاتی ہے، یعنی جن دو کلیوں کے بیچ عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوتی ہے، تو ان کی نقیضوں کے بیچ بھی عموم و خصوص مطلق ہی کی نسبت ہوتی ہے؛ البتہ اصل میں جو عام تھی وہ نقیض میں جا کر خاص ہو جاتی ہے اور اصل میں جو خاص تھی وہ نقیض بن کر عام ہو جاتی ہے، مثلاً حیوان اور انسان میں عموم و خصوص مطلق ہے، تو ان کی نقیضوں لاحیوان ولاانسان میں بھی یہی نسبت رہے گی؛ البتہ لاحیوان خاص مطلق اور لاانسان عام مطلق ہو جائے گی، پھر عموم و خصوص مطلق کی نسبت جہاں ہوتی ہے وہاں پر دو قضیے مرجع بنتے ہیں: ایک موجبہ کلیہ دوسرے سالبہ جزئیہ؛ چناں چہ یہاں پر بھی یہی دو قضیے برآمد ہوں گے، ایک موجبہ کلیہ یہ ہوگا: "کُلُّ لَاحَیَوَانٌ لَاإِنْسَانٌ (ہر غیر جاندار غیر انسان ہے)، دوسرا سالبہ جزئیہ یہ ہوگا: "بَعْضُ اللاإنسانٌ لَيْسَ بِلَاحَيَوَان" (بعض غیر انسان غیر حیوان نہیں ہیں)۔ اب ان دونوں قضیوں کے اثبات کے لیے دلیل کی ضرورت ہے؛ گویا کہ مذکورہ عبارت کے دوسرے دعویٰ میں دو دعوے ہیں جن کے لیے دو دلیل کی ضرورت ہے۔

پہلے قضیہ کی دلیل: پہلے قضیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر "کُلّ لاحیوان لا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انسان" کو تسلیم نہیں کریں گے تو "بعض اللاحیوان إنسان" کو ماننا پڑے گا، یعنی اگر لاانسان کو جو کہ انسان (خاص) کی نقیض ہے لاحیوان جو کہ حیوان (عام) کی نقیض ہے؛ کے ہر فرد کے لیے ثابت نہیں مانیں گے تو لاانسان کی عین یعنی انسان کو لاحیوان کے بعض افراد کے لیے ثابت ماننا پڑے گا اور یہ اس لیے ماننا پڑے گا کہ اگر انسان کو بھی لاحیوان کے لیے ثابت نہیں مانیں گے اور لاانسان کو پہلے ہی منع کر چکے ہیں تو ''ارتفاعِ نقیضین'' لازم آئے گا جو کہ محال ہے، لہٰذا انسان کو لاحیوان کے لیے ثابت ماننا پڑے گا۔ اب ''لاحیوان'' کے جن بعض افراد کے لیے انسان کو ثابت مانا گیا ہے تو وہاں پر ''انسان'' اور ''لاحیوان'' ایک ساتھ جمع ہوگئے، اب جب ''انسان'' کے ساتھ ''لاحیوان'' جمع ہوگیا تو یہاں پر ''حیوان''؛ ''انسان'' کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا؛ ورنہ تو اجتماعِ نقیضین (حیوان ولاحیوان) لازم آئے گا جو کہ محال ہے، تو اس طرح انسان جو کہ خاص مطلق ہے حیوان جو کہ عام مطلق ہے کہ بغیر پایا جائے گا؛ حالاں کہ خاص؛ عام کے بغیر نہیں پایا جاتا ہے، تو یہ خلافِ مفروض لازم آیا، "کُلُّ لَاحَیَوانٌ لَاإِنْسَانٌ" کے تسلیم نہ کرنے سے جو کہ محال ہے اور جو مستلزم ہو محال کو وہ خود محال ہوتا ہے، اس ضابطہ سے "کُلُّ لَاحَیَوَانٌ لَاإِنْسَانٌ" کو نہ ماننا باطل ہوگیا، یعنی خاص مطلق کی نقیض کے عام ہونے کو نہ ماننا باطل ہوگیا، اور اس کا عام ہونا ثابت ہوگیا، وھو المطلوب۔

دوسرے قضیہ کی دلیل: دوسرا دعویٰ (قضیہ) تھا "بَعْضُ اللاإِنْسَانِ لَيْسَ بِلاحَيَوَانٍ"، یعنی ہر لاانسان پر لاحیوان صادق نہیں آتا ہے، یعنی عام کی نقیض خاص ہوجاتی ہے، عام نہیں رہتی، تو اگر اس کو تسلیم نہیں کریں گے تو عام کی نقیض کو عام ہی ماننا پڑے گا، بالفاظِ دیگر اگر "بَعْضُ اللَّا إِنْسَانٌ لَيْسَ بِلاحَيَوَانٍ" کو اگر تسلیم نہیں کریں گے تو "كُلُّ لَا إِنْسَانٍ لَاحَيَوَانٌ" کو ماننا پڑے گا، یعنی یہ کہنا پڑے گا کہ لاحیوان جو کہ حیوان (عام) کی نقیض ہے اور لاانسان جو کہ انسان (خاص) کی نقیض

ہے کے ہر ہر فرد پر صادق آ رہا ہے اور ابھی ابھی پہلے قضیہ (کل لاحیوان لاانسان) میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ لاانسان لاحیوان کے ہر ہر فرد پر صادق آتا ہے تو اس طرح ان دو کلیوں لاانسان ولاحیوان میں تساوی ہوگئی اور پہلے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ متساویین کی نقیضین متساویین ہوتی ہیں؛ لہٰذا اب انسان وحیوان میں تساوی کا ہونا لازم آئے گا؛ کیوں کہ انسان وحیوان نقیض ہیں، لاانسان ولاحیوان کی، تو اس طرح عموم و خصوص مطلق جو نسبت مانی تھی اس کا خلاف لازم آئے گا اور یہ خلافِ مفروض لازم آئے گا، عام کی نقیض کو خاص نہ ماننے کی وجہ سے، بالفاظِ دیگر ''بعض اللاانسان لاحیوان'' کو نہ ماننے کی وجہ سے اور ضابطہ مشہور ہے کہ جو مستلزم ہو محال کو وہ خود محال ہے؛ لہٰذا عام کی نقیض کا عام ہونا محال اور خاص ہونا ثابت ہوگیا، وہوالمطلوب۔

محل امتحان نمبر (۵۱)، قطبی: ص/۵٦

(داخلہ امتحان ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: اَلْخَامِسُ النَّوْعُ، كَمَا يُقَالُ عَلٰى مَاذَكَرْنَاهُ، وَيُقَالُ لَهُ النَّوْعُ الْحَقِيْقِيُّ، فَكَذٰلِكَ يُقَالُ عَلٰى كُلِّ مَاهِيَّةٍ يُقَالُ عَلَيْهَا وَعَلٰى غَيْرِهَا الْجِنْسُ فِيْ جَوَابِ مَاهُوَ قَوْلًا أَوَّلِيًّا، وَيُسَمَّى النَّوْعَ الْإِضَافِيَّ وَالنَّوْعُ الْإِضَافِيُّ مَوْجُوْدٌ بِدُوْنِ الْحَقِيْقِيِّ، كَالْأَنْوَاعِ الْمُتَوَسِّطَةِ، وَالْحَقِيْقِيُّ مَوْجُوْدٌ بِدُوْنِ الْإِضَافِيِّ كَالْحَقَائِقِ الْبَسِيْطَةِ.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) ''قَوْلًا أَوَّلِيًّا'' کی قید کا فائدہ انواعِ متوسطہ اور حقائق بسیطہ کی تعریف کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

پانچویں بحث، نوع جس طرح اس کلی پر بولا جاتا ہے جس کو ہم نے بیان کیا اور اس کو نوعِ حقیقی کہا جاتا ہے تو اسی طرح نوع ہر اس ماہیت پر بھی بولا جاتا ہے کہ ماہو کے جواب میں جس پر اور اس کے غیر پر جنس بولا جائے قولاً اوّلیًا اور اس کا نام نوعِ اضافی رکھا جاتا ہے اور نوعِ اضافی نوعِ حقیقی کے بغیر پائی جاتی ہے، جیسے انواعِ متوسطہ اور نوعِ حقیقی؛ نوعِ اضافی کے بغیر پائی جاتی ہے، جیسے: حقائق بسیطہ۔

(ج) ”قَوْلًا أَوَّلِيًّا“ کی قید کا فائدہ:

نوعِ اضافی کی تعریف میں یہ قید صنف کو خارج کرنے کے لیے لگائی گئی ہے، ”صنف“ کہتے ہیں ایسی نوع کو جو صفات عرضیہ کلیہ سے مقید ہو، صفات عرضیہ کا مطلب ہے کہ صفات اس نوع کی حقیقت سے خارج ہوں اور کلیہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ صفات عام ہوں، ان میں اشتراک ہو، جیسے: رومی ہونا، ترکی ہونا، یہ انسان کی صفاتِ عرضیہ ہیں کہ انسان کی حقیقت سے خارج ہیں اور کلیہ ہیں؛ کیوں کہ ان میں عموم ہے کہ انسان کے علاوہ پر بھی صادق آتے ہیں، تو اگر نوعِ اضافی کی تعریف میں یہ قید نہ لگائی جاتی تو یہ صنف بھی اس میں داخل ہو جاتی؛ کیوں کہ اگر صنف کے ساتھ کسی دوسری ماہیت کو ملا کر ”ماھو“ کے ذریعہ سوال کریں تو جواب میں جنس آجاتی ہے، جیسے: یوں کہیں ”اَلرُّوْمِيُّ وَالْحِمَارُ مَاهُمَا؟“ تو جواب میں حیوان آتا ہے، تو اس طرح نوعِ اضافی کی تعریف مانع نہ رہتی؛ لیکن جب یہ قید لگا دی تو یہ تعریف سے خارج ہو گئی: کیوں کہ صنف پر ماہو کے جواب میں جنس کا آنا یہ بلا واسطہ نہیں ہوتا؛ بالواسطہ ہوتا ہے، بلا واسطہ حمل صنف پر تو نوع

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کا ہوتا ہے اور نوع کے واسطہ سے جنس کا حمل صنف پر ہوتا ہے؛ البتہ خود نوع پر جنس کا حمل بلا واسطہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چند مُرتّبہ کلیات کا جب ایک شیٔ پر حمل ہوتا ہے تو ان میں سے کلی سافل کا حمل بلا واسطہ ہوتا ہے اور کلی عالی کا سافل کے واسطہ سے ہوتا ہے، تو مثلاً رومی پر انسان، حیوان، جسم نامی وغیرہ کا حمل جو ہوگا تو انسان کا بلا واسطہ اور حیوان کا انسان کے واسطہ سے اور جسم نامی کا حیوان کے واسطہ سے، تو اس طرح صنف نوعِ اضافی کی تعریف سے خارج ہوگئی اور نوعِ اضافی کی تعریف مانع ہوگئی۔

انواعِ متوسطہ اور حقائق بسیطہ کی تعریف:

انواعِ متوسطہ: وہ انواع جن کے اوپر نیچے دونوں طرف نوع ہوں، جیسے: جسم نامی اور حیوان۔

حقائقِ بسیطہ: ایسی ماہیتیں جن کا کوئی جزء نہ ہو، جیسے: عقل، نقطہ، وحدت۔

محل امتحان نمبر (۵۲)، قطبی: ص/۵۸

(سالانہ امتحان ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَمَرَاتِبُ الْأَجْنَاسِ أَيْضًا هٰذِهِ الْأَرْبَعُ، لٰكِنَّ الْعَالِيَ كَالْجَوْهَرِ فِيْ مَرَاتِبِ الْأَجْنَاسِ يُسَمّٰى جِنْسَ الْأَجْنَاسِ لَا السَّافِلَ، كَالْحَيْوَانِ، وَمِثَالُ الْمُتَوَسِّطِ فِيْهَا "اَلْجِسْمُ النَّامِيْ"، وَ مِثَالُ الْمُفْرَدِ "الْعَقْلُ" إِنْ قُلْنَا: إِنَّ الْجَوْهَرَ لَيْسَ بِجِنْسٍ لَهٗ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) جنس، جنس مفرد، جنس مرتب کی تعریف کرتے ہوئے واضح مطلب لکھیں اور بتائیے کہ جنس کی ترتیب صعودی ہے یا نزولی، جنس مرتب کی کتنی قسمیں ہیں؟ جنس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے تمام اقسام مع مثال لکھیں، نیز عقل جنس مفرد کی مثال ہے یا نوع مفرد کی یا دونوں کی بتائیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور اجناس کے مراتب بھی یہی چار ہیں؛ لیکن اجناس کے مراتب میں جنس عالی مثلاً جوہر کا نام ''جنس الاجناس'' رکھا جاتا ہے نہ کہ جنس سافل مثلاً حیوان کا اور اجناس میں جنس متوسط کی مثال جسم نامی ہے اور جنس مفرد کی مثال عقل ہے، اگر ہم یوں کہیں کہ جوہر عقل کی جنس نہیں ہے۔

(ج) جنس، جنس مفرد، جنس مرتب کی تعریف اور مطلب:

جنس: وہ ایسی کلی ذاتی ہے جو ''مَاهو'' کے جواب میں ایسے کثیر افراد پر محمول ہو جن کی حقیقت الگ الگ ہو، جیسے: حیوان۔

جنس مفرد: وہ جنس ہے جس کے اوپر نیچے کوئی جنس نہ ہو۔

جنس مرتب: وہ جنس ہے جس کے اوپر یا نیچے یا دونوں طرف جنس ہو۔

پھر اس جنس مرتب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جنسِ عالی (۲) جنسِ متوسط (۳) جنسِ سافل

مذکورہ فی السوال عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے اجناس کے مراتب کو بیان کیا ہے کہ جس طرح ماقبل میں انواع کے چار مراتب ذکر کیے گئے ہیں تو اسی طرح جنس کے بھی چار مراتب ہوتے ہیں اور جو نام وہاں پر بیان کیے گئے ہیں وہی نام یہاں پر بھی ان مراتب کے ہیں، یعنی عالی، سافل، متوسط، مفرد۔

لٰکِنَّ الْعَالِيَ...: البتہ نوع اور جنس میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ نوع کی درجہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بندی اور ترتیب چوں کہ نزولی ہوتی ہے اور جنس کی ترتیب صعودی، یعنی نوع میں ترقی اور کمال کا مدار خصوص پر ہوتا ہے اور جنس میں عموم پر اور انواع کے سلسلہ میں نوع سافل میں سب سے زیادہ خصوص ہوتا ہے، جب کہ اجناس کے سلسلہ میں جنس عالی میں سب سے زیادہ عموم ہوتا ہے؛ اس لیے انواع میں تو نوع سافل کو "نَوْعُ الْأَنْوَاعِ" یعنی تمام نوعوں کی ماں کہا جاتا ہے اور یہاں پر سلسلۂ اجناس میں جنس عالی کو "جِنْسُ الْأَجْنَاسِ" یعنی تمام جنسوں کا باپ کہا جاتا ہے۔

جنس سافل: وہ جنس ہے جس کے نیچے کوئی جنس نہ ہو؛ البتہ اس کے اوپر جنس ہو، جیسے: حیوان۔

جنسِ متوسط: وہ جنس ہے جس کے اوپر نیچے دونوں طرف جنس ہو، جیسے: جسم نامی، جسمِ مطلق۔

جنسِ عالی: وہ جنس ہے جس کے اوپر کوئی جنس نہ ہو؛ البتہ نیچے ہو، جیسے: جوہر۔

جنس مفرد کی مثال بھی عقل ہے اور نوعِ مفرد کی بھی۔ اور یہ اس طرح کہ عقل کے اوپر جو جوہر ہے اس کو جنس فرض کریں گے تو عقل؛ نوعِ مفرد کی مثال ہو جائے گی کہ عقل کے اوپر نوع نہیں اور نیچے عقولِ عشرہ بھی نوع نہیں؛ بلکہ اشخاص ہیں اور جوہر کو جنس فرض نہ کریں گے تو عقل جنس مفرد کی مثال ہو جائے گی کہ اوپر بھی جنس نہیں (بلکہ عرضِ عام ہے) اور نیچے بھی نہیں؛ بلکہ عقولِ عشرہ انواع ہیں۔

محل امتحان نمبر (۵۳)، قطبی: ص/۵۹

(سالانہ امتحان ۱۴۲۶ھ، ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالنَّوْعُ الْإِضَافِيُّ مَوْجُوْدٌ بِدُوْنِ الْحَقِيْقِيِّ، كَالْأَنْوَاعِ الْمُتَوَسِّطَةِ، وَالْحَقِيْقِيُّ مَوْجُوْدٌ بِدُوْنِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الْإِضَافِيِّ، كَالْحَقَائِقِ الْبَسِيطَةِ، فَلَيْسَ بَيْنَهُمَا عُمُومٌ وَخُصُوصٌ مُطْلَقًا؛ بَلْ كُلٌّ مِنْهُمَا أَعَمُّ مِنَ الْآخَرِ مِنْ وَجْهٍ، لِصِدْقِهِمَا عَلَى النَّوْعِ السَّافِلِ.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) نوعِ حقیقی اور نوعِ اضافی کی تعریف کے بعد عبارت کی تشریح کیجیے۔

(د) نوعِ حقیقی اور نوعِ اضافی میں کون سی نسبت ہے؟

جواب

(ب) ترجمہ:

اور نوعِ اضافی نوعِ حقیقی کے بغیر پائی جاتی ہے، جیسا کہ انواعِ متوسطہ اور نوعِ حقیقی نوعِ اضافی کے بغیر پائی جاتی ہے، جیسا کہ حقائق بسیطہ؛ لہٰذا ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق نہیں ہے؛ بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسری سے اعم من وجہٍ ہے، ان دونوں کے نوعِ سافل پر صادق آنے کی وجہ سے (عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے)۔

(ج) نوعِ حقیقی اور نوعِ اضافی کی تعریف اور عبارت کی تشریح:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے نوعِ حقیقی اور نوعِ اضافی کے بیچ نسبت کو بیان کیا ہے، اس کی تفصیل سے پہلے دونوں کی تعریف پیش خدمت ہے:

نوعِ حقیقی: هُوَ كُلِّيٌّ مَقُولٌ عَلَى كَثِيرِينَ مُتَّفِقِينَ بِالْحَقَائِقِ فِي جَوَابِ مَاهُوَ. یعنی نوعِ حقیقی وہ ایسی کلی ہے جو "مَاهُوَ" کے جواب میں ایسے کثیر افراد پر محمول ہو جن کی حقیقت ایک ہو، جیسے: انسان، نوعِ حقیقی ہے؛ کیوں کہ زید، عمر، بکر وغیرہ کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

متعلق ''مَـاھُـوَ'' کے ذریعہ سوال کرنے پر انسان جواب میں واقع ہوتا ہے اور زید، عمر، بکر وغیرہ سب کی حقیقت ایک ہے۔

نوعِ اضافی: هُوَ كُلُّ مَاهِيَةٍ يُقَالُ عَلَيْهَا وَعَلٰى غَيْرِهَا الْجِنْسُ فِيْ جَوَابِ مَاهُوَ قَوْلًا أَوَّلِيًا. یعنی نوعِ اضافی ہر ایسی ماہیت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کسی دوسری ماہیت کو ملا کر ''مَـاھُـوَ'' کے ذریعہ اگر سوال کیا جائے تو اس کے جواب میں بلا واسطہ جنس محمول ہو، یعنی بلا واسطہ جنسِ جواب آئے، خواہ اس ماہیت کے افراد متفقۃ الحقیقۃ ہوں، جیسے: انسان، یا مختلفۃ الحقیقۃ ہوں، جیسے: حیوان۔

اس تعریف کے اعتبار سے ''انسان'' نوعِ اضافی بھی ہوگا؛ کیوں کہ اگر اس کے ساتھ کسی دوسری ماہیت مثلاً فرس کو لے کر ''مَـاھُـوَ'' سے سوال کیا جائے اور یوں کہا جائے ''اَلْإِنْسَانُ وَالْفَرَسُ مَاهُمَا؟'' تو جواب میں ''حَيْوَانٌ'' آئے گا اور انسان نوعِ حقیقی تو ہے ہی؛ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور حیوان وغیرہ (جسمِ نامی، جسمِ مطلق) صرف نوعِ اضافی ہوں گے؛ کیوں کہ ان کے ساتھ دوسری ماہیت مثلاً حیوان کے ساتھ انسان کو ملا کر اگر سوال کیا جائے تو جواب میں ''جِسْـمٌ نَـامٍ'' آئے گا جو کہ جنس ہے؛ لیکن یہ نوعِ حقیقی نہ ہوں گے؛ کیوں کہ ان کے افراد مختلفۃ الحقیقۃ ہیں۔

(د) نوعِ حقیقی اور نوعِ اضافی میں کون سی نسبت ہے؟

خلاصہ یہ کہ انسان نوعِ حقیقی اور نوعِ اضافی دونوں ہے، جب کہ حیوان وغیرہ صرف نوعِ اضافی ہے، تو اب متقدمین مناطقہ نے یہ سمجھ لیا کہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، نوعِ حقیقی خاص مطلق ہے اور نوعِ اضافی عام مطلق ہے، یعنی نوعِ حقیقی کے ساتھ ساتھ نوعِ اضافی ضرور پائی جائے گی، جیسے: انسان میں۔ اور نوعِ اضافی کے ساتھ نوعِ حقیقی کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، پائی بھی جا سکتی ہے جیسے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انسان میں نوعِ اضافی کے ساتھ نوعِ حقیقی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی جیسا کہ حیوان وغیرہ میں صرف نوعِ اضافی ہے نوعِ حقیقی نہیں ہے۔

لیکن مذکورہ عبارت میں ماتن نے متقدمین مناطقہ پر رد کیا ہے کہ ان کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت نہیں ہے؛ بلکہ عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے اور ہر ایک عام خاص من وجہٍ ہے، یعنی دونوں (نوع) ایک ساتھ جمع بھی ہو جاتی ہیں اور الگ الگ بھی ہو جاتی ہیں؛ چناں تین مادّے پائے جاتے ہیں: ایک اجتماعی، دو افتراقی۔

اجتماعی مادّہ تو انسان ہے کہ یہاں پر نوعِ حقیقی ونوعِ اضافی دونوں جمع ہو رہی ہیں اور ایک افتراقی مادّہ حیوان وغیرہ ہیں کہ یہاں پر نوعِ اضافی تو ہے؛ مگر نوعِ حقیقی نہیں ہے۔

اور ایک دوسرا افتراقی مادہ حقائق بسیطہ ہیں، یعنی ایسی ماہیتیں جو بسیط ہیں کہ جن کے اجزاء نہیں ہیں، مثلاً عقل، نفس، نقطہ، وحدت، تو یہاں پر نوعِ حقیقی تو ہے؛ لیکن نوعِ اضافی نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کے ساتھ اگر کسی ماہیت کو ملا کر سوال کیا جائے تو جواب میں جنس نہیں آئے گی؛ کیوں کہ ان کی کوئی جنس یا فصل ہے ہی نہیں۔

تو اس طرح پتہ چلا کہ نوعِ حقیقی ونوعِ اضافی کے درمیان عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے۔

محلِ امتحان نمبر (۵۴)، قطبی: ص/۶۱

(سالانہ امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: اَلْجِنْسُ الْعَالِيْ جَازَ لَهٗ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ فَصْلٌ يُقَوِّمُهٗ لِجَوَازِ تَرَكُّبِهٖ مِنْ أَمْرَيْنِ مُتَسَاوِيَيْنِ أَوْ أُمُوْرٍ مُتَسَاوِيَةٍ، وَيَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ فَصْلٌ يُقَسِّمُهٗ، وَالنَّوْعُ السَّافِلُ يَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ فَصْلٌ يُقَوِّمُهٗ، وَيَمْتَنِعُ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ فَصْلٌ يُقَسِّمُهٗ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) عبارت میں چار دعوے ہیں، آپ ان کو وضاحت کے ساتھ الگ الگ لکھیں، پھر ہر ایک دعوی کی دلیل لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

جنس عالی کے لیے جائز ہے یہ کہ اس کی کوئی ایسی فصل ہو جو اس کی مقوم ہو اس کے مرکب ہونے کے جائز ہونے کی وجہ سے دو مساوی امر سے یا چند مساوی اُمور سے اور ضروری ہے یہ کہ جنس عالی کے لیے کوئی ایسی فصل ہو جو اس کی مقسم ہو اور نوع سافل کے لیے ضروری ہے، یہ کہ اس کے لیے کوئی ایسی فصل ہو جو اس کے لیے مقوم ہو اور نوعِ سافل کے لیے یہ محال ہے کہ کوئی فصل ہو جو اس کی مُقَسِّم ہو۔

(ج) چاروں دعووں کی الگ الگ وضاحت اور ہر ایک کی دلیل:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ علیہ نے چار دعوے کیے ہیں:

(۱) جنس عالی کے لیے "فصل مُقَوِّم" کا ہونا جائز ہے۔

(۲) جنس عالی کے لیے "فصل مُقَسِّم" کا ہونا واجب (ضروری) ہے۔

(۳) نوعِ سافل کے لیے "فصلِ مُقَوِّم" کا ہونا واجب (ضروری) ہے۔

(۴) نوعِ سافل کے لیے "فصل مُقَسِّم" کا ہونا ناجائز (محال) ہے۔

دلائل:

(۱) چاروں دعووں میں سے پہلے دعوے کی دلیل: تو خود ماتن رحمہ اللہ نے بیان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کردی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنس عالی کے اوپر تو کوئی جنس نہیں ہوتی؛ اس لیے اس کی ترکیب میں کسی جنس کا نہ آنا تو ظاہر ہے اور جب اس کی کوئی جنس نہیں ہوتی تو اس کے مشارکاتِ جنسیہ بھی نہیں ہوتے؛ لہٰذا اب یہ ممکن ہے کہ جنس عالی یعنی جوہر کی ترکیب ایسی دو یا چند چیزوں سے ہو جو اس جنسِ عالی کے مساوی ہوں، کوئی ایک بھی عام نہ ہو، یعنی یہ چند اُمور جنسِ عالی کی صرف فصلیں ہوں، کوئی جنس نہ ہو اور یہ چند فصلیں اس جنس عالی کو مشارکاتِ جنسیہ سے تو نہیں؛ البتہ مشارکاتِ وجودیہ سے ممتاز کر رہی ہوں، تو یہ چند چیزیں جنس عالی کا ''فصل مقوم'' کہلائیں گی؛ کیونکہ مقوم اس فصل کو کہتے ہیں جو کسی کی ماہیت کا جزء ہو اور اس کو ممتاز کرنے والی ہو اور یہ فصلیں جنس عالی کی ماہیت کا جزء ہیں اور اس کو ممتاز بھی کر رہی ہیں۔

دوسرے دعوی کی دلیل: یعنی ''جنس عالی کے لیے ''فصل مقسم'' ضروری ہے'' کی دلیل یہ ہے کہ جنسِ عالی کے تحت انواع کا ہونا ضروری ہے اور ہر نوع کی فصل جو اس نوع کے لیے ''فصل مقوم'' ہوتی ہے، اس نوع کی جنس کے لیے ''فصل مقسم'' ہوا کرتی ہے؛ لہٰذا پتہ چلا کہ ان انواع کی تمام فصلیں جنس عالی کے لیے ''فصل مقسم'' ہوں گی۔

تیسرے دعوی کی دلیل: یعنی ''نوعِ سافل کے لیے ''فصل مقوم'' کا ہونا ضروری ہے'' کی دلیل یہ ہے کہ نوع سافل کے اوپر جنس ہوا کرتی ہے، اور جب جنس ہوتی ہے تو مشارکات جنسیہ بھی ضرور ہوں گے؛ لہٰذا اس نوع سافل کے لیے ''فصل مقوم'' کا ہونا ضروری ہے جو اس نوع کو مشارکاتِ جنسیہ سے ممتاز کرے۔

چوتھے دعوے کی دلیل: یعنی ''نوع سافل کے لیے فصل مقسم کا ہونا محال ہے'' کی دلیل یہ ہے کہ نوع سافل کے تحت انواع نہیں ہوتی؛ بلکہ افراد واشخاص ہوتے ہیں، اگر اس کے تحت انواع کو فرض کیا جائے گا تو یہ نوع سافل ہی نہیں رہے گی؛ بلکہ نوع عالی ہو جائے گی؛ حالانکہ یہ نوع سافل ہے اور جب اس کے تحت انواع نہیں ہیں تو یہ نوع

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جنس بھی نہیں بن سکتی، تو کوئی بھی فصل اس نوع سافل کا فصل مقسم نہیں بن سکتی؛ کیونکہ مقسم جنس کا ہوا کرتی ہے نہ کہ نوع کا، نوع کا تو مقوم ہوتی ہے؛ تو پتہ چلا کہ نوعِ سافل کا کوئی فصل مقسم نہیں ہو سکتی ہے۔

حل امتحان نمبر (۵۵)، قطبی: ص ۶۲/

(داخلہ امتحان ۱۴۲۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: اَلْـمُـعَـرِّفُ لِـلشَّـيْءِ هُوَ الَّذِيْ يَسْتَلْزِمُ تَـصَـوُّرُهٗ تَصَوُّرَ ذٰلِکَ الشَّيْءِ أَوْ امْتِيَازَهٗ عَنْ كُلِّ مَاعَدَاهُ، وَهُوَ لَايَـجُـوْزُ أَنْ يَـكُـوْنَ نَـفْـسَ الْـمَاهِيَّةِ، لِأَنَّ الْمُعَرِّفَ مَعْلُوْمٌ قَبْلَ الْمُعَرَّفِ وَالشَّيْءُ لَايُعْلَمُ قَبْلَ نَفْسِهٖ، وَلَا أَعَمَّ لِقُصُوْرِهٖ عَنْ إِفَادَةِ التَّـعْـرِيْفِ وَلَاأَخَـصَّ لِـكَـوْنِهٖ أَخْفٰى، فَهُوَ مُسَاوٍ لَهَا فِي الْعُمُوْمِ وَالْخُصُوْصِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مطلب کی تشریح کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

شے کا معرِّف وہ ہے جس کا تصور اس شے کے تصور کو مستلزم ہو، یا تمام ماسوا سے اس کے امتیاز کو (مستلزم ہو) اور وہ (معرِّف) جائز نہیں ہے کہ ماہیت (معرَّف) کا عین ہو؛ اس لیے کہ معرِّف معرَّف سے پہلے معلوم ہوتا ہے اور کوئی شی اپنی ذات سے پہلے معلوم نہیں ہوتی۔ اور نہ (معرَّف کا) عام ہونا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جائز ہے تعریف کا فائدہ دینے سے قاصر ہونے کی وجہ سے۔اور نہ خاص ہونا جائز ہے خاص کے بہت زیادہ خفی ہونے کی وجہ سے۔تو معرِّف ماہیت کے مساوی ہوتا ہے عام وخاص ہونے کے سلسلہ میں۔

(ج) مطلب کی تشریح:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے اوّلاً معرِف کی تعریف کی ہے پھر اس کی شرائط بیان کی ہیں۔

معرف کی تعریف ماقبل میں گزر چکی، اب یہاں سے شرائطِ معرِّف ملاحظہ کیجیے۔

شرائطِ معرِّف: ماتن رحمہ اللہ نے اس عبارت میں اجمالاً تین شرطیں بیان کی ہیں:

(۱) معرِف اپنے معرَّف کا عین نہ ہو

(۲) معرِّف اپنے معرَّف سے عام نہ ہو

(۳) معرِف اپنے معرَّف سے خاص نہ ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ معرِف اوّلاً دوحال سے خالی نہیں: (الف) یا تو معرَّف کا عین ہوگی (ب) یا غیر ہوگی، پھر اگر غیر ہے تو چار احتمال ہیں:

(الف) یا تو عام ہوگی (ب) یا خاص ہوگی (ج) یا مبائن ہوگی (د) یا مساوی ہوگی تو اس طرح کل ملا کر پانچ احتمالات ہیں جن میں سے اوّل الذکر چار باطل ہیں اور ایک درست ہے۔

بطلان کی دلیل: پہلا احتمال: کہ معرِف اپنے معرَّف کا عین ہو؛ اس لیے باطل ہے کہ معرِّف؛ معرَّف سے پہلے ہی سے معلوم ہوتا ہے اور کسی بھی چیز کا اپنی ذات اور اپنے نفس سے پہلے معلوم ہونا لازم آئے گا؛ حالانکہ ابھی اوپر معلوم ہوا کہ یہ باطل ہے اور جو مستلزم ہو باطل کو وہ خود باطل ہے؛ لہٰذا معرِّف کا اپنے معرِف کا عین ہونا بھی باطل ہے: جیسے انسان کی تعریف انسان ہی سے کرنا باطل ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسرا احتمال: معرِّف؛ معرَّف سے عام ہو؛ اس لیے باطل ہے کہ معرِّف کا مقصد یا تو معرف کا تصور بالکنہ ہوتا ہے، یعنی اس کی مکمل حقیقت و ماہیت کو جاننا اور یا معرَّف کو تمام اغیار سے ممتاز کرنا ہوتا ہے اور عام معرِّ ف کے ذریعہ یہ دونوں مقصد حاصل نہیں ہوتے تو جب مقصد حاصل نہیں ہوتا تو معرِّف کا عام ہونا باطل ہے، جیسے: انسان کی تعریف ''حیوان'' سے کرنا باطل ہے۔

تیسرا احتمال: معرِّف، معرَّف سے خاص ہو؛ اس لیے باطل ہے کہ خاص عام سے اخفیٰ ہوتا ہے، یعنی عام کے مقابلہ میں خاص کا وجود عقلی کم ہوتا ہے؛ حالانکہ معرِّف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے معرَّف سے اجلیٰ اور خوب واضح و روشن ہو، تو خاص کو معرِّف بنانا باطل ہے، جیسے: حیوان کی تعریف ''انسان'' سے کرنا باطل ہے۔

چوتھا احتمال: معرِّف اپنے معرَّف کے مبائن ہو یہ بھی باطل ہے؛ کیوں کہ خاص اور عام مبائن کی بہ نسبت شے کے کچھ قریب ہوتے ہیں تو جب خاص اور عام کا معرِّف ہونا باطل ہو گیا تو معرِّف کا مبائن ہونا چونکہ شیَٔ سے بالکل دُور اور بہت دُور ہوتا ہے بدرجہ اولیٰ باطل ہے، جیسے: انسان کی تعریف ''فرس'' سے کرنا باطل ہے۔

ماتن رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں اس کا صراحتاً ذکر نہیں کیا ہے؛ لیکن ضمناً عام و خاص کے تحت اس کا ذکر آ گیا ہے۔

باقی اب یہی احتمال رہ جاتا ہے کہ معرِّف معرَّف کا مساوی ہو تو یہ درست ہے، یعنی عموم و خصوص کے اعتبار سے معرِّف اپنے معرَّف کا مساوی ہوتا ہے، دونوں میں تساوی کی نسبت ہوتی ہے، چنانچہ جہاں پر معرِّف صادق آتا ہے وہاں پر معرَّف صادق آتا ہے اور جہاں پر معرَّف صادق آتا ہے وہاں پر معرِّف صادق آتا ہے، جیسے: انسان کی تعریف ''حیوانِ ناطق'' سے درست ہے؛ کیوں کہ یہ انسان کا مساوی ہے، جہاں انسان وہاں پر ''حیوان ناطق'' ہوتا ہے اور جہاں پر ''حیوانِ ناطق'' وہاں پر ''انسان'' صادق آتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۵۶)، قطبی: ص ۶۴

(داخلہ امتحان ۱۴۲۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَيُسَمَّى حَدًّا تَامًّا؛ إِنْ كَانَ بِالْجِنْسِ وَالْفَصْلِ الْقَرِيبَيْنِ، وَحَدًّا نَاقِصًا؛ إِنْ كَانَ بِالْفَصْلِ الْقَرِيبِ وَحْدَهُ، أَوْبِهِ وَبِالْجِنْسِ الْبَعِيدِ، وَرَسْمًا تَامًّا؛ إِنْ كَانَ بِالْجِنْسِ الْقَرِيبِ وَالْخَاصَّةِ، وَرَسْمًا نَاقِصًا؛ إِنْ كَانَ بِالْخَاصَّةِ وَحْدَهَا، أَوْبِهَا وَبِالْجِنْسِ الْبَعِيدِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) معرف کی تعریف کرنے کے بعد اس کی اقسامِ اربعہ کی تعریفات مع امثلہ تحریر کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور اس کا (معرف کا) نام حدِّ تام رکھا جاتا ہے، اگر معرف جنس قریب اور فصل قریب سے (مرکب) ہو۔ اور حدِّ ناقص (اس کا نام رکھا جاتا ہے) اگر معرف صرف فصلِ قریب کے ذریعہ ہو، یا فصلِ قریب اور جنسِ بعید کے ذریعہ ہو۔ اور رسمِ تام (اس کا نام رکھا جاتا ہے) اگر معرف جنس قریب اور خاصہ کے ذریعہ ہو۔ اور رسمِ ناقص (اس کا نام رکھا جاتا ہے) اگر معرف صرف خاصہ کے ذریعہ ہو، یا خاصہ اور جنسِ بعید کے ذریعہ ہو۔

(ج) معرِّف کی تعریف اور اس کی اقسامِ اربعہ کی تعریفات مع امثلہ:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے مُعرِّف کی چار قسمیں مع ان کی تعریفات ذکر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کی ہیں، جن کی تفصیل ذرا بعد میں، پہلے مُعرِّف کی تعریف پیش خدمت ہے:

مُعرِّف کی تعریف: مُعَرِّفُ الشَّيْءِ هُوَ الَّذِي يَسْتَلْزِمُ تَصَوُّرُهُ تَصَوُّرَ ذٰلِکَ الشَّيْءِ أَوْ امْتِيَازَهُ عَنْ كُلِّ مَاعَدَاهُ (شے کا مُعرِّف وہ ہے جس کا تصور اس شے کے تصور کو مستلزم ہو، یا اس کے جمیع ماعدا سے امتیاز کو مستلزم ہو)، یعنی معرف اس کو کہتے ہیں جس کے تصور کر لینے سے دوسری شے کا تصور ہو جائے، یا دوسری شے اپنے تمام ماسوا سے ممتاز ہو جائے۔

دوسری شے کے تصور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شے مجہول کی حقیقت معلوم ہو جائے، جیسے: ''حیوانِ ناطق'' سے انسان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور ممتاز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شے مجہول کی حقیقت تو معلوم نہ ہو؛ البتہ وہ شے مجہول دیگر اشیاء سے جدا ہو جائے، جیسے: صرف ''ناطق'' یا ''جسمِ ناطق'' یا ''حیوانِ ضاحک'' وغیرہ سے انسان کی حقیقت تو معلوم نہیں ہوتی؛ کیونکہ حقیقت تو حیوانِ ناطق ہے؛ لیکن انسان اپنے تمام ماسوا مثلاً فرس، حمار، غنم وغیرہ سے ممتاز ہو جاتا ہے؛ کیونکہ یہ سب حیوانِ ناطق یا صرف ناطق اسی طرح جسمِ ناطق، حیوانِ ضاحک وغیرہ سب معرف ہیں، اسی کو تعریف اور قولِ شارح کہتے ہیں۔

معرِّف کی اقسام اربعہ مع تعریفات وامثلہ:

معرِّف کی چار قسمیں ہیں:

(۱) حدِّ تام (۲) حدِّ ناقص (۳) رسمِ تام (۴) رسمِ ناقص

حدِّ تام: وہ تعریف یا مُعرِّف ہے جو جنسِ قریب اور فصلِ قریب سے مرکب ہو، جیسے: ''حَيَوَانٌ نَاطِقٌ'' انسان کی حدتام ہے؛ کیوں کہ حیوان انسان کی جنس قریب ہے اور ناطق انسان کی **فصل قریب** ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حد ناقص: وہ تعریف ہے جو صرف فصل قریب سے ہو، یا جنسِ بعید اور فصل قریب سے مرکب ہو، جیسے: "نَاطِقٌ" یا "جِسْمٌ نَاطِقٌ" انسان کی حدِّ ناقص ہے؛ کیونکہ جسم انسان کی جنس بعید ہے۔

رسمِ تام: وہ تعریف ہے جو جنسِ قریب اور خاصہ سے مرکب ہو، جیسے: "حَیْوَانٌ ضَاحِکٌ" انسان کی رسمِ تام ہے؛ کیونکہ ضاحک انسان کا خاصہ ہے۔

رسمِ ناقص: وہ تعریف ہے جو صرف خاصہ سے یا جنسِ بعید اور خاصہ سے مرکب ہو، جیسے: صرف "ضَاحِکٌ" یا "جِسْمٌ ضَاحِکٌ" انسان کی رسمِ ناقص ہے۔

وجہ تسمیہ: حد تام کو حد اس لیے کہتے ہیں کہ "حد" کے لغوی معنیٰ آتے ہیں روکنا اور معرَّف کے ذاتیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ تعریف بھی اجنبی کے دخول سے روک دیتی ہے؛ اس لیے اس کو "حد" کہتے ہیں۔

اور حد تام: کو تام اس لیے کہتے ہیں کہ تام کے معنیٰ ہیں کامل و مکمل، اس تعریف میں چونکہ معرَّف کے تمام ہی ذاتیات (جنس و فصل) شامل ہوتے ہیں؛ اس لیے اس کو تام کہتے ہیں۔

حد ناقص: کو تو حد اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ تعریف ذاتیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے دخولِ غیر سے مانع ہوتی ہے اور حد کے معنیٰ منع (روکنے) کے آتے ہیں اور ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ ناقص کے معنیٰ اَدھورا، نامکمل، چونکہ اس تعریف میں ذاتیات تمام نہیں ہوتے؛ بلکہ کچھ ہوتے ہیں اور کچھ نہیں؛ تو اس وجہ سے ناقص کہتے ہیں۔

رسم تام: کو رسم اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ رسم کے معنیٰ اثر اور نشان کے ہیں، یعنی گھر کے منہدم ہونے کے بعد جو نشانات رہ جاتے ہیں ان کو رسم کہتے ہیں اور شے کا خاصہ یہ بھی ہے کہ شے کا اثر اور اس کا نشان ہوتا ہے اور یہ تعریف چوں کہ خاصہ پر مشتمل ہوتی ہے؛ اس وجہ سے اس کو رسم کہتے ہیں اور تام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حد تام کے مشابہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوتی ہے، کہ جس طرح وہاں پر جنسِ قریب ہوتی ہے، یہاں پر بھی ہوتی ہے، تو اس وجہ سے اس کو تام بھی کہتے ہیں۔

رسمِ ناقص: کو رسم تو اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ خاصہ پر مشتمل ہوتی ہے اور ناقص اس وجہ سے کہتے ہیں کہ رسمِ تام کے جو اجزاء تھے وہ سب یہاں پر نہیں ہوتے؛ بلکہ بعض ہوتے ہیں۔

محل امتحان نمبر (۵۷)، قطبی: ص/۶۵

(سالانہ امتحان ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت با اعراب: أَمَّا الْمَعْنَوِيَّةُ فَمِنْهَا تَعْرِيْفُ الشَّيْءِ بِمَايُسَاوِيْهِ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْجِهَالَةِ، أَيْ يَكُوْنُ الْعِلْمُ بِأَحَدِهِمَا مَعَ الْعِلْمِ بِالْآخَرِ، وَالْجَهْلُ بِأَحَدِهِمَا مَعَ الْجَهْلِ بِالْآخَرِ، كَتَعْرِيْفِ الْحَرَكَةِ بِمَالَيْسَ بِسُكُوْنٍ، فَإِنَّهُمَا فِي الْمَرْتَبَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ الْعِلْمِ وَالْجَهْلِ، فَمَنْ عَلِمَ أَحَدَهُمَا عَلِمَ الْآخَرَ، وَمَنْ جَهِلَ أَحَدَهُمَا جَهِلَ الْآخَرَ، وَالْمُعَرِّفُ يَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ أَقْدَمَ مَعْرِفَةً، لِأَنَّ مَعْرِفَةَ الْمُعَرِّفِ عِلَّةٌ لِمَعْرِفَةِ الْمُعَرَّفِ، وَالْعِلَّةُ مُقَدَّمَةٌ عَلَى الْمَعْلُوْلِ، وَمِنْهَا تَعْرِيْفُ الشَّيْءِ بِمَايَتَوَقَّفُ مَعْرِفَتُهُ عَلَيْهِ، إِمَّا بِمَرْتَبَةٍ وَاحِدَةٍ وَيُسَمّٰى دَوْرًا مُصَرَّحًا، وَإِمَّا بِمَرَاتِبَ، وَيُسَمّٰى دَوْرًا مُضْمَرًا.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) وضاحت کے ساتھ مطلب بیان کریں اور بتائیں کہ جملہ "لِأَنَّ مَعْرِفَةَ الْمُعَرِّفِ عِلَّةٌ لِمَعْرِفَةِ الْمُعَرَّفِ" سے مصنف رحمہ اللہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وضاحت کے ساتھ لکھیں۔ دَور مصرح، دَورِ مضمر کی تعریف کریں اور مثال دیں۔
(د) اغلاط لفظیہ سے کیا مراد ہے، مثال دے کر سمجھائیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

بہرحال وجوہ اختلال معنوی تو ان میں سے (ایک) شے کی تعریف ایسی چیز سے کرنا ہے جو معرفت و جہالت میں اس شے کے مساوی ہو، یعنی دونوں میں سے ایک کا علم دوسرے کے علم کے ساتھ ہوتا ہو اور دونوں میں سے ایک سے جہل دوسرے سے جہل کے ساتھ ہوتا ہو، جیسے: حرکت کی تعریف ''مالیس بسکون'' سے کرنا کہ بیشک یہ دونوں (حرکت وسکون) علم اور جہالت کے اعتبار سے ایک درجہ میں ہیں؛ چنانچہ جو آدمی ان میں سے ایک کو جان لیتا ہے تو وہ دوسری چیز کو جان لیتا ہے اور جو ایک سے ناواقف رہتا ہے تو دوسرے سے بھی ناواقف رہتا ہے؛ حالانکہ معرِّف کا معرفت کے اعتبار سے مقدم ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ معرِف (بالکسر) کی معرفت معرَّف (بالفتح) کی معرفت کے لیے علت ہوتی ہے اور علت معلول پر مقدم ہوتی ہے۔

(ج) بوضاحت مطلب:

تعریف کا مقصد معرَّف کی شناخت اور پہچان کرانا ہے (جو کبھی تو معرَّف کی حقیقت و ماہیت بیان کر کے ہوتا ہے اور کبھی اس کے ماسوا سے ممتاز کر کے ہوتا ہے)؛ لہٰذا تعریف کو ایسی چیزوں سے بچانا بہت ضروری ہوتا ہے جو تعریف کے اس مقصد میں خلل انداز ہوں (انھیں چیزوں کو وجوہِ اختلال سے تعبیر کیا جارہا ہے)، پھر یہ وجوہِ اختلال کبھی تو لفظی ہوتی ہیں اور کبھی معنوی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مذکورہ فی السوال عبارت میں شارح نے وجوہِ اختلال معنوی کو بیان کیا ہے، جن کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) پہلی وجہِ اختلال معنوی: یہ ہے کہ شے کی تعریف اس کے امر مساوی سے کی جائے، یعنی ایسی چیز کو معرِّف بنایا جائے جو معرفت و جہالت میں معرَّف کے مساوی ہو، بایں طور کہ اگر ان دونوں (معرِّف ومعرَّف) میں سے کسی کو ایک چیز معلوم ہو تو دوسری بھی معلوم ہو اور ایک چیز مجہول ہو تو دوسری چیز بھی مجہول ہو، تو اس طرح ہونا یہ اختلالِ معنوی ہے، جس سے بچنا لازم ہے، ورنہ تو تعریف مفید نہ ہوگی اور مقصد حال نہ ہوگا، جیسے: ''اَلْحَرَكَةُ مَالَيْسَ بِسُكُوْنٍ'' اور ''اَلزَّوْجُ مَالَيْسَ بِفَرْدٍ'' دونوں مثالوں میں دونوں چیزیں (حرکت اور سکون، زوج اور فرد) مساوی فی المعرفت والجہالت ہیں، یعنی جو حرکت کو جانتا ہوگا وہ سکون کو بھی جانے گا اور جو حرکت سے اَنجان ہوگا وہ سکون سے بھی اَنجان ہوگا، اسی طرح زوج وفرد کا حال ہے؛ لہٰذا ایک کو معرَّف اور دوسرے کو معرِّف بنانا درست نہیں ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے۔

لِأَنَّ مَعْرِفَةَ الْمُعَرِّفِ عِلَّةٌ لِمَعْرِفَةِ الْمُعَرَّفِ: یہ جملہ گزشتہ جملہ ''وَالْمُعَرِّفُ يَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ أَقْدَمُ'' کی علت اور دلیل ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر معرِّف میں مساواۃ فی المعرفۃ والجہالۃ ہوگی تو تعریف درست نہیں؛ کیونکہ معرِّف کے لیے ضروری ہے کہ اس کی معرفت معرَّف کی معرفت سے پہلے ہو، یعنی معرِّف معرَّف سے پہلے ہی مخاطب کو معلوم ہونا ضروری ہے اور مساوات کی صورت میں معرِّف پہلے معلوم نہیں ہوتا؛ بلکہ معرَّف کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے، اب رہی بات یہ کہ معرف کی معرفت معرَّف سے پہلے کیوں ضروری ہے، تو مذکورہ جملہ اس کی دلیل ہے کہ معرِّف کی معرفت پہلے اس لیے ضروری ہے کہ معرِّف کی معرفت علت ہوتی ہے اور معرَّف کی معرفت معلول، اور قاعدہ ہے کہ علت اپنے معلوم پر مقدم ہوتی ہے، اس وجہ سے معرِّف

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کی معرفت کا معرَّف کی معرفت سے مقدم ہونا ضروری ہے۔

(۲) دوسری وجہِ اختلال معنوی: یہ ہے کہ شے کی تعریف ایسی چیز سے کی جائے کہ اس چیز کا سمجھنا جس سے تعریف کی جارہی ہے خود اس شے کے سمجھنے پر موقوف ہے جس کی تعریف کی جارہی ہے، یعنی معرِّف کی معرفت خود معرَّف کی معرفت پر موقوف ہو، تو اس سے بچنا ضروری ہے؛ کیوں کہ اس طرح تعریف کرنے سے دَور لازم آتا ہے جو کہ ناجائز ہے اور تعریف مفید نہیں رہتی۔

دَورِ مصرَّح: تَوَقُّفُ الشَّيْءِ عَلٰی مَايَتَوَقَّفُ عَلٰی ذٰلِكَ الشَّيْءِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ بِمَرْتَبَةٍ وَاحِدَةٍ كَمَايَتَوَقَّفُ "ا" عَلٰی "ب" وَبِالْعَكْسِ.

یعنی ایک چیز اس دوسری چیز پر موقوف ہو کہ وہ دوسری چیز پہلی چیز پر ایک جہت سے ایک واسطہ سے موقوف ہو، جیسے: "ا"، "ب" پر موقوف ہو اور "ب"، "ا" پر موقوف ہو، تو گویا کہ "ا"، "ا" پر موقوف ہو گیا "ب" کے واسطہ سے، تو یہ دَورِ مصرح ہے۔

دَورِ مُضمَر: تَوَقُّفُ الشَّيْءِ عَلٰی مَايَتَوَقَّفُ عَلٰی ذٰلِكَ الشَّيْءِ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ بِمَرَاتِبَ كَمَايَتَوَقَّفُ "ا" عَلٰی "ب" و "ب" عَلٰی "ج" و "ج" عَلٰی "ا".

یعنی ایک چیز ایسی دوسری چیز پر موقوف ہو کہ وہ دوسری چیز پہلی چیز پر ایک جہت سے چند واسطوں سے موقوف ہو، جیسے: "ا"، "ب" پر موقوف اور "ب"، "ج" پر موقوف اور "ج"، "ا" پر موقوف تو گویا کہ "ا"، "ا" پر موقوف ہو گیا "ب" اور "ج" کے واسطہ سے، تو یہ دَورِ مضمر ہے۔

اگر معرِّف معرَّف پر ایک واسطہ سے موقوف ہو تو یہ دَورِ مصرح کہلائے گا، جیسے: کیفیت کی تعریف یوں کی جائے: "اَلْكَيْفِيَّةُ مَابِهَا يَقَعُ الْمُشَابَهَةُ" (کیفیت وہ ہے جس کی وجہ سے مشابہت واقع ہو) اور مشابہت کی تعریف یوں کی جائے "اَلْمُشَابَهَةُ اِتِّفَاقٌ فِي الْكَيْفِيَّةِ" (مشابہت کیفیت میں متفق ہونے کا نام ہے) تو یہاں پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دَورِ مصرح لازم آرہا ہے کہ کیفیت تو مشابہت پر موقوف ہورہی ہے اور مشابہت کیفیت پر، تو اس طرح کیفیت اپنی ذات (کیفیت) پر ایک واسطہ (مشابہت کے واسطہ) سے موقوف ہورہی ہے، اسی کا نام دَورِ مصرح ہے۔

اور اگر معرَّف معرِّف پر ایک سے زائد واسطوں سے موقوف ہوگا تو یہ دَورِ مضمر کہلائے گا، جیسے: ''اثنان'' کی تعریف کرنا ''زوجِ اوّل'' سے اور زوجِ اوّل'' کی تعریف کرنا ''اَلْمُنْقَسِمُ بِمُتَسَاوِيَيْنِ'' سے، پھر المتساویان کی تعریف کرنا ''اَلشَّيْئَانِ الَّذَانِ لَايَفْضُلُ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ'' سے، پھر الشیئان کی تعریف کرنا ''اثنان'' سے، یعنی یوں کہنا کہ اثنان زوجِ اوّل کو کہتے ہیں اور زوج اوّل وہ ہے جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہوجائے اور دو برابر حصے، ایسی دو چیزیں کہلاتی ہیں جن میں سے کوئی ایک دوسری سے افضل وراجح نہ ہو اور یہ دو چیزیں اثنان ہیں، تو یہاں پر چند واسطوں سے اثنان خود اثنان پر موقوف ہورہا ہے، اسی کو دَورِ مضمر کہتے ہیں۔

(د) اغلاطِ لفظیہ سے مراد مع مثال:

تعریف کا جس طرح وجوہِ اختلال معنوی سے پاک وصاف ہونا ضروری ہے اسی طرح وجوہِ اختلال لفظی سے بھی پاک ہونا ضروری ہے، شارح کے بقول اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) پہلی وجہ اختلال لفظی: تعریف ایسے الفاظ سے کی جائے جو سامع کے نزدیک غریب اور وحشی ہوں، یعنی سامع کے نزدیک غیر مانوس ہوں اور طبیعت میں ان الفاظ کی طرف سے کسی درجہ میں تنفر ہو، تو اس سے تعریف کا پاک ہونا ضروری ہے، آگ کی تعریف یوں کرنا ''اَلنَّارُ اُسْطُقُسٌّ فَوْقَ الْاُسْطُقُسَّاتِ'' (آگ تمام عناصر سے اوپر ایک عنصر ہے)، یہاں پر اُسْطُقُسٌّ غریب اور وحشی لفظ ہے؛ لٰہذا اس کا استعمال درست نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) دوسری وجہِ اختلال لفظی: تعریف میں مجازی الفاظ کا لانا، اس سے بھی بچنا ضروری ہے؛ کیوں کہ عام طور پر ذہن حقیقی معنیٰ کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہاں پر مجازی معنیٰ مراد ہوں گے تو سامع کو تعریف کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

(۳) تیسری وجہِ اختلال لفظی: تعریف میں مشترک الفاظ کا استعمال کرنا یہ بھی وجہِ اختلال لفظی ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے؛ کیوں کہ یہاں پر بھی لفظ کے کئی معانی ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ مخاطب دوسرے معنیٰ مراد لے لے، جب کہ متکلم نے کوئی اور معنیٰ مراد لیے ہوں، تو تعریف کا مقصد فوت ہوجائے گا؛ اس لیے مشترک لفظ سے تعریف درست نہ ہوگی۔

ہاں! البتہ اگر ان تینوں صورتوں میں سامع کو الفاظ کے معنیٰ معلوم ہوں، وحشی نہ ہوں، الفاظِ مجازیہ کے مجازی معنیٰ کا علم ہو اور مشترک لفظ کے کسی ایک معنیٰ کی مراد پر کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بحث تصدیقات

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۵۸)، قطبی: ص ۶۶

(داخلہ امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: اَلْـقَـضِيَّةُ قَوْلٌ يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لِقَائِلِهِ إِنَّهُ صَـادِقٌ فِيْـهِ أَوْكَـاذِبٌ، وَهِـيَ حَـمْـلِيَّةٌ إِنْ انحَلَّتْ بِطَرْفَيْهَا إِلٰى مُـفْـرَدَيْـنِ، كَقَوْلِكَ: زَيْدٌ عَالِمٌ وَزَيْدٌ لَيْسَ بِعَالِمٍ، وَشَرْطِيَّةٌ إِنْ لَمْ تَنْحَلَّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) قضیہ کی تعریف میں قیودات کی وضاحت کریں اور حملیہ وشرطیہ کی تعریف تحریر کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

قضیہ ایسا قول ہے جس کے کہنے والے کو یہ کہنا صحیح ہو کہ یہ قائل سچا یا جھوٹا ہے اور وہ قضیہ حملیہ ہوتا ہے اگر اپنے دونوں طرف کے ساتھ دو مفرد کی طرف کھل جائے، جیسے: تیرا قول: "زَيْـدٌ عَالِمٌ" اور "زَيْـدٌ لَيْـسَ بِعَالِمٍ" اور شرطیہ ہوتا ہے اگر دو مفرد کی طرف نہ کھلے۔

(ج) قضیہ کی تعریف میں قیودات کی وضاحت اور حملیہ وشرطیہ کی تعریف:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے اوّلاً قضیہ کی تعریف کی ہے، پھر اس کی تقسیم کی ہے، قضیہ کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ قضیہ ایسے قول کا نام ہے جس کے کہنے والے کو سچا، جھوٹا کہا جا سکے، یعنی جس قول میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہو اس کو قضیہ کہتے ہیں۔

قول: قول کے لغوی معنیٰ تو مطلقاً بات کے آتے ہیں؛ خواہ چھوٹی ہو یا بڑی؛

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لیکن مناطقہ کی اصطلاح میں بڑی بات یعنی مرکب لفظ یا مرکب مفہوم عقلی کو کہتے ہیں، دراصل قضیہ دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) قضیہ ملفوظہ: جو زبان سے ادا ہوتا ہے۔

(۲) قضیہ معقولہ: جو کہ زبان سے ادائیگی سے پہلے آدمی کے ذہن و دماغ میں ہوتا ہے، تو قول مرکب کلام کا نام ہے، خواہ وہ لفظی ہو جیسا کہ قضیہ ملفوظہ میں ہوتا ہے، یا عقلی ہو، جیسا کہ قضیہ معقولہ میں ہوتا ہے۔

قیودات: قضیہ کی تعریف میں لفظ قول جنس کے درجہ میں ہے اور "یَصِحُّ أَنْ یُقَالَ، إلخ" فصل کے درجہ میں ہے؛ چناں چہ جب قضیہ کی تعریف میں "قول" کہا گیا تو قضیہ کی تعریف تمام اقوال کو شامل ہوگئی، اقوالِ تامہ ہوں، جیسے: "زَیْدٌ قَائِمٌ"، یا ناقصہ ہوں، جیسے: "غُلَامُ زَیْدٍ"، پھر اقوالِ تامہ خبریہ ہوں جیسے: "ضَرَبَ زَیْدٌ" وغیرہ، یا انشائیہ ہوں، جیسے: "اِضْرِبْ، هَلْ ضَرَبَ زَیْدٌ" وغیرہ؛ لیکن جب "یَصِحُّ أَنْ یُقَالَ" کہا گیا تو اقوالِ ناقصہ نیز اقوالِ انشائیہ سب نکل گئے اور صرف اقوالِ خبریہ باقی رہ گئے۔

پھر قضیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) حملیہ (۲) شرطیہ

قضیہ حملیہ: وہ ہے جو دو مفرد کی طرف کھلے، یعنی انحلال کے بعد دو مفرد باقی رہیں، جیسے: زَیْدٌ هُوَ قَائِمٌ، زَیْدٌ لَیْسَ هُوَ بِقَائِمٍ.

قضیہ شرطیہ: وہ ہے جو دو مفرد کی طرف منحل نہ ہو، یعنی انحلال کے بعد دو مفرد نہ بچے، جیسے: إِنْ کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ.

انحلال کا مطلب: یہ ہے کہ قضیہ کے اندر اس کے دونوں جزء موضوع و محمول، یا مقدم و تالی کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کے لیے جو اَدوات لائے جاتے ہیں ان کو قضیہ سے حذف کر دیا جائے، جیسے: "زَیْدٌ هُوَ قَائِمٌ" میں "هُوَ" کو اور "إِنْ کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ" میں "إِنْ" حرفِ شرط اور "فَا" جزائیہ کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حذف کردیں، تو پہلی مثال میں "زَیْد" اور "قَائِم" دومفرد بچیں گے اور دوسری مثال میں "اَلشَّمْسُ طَالِعَةٌ وَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ" دوغیر مفرد (مرکب) بچیں گے؛ لہٰذا پہلا قضیہ حملیہ ہے اور دوسرا شرطیہ۔

محل امتحان نمبر (۵۹)، قطبی: ص/۶۹

(سالانہ امتحان ۱۴۰۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: إِمَّا مُنْفَصِلَةٌ، وَهِيَ الَّتِيْ يُحْكَمُ فِيْهَا بِالتَّنَافِيْ بَيْنَ الْقَضِيَّتَيْنِ فِي الصِّدْقِ وَالْكِذْبِ مَعًا، أَوْ فِيْ أَحَدِهِمَا فَقَطْ، أَوْ بِنَفْيِهِ.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) قضیہ شرطیہ منفصلہ کی تینوں قسموں کی مع امثلہ وضاحت لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

(وہ قضیہ شرطیہ) یا تو منفصلہ ہوتا ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں دو قضیوں (مقدم وتالی) کے درمیان منافات کا حکم لگایا جائے، صدق اور کذب دونوں میں ایک ساتھ یا دونوں میں سے صرف ایک میں یا عدمِ منافات کا (حکم لگایا جائے)۔

(ج) قضیہ شرطیہ منفصلہ کی تینوں قسموں کی مع امثلہ وضاحت:

قضیہ منفصلہ کی تین قسمیں ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو

قضیہ حقیقیہ: وہ منفصلہ ہے جس میں دو قضیوں کے درمیان منافات یا سلبِ منافات کا حکم صدق اور کذب دونوں میں ایک ساتھ لگایا جائے، یعنی اس بات کا حکم لگایا جائے کہ دونوں قضیے نہ تو ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ایک ساتھ جدا ہو سکتے ہیں، جیسے: إِمَّا أَنْ يَكُونَ هٰذَا الْعَدَدُ زَوْجًا أَوْ فَرْدًا (یہ عدد یا تو زوج ہے یا فرد ہے) یہاں پر "هٰذَا الْعَدَدُ زَوْجٌ" اور "هٰذَا الْعَدَدُ فَرْدٌ" یہ دونوں قضیے ایک ساتھ جمع بھی نہیں ہو سکتے؛ ورنہ تو اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا اور نہ ایک ساتھ دونوں قضیے جدا ہو سکتے ہیں؛ ورنہ تو ارتفاعِ نقیضین لازم آئے گا؛ بلکہ دونوں میں سے صرف ایک ہوگا۔

مانعۃ الجمع: وہ قضیہ منفصلہ ہے جس میں دو قضیوں کے درمیان منافات یا سلب منافات کا حکم صرف صدق میں لگایا جائے، یعنی اس بات کا حکم لگایا جائے کہ دونوں قضیے ایک ساتھ صرف جمع نہیں ہو سکتے؛ بلکہ ایک ہوگا اور ایک نہیں؛ البتہ دونوں جدا ہو سکتے ہیں، جیسے: إِمَّا أَنْ يَكُونَ هٰذَا الشَّيْءُ شَجَرًا أَوْ حَجَرًا (یہ شئ یا تو درخت ہے یا پتھر ہے)، یہاں پر "هٰذَا الشَّيْءُ شَجَرٌ، هٰذَا الشَّيْءُ حَجَرٌ" دونوں قضیے ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے؛ ورنہ تو ایک چیز کا درخت و پتھر ہونا لازم آئے گا، جو کہ محال ہے؛ بلکہ ان میں سے ایک ہوگا ایک نہیں؛ البتہ دونوں جدا ہو سکتے ہیں کہ کوئی شئ نہ تو درخت ہو اور نہ پتھر؛ بلکہ کچھ اور ہو، جیسے: انسان۔

مانعۃ الخلو: وہ قضیہ منفصلہ ہے جس میں دو قضیوں کے درمیان منافات یا سلبِ منافات کا حکم صرف کذب میں لگایا جائے، یعنی اس بات کا حکم لگایا جائے کہ یہ دونوں قضیے ایک ساتھ جدا نہیں ہو سکتے؛ بلکہ ایک نہ ایک ضرور ہوگا؛ البتہ جمع ہو سکتے ہیں، جیسے: إِمَّا أَنْ يَكُونَ هٰذَا الشَّيْءُ لَاشَجَرًا أَوْلَا حَجَرًا (یہ چیز یا تو لا شجر ہے یا لا حجر ہے) یہاں پر "هٰذَا الشَّيْءُ لَاشَجَرٌ، هٰذَا الشَّيْءُ لَاحَجَرٌ" دونوں قضیے ایک ساتھ جدا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نہیں ہوسکتے؛ ورنہ تو ایک شی کا شجر و حجر ایک ساتھ ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے؛ بلکہ ان میں سے صرف ایک ہوگا؛ البتہ جمع ہوسکتے ہیں کہ کوئی چیز نہ درخت ہو اور نہ پتھر؛ بلکہ کچھ اور ہو، جیسے: انسان۔

محل امتحان نمبر (۶۰)، قطبی: ص/۷۰

(سالانہ امتحان ۱۴۲۴ھ، ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: لَايُقَالُ: السَّوَالِبُ الْحَمْلِيَّةُ وَالْمُتَّصِلَةُ وَالْمُنْفَصِلَةُ عَلٰى مَاذَكَرْتُمْ مَايُرْفَعُ فِيْهَا الْحَمْلُ وَالْإِتِّصَالُ وَالْإِنْفِصَالُ، فَلَاتَكُوْنُ حَمْلِيَّةً وَلَامُتَّصِلَةً وَلَامُنْفَصِلَةً، لِأَنَّهَا مَاثَبَتَ فِيْهَا الْحَمْلُ وَالْإِتِّصَالُ وَالْإِنْفِصَالُ، لِأَنَّا نَقُوْلُ: لَيْسَ إِجْرَاءُ هٰذِهِ الْأَسَامِيْ عَلَى السَّوَالِبِ بِحَسْبِ مَفْهُوْمِ اللُّغَةِ؛ بَلْ بِحَسْبِ الْإِصْطِلَاحِ، وَمَفْهُوْمَاتُهَا الْإِصْطِلَاحِيَّةُ كَمَا تَصْدُقُ عَلَى الْمُوْجِبَاتِ تَصْدُقُ عَلَى السَّوَالِبِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) قضیہ حملیہ موجبہ و سالبہ، متصلہ موجبہ و سالبہ اور منفصلہ موجبہ و سالبہ کی تعریف کیجیے اور مثالیں پیش کیجیے۔

(د) پھر عبارت میں ذکر کردہ اشکال و جواب کو لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ قضیہ حملیہ، متصلہ، منفصلہ سالبہ جیسا کہ تم نے بیان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کیا ہے وہ نہیں جس میں حمل، اتصال اور انفصال ختم کر دیا گیا ہو؛ لہٰذا وہ حملیہ، متصلہ، منفصلہ نہیں ہوں گے؛ اس لیے کہ ان میں حمل، اتصال، انفصال نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہم جواب دیں گے کہ قضایا سالبہ پر ان ناموں کا اطلاق لغوی مفہوم کے اعتبار سے نہیں ہے؛ بلکہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے ہے اور ان کے اصطلاحی مفہوم جس طرح قضایا موجبہ پر صادق آتے ہیں تو اسی طرح قضایا سالبہ پر بھی صادق آتے ہیں۔

(ج) قضیہ حملیہ موجبہ و سالبہ، متصلہ موجبہ و سالبہ اور منفصلہ موجبہ و سالبہ کی تعریف مع مثال:

قضیہ حملیہ: وہ قضیہ ہے جو دو مفرد کی طرف کھل جائے، یعنی انحلال کے بعد جس کے دونوں جزء (محکوم علیہ و محکوم بہ یا موضوع و محمول) مفرد ہوں، جیسے: اَلْإِنْسَانُ حَیْوَانٌ.

حملیہ موجبہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس میں محکوم علیہ (موضوع) کے لیے محکوم بہ (محمول) کو ثابت کیا جائے، جیسے: مذکورہ مثال۔

حملیہ سالبہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس میں محکوم علیہ (موضوع) سے محکوم بہ (محمول) کا سلب کیا جائے، جیسے: اَلْإِنْسَانُ لَیْسَ بِحَجَرٍ.

متصلہ موجبہ: وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں ایک قضیہ (مقدم) کے مان لینے پر دوسرے قضیہ (تالی) کے صادق آنے کا حکم لگایا جائے، جیسے: إِنْ کَانَ هٰذَا إِنْسَانًا فَهُوَ حَیْوَانٌ (اگر یہ انسان ہے تو حیوان بھی ضرور ہوگا)۔

متصلہ سالبہ: وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں ایک قضیہ (مقدم) کے مان لینے پر دوسرے قضیہ (تالی) کے صادق نہ آنے کا حکم لگایا جائے، جیسے: لَیْسَ أَلْبَتَّةَ إِنْ کَانَ هٰذَا إِنْسَانًا فَهُوَ جِمَادٌ (ایسا بالکل نہیں کہ اگر یہ انسان ہے تو وہ پتھر بھی ہو)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

منفصلہ موجبہ: وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دو قضیوں (مقدم و تالی) کے درمیان صدق و کذب دونوں میں یا صرف ایک میں منافات کا حکم لگایا جائے، جیسے: إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا الْعَدَدُ زَوْجًا أَوْ فَرْدًا (یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے)۔

منفصلہ سالبہ: وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دو قضیوں (مقدم و تالی) کے درمیان صدق و کذب دونوں میں یا کسی ایک میں منافات نہ ہونے کا حکم لگایا جائے، جیسے: لَيْسَ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا الْإِنْسَانُ أَسْوَدَ أَوْ كَاتِبًا (ایسا نہیں ہے کہ یہ انسان یا تو کالا ہوگا یا کاتب) یعنی انسان کے کالا اور کاتب ہونے میں منافات نہیں ہے۔ اور جیسے: لَيْسَ إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا الْعَدَدُ زَوْجًا أَوْ مُنْقَسِمًا بِمُتَسَاوِيَيْنِ (ایسا نہیں کہ یہ عدد یا تو زوج ہے یا دو برابر حصوں پر تقسیم ہونے والا ہے)۔

(د) عبارت میں ذکر کردہ اشکال و جواب:

اعتراض یہ ہے کہ حملیہ کے معنیٰ ہیں: حمل والا، متصلہ کے معنیٰ ہیں: اتصال والا اور منفصلہ کے معنیٰ ہیں: انفصال والا، لہٰذا یہ تینوں نام موجبات کو دینے تو صحیح ہیں، یعنی حملیہ موجبہ کو حملیہ کہنا، متصلہ موجبہ کو متصلہ کہنا اور منفصلہ موجبہ کو منفصلہ کہنا تو درست ہے؛ کیوں کہ ان میں حمل، اتصال اور انفصال ہوتا ہے؛ لیکن سوالب کو یہ نام دینا درست نہیں؛ کیوں کہ حملیہ سالبہ میں حمل نہیں ہوتا، متصلہ سالبہ میں اتصال نہیں ہوتا اور منفصلہ سالبہ میں انفصال نہیں ہوتا؛ کیوں کہ سوالب میں ان سب کی نفی اور سلب ہوت ہے۔

جواب: جواب جو دیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اعتراض تب تو درست ہوتا جب کہ یہ نام لغوی مفہوم کو دیکھ کر رکھے گئے ہوتے؛ لیکن ایسا نہیں؛ بلکہ یہ نام تو اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے رکھے گئے، یعنی ان قضایا کا لغوی مفہوم تو وہی ہے جو معترض نے بیان کیا؛ لیکن اصطلاحی مفہوم وہ ہے جو ہم نے ماقبل میں ذکر کیا ہے، مثلاً حملیہ کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جس کے دونوں جزء (موضوع و محمول) مفرد ہوں وہ حملیہ ہے، تو یہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تعریف اور مفہوم اصطلاحی جس طرح موجبہ حملیہ پر صادق آرہی ہے، اسی طرح سالبہ حملیہ پر بھی صادق آئے گی، مثلاً: زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ؛ کیوں کہ یہاں پر بھی دونوں جزء مفرد ہیں؛ لہٰذا سوالب قضایا کو یہ نام دینا درست ہے۔

محل امتحان نمبر (۶۱)، قطبی: ص/۷۰

(سالانہ امتحان ۱۴۲۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: لَا یُقَالُ: الْمُقَدَّمَۃُ کَانَتْ مَقْصُوْدَۃً لِذِکْرِ الْأَقْسَامِ الْأَوَّلِیَّۃِ، وَالْمُتَّصِلَۃُ وَالْمُنْفَصِلَۃُ لَیْسَتْ مِنَ الْأَقْسَامِ الْأَوَّلِیَّۃِ؛ بَلْ مِنْ أَقْسَامِ قِسْمِهَا أَعْنِي الشَّرْطِیَّۃَ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) اقسامِ اوّلیہ اور اقسامِ ثانویہ کا مطلب لکھیے۔

(د) اعتراض وجواب لکھیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مقدمہ تو (قضیہ کی) اقسامِ اوّلیہ کے بیان کے لیے مقصود ہوتا ہے اور قضیہ متصلہ ومنفصلہ اقسامِ اوّلیہ میں سے نہیں ہیں؛ بلکہ قضیہ کی قسم یعنی قضیہ شرطیہ کی اقسام میں سے ہیں۔

(ج) اقسامِ اوّلیہ اور اقسامِ ثانویہ کا مطلب:

اقسامِ اوّلیہ: وہ اقسام کہلاتی ہیں جو بلا واسطہ اقسام ہوں، یعنی مقسَم اور اس کی قسموں میں کوئی واسطہ نہ ہو، جیسے: حملیہ وشرطیہ، یہ دونوں قضیہ کی اقسام اوّلیہ ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اقسامِ ثانویہ: وہ اقسام کہلاتی ہیں جو بالواسطہ اقسام ہوں، یعنی مُقسَم اور اس کی قسموں کے بیچ کسی اور قسم کا واسطہ ہو، جیسے: متصلہ ومنفصلہ، یہ دونوں شرطیہ کی اقسام ہیں اور شرطیہ قضیہ کی قسم ہے، تو اس کے واسطہ سے یہ دونوں قضیہ ہی کی اقسام ہیں، تو یہ دونوں قضیہ کی اقسام ثانویہ ہیں۔

(د) اعتراض وجواب:

اعتراض: یہ ہے کہ ماتن رحمہ اللہ نے تو مقدمہ میں قضیہ شرطیہ کی اقسامِ متصلہ و منفصلہ کو بھی بیان کیا ہے، نیز منفصلہ کی اقسام: حقیقیہ، مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو کو بھی ذکر کیا ہے، تو ایسا کیوں کیا؟ جب کہ مقدمہ کی وضع اقسامِ اوّلیہ کے لیے ہے۔

جواب: شارح رحمہ اللہ نے آگے عبارت میں (جو سوال میں مذکور نہیں ہے) اس کا جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک مقدمہ کی وضع اصل تو اقسامِ اوّلیہ کے بیان ہی کے لیے ہے؛ لیکن اقسامِ ثانویہ کا ذکر تبعاً اور مجازاً کیا گیا ہے، یعنی اقسامِ اوّلیہ کی تشریح وتوضیح کو تام کرنے کے لیے کچھ ایسی اقسام مزید ذکر کردی گئیں جن کا تعلق اقسامِ ثانویہ سے ہے، تو اقسامِ ثانویہ کا ذکر حقیقۃً اور اصالۃً نہیں ہے؛ بل کہ تبعاً اور استطراداً ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر (۶۲)، قطبی: ص ۷۱

(سالانہ امتحان ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالْحَمْلِيَّةُ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِأَجْزَاءٍ ثَلَاثَةٍ: مَحْكُوْمٌ عَلَيْهِ وَيُسَمّٰى مَوْضُوْعًا، وَمَحْكُوْمٌ بِهِ وَيُسَمّٰى مَحْمُوْلًا، وَنِسْبَةٍ بَيْنَهُمَا، بِهَا يَرْتَبِطُ الْمَحْمُوْلُ بِالْمَوْضُوْعِ، وَاللَّفْظُ الدَّالُّ عَلَيْهَا يُسَمّٰى رَابِطَةً، كَهُوَ فِي قَوْلِنَا: زَيْدٌ هُوَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عَالِمٌ، وَ تُسَمّٰى الْقَضِيَّةُ حِ ثُلَاثِيَّةً، وَقَدْ يُحْذَفُ الرَّابِطَةُ فِيْ بَعْضِ اللُّغَاتِ لِشُعُوْرِ الذِّهْنِ بِمَعْنَاهَا.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) قضیہ حملیہ کی تعریف، نیز اس کے اجزائے ثلاثہ کے اسما تحریر کریں اور پوری عبارت کا مطلب لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور قضیہ حملیہ تین اجزا سے (مرکب ہوکر) پایا جاتا ہے (وہ تین اجزا یہ ہیں) ایک محکوم علیہ ہے اور اس کا نام موضوع رکھا ہے اور ایک محکوم بہ ہے اور اس کا نام محمول رکھا جاتا ہے اور ایک دونوں کے بیچ نسبت ہے، جس کے ذریعہ محمول موضوع سے مربوط ہوتا ہے اور جو لفظ نسبت پر دلالت کرتا ہے اس کا نام رابطہ رکھا جاتا ہے، جیسے: لفظ "ھو" ہمارے قول "زَيْدٌ هُوَ عَالِمٌ" میں اور اس وقت قضیہ کا نام ثلاثیہ رکھا جاتا ہے اور کبھی کبھی یہ رابطہ بعض زبانوں میں حذف کر دیا جاتا ہے ذہن کے ادراک کر لینے کی وجہ سے اس رابطہ کے معنی کا۔

(ج) قضیہ حملیہ کی تعریف، اس کے اجزائے ثلاثہ کے اسما اور پوری عبارت کا مطلب:

قضیہ حملیہ: وہ قضیہ ہے جو دو مفرد کی طرف کھلے یعنی انحلال کے بعد جس کے دونوں جزء مفرد ہوں، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ، كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ.

قضیہ حملیہ کے تین جزء ہوتے ہیں، جن سے قضیہ حملیہ مرکب ہوتا ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) محکوم علیہ (۲) محکوم بہ (۳) نسبتِ حکمیہ

محکوم علیہ کو موضوع کہتے ہیں، محکوم بہ کو محمول اور نسبتِ حکمیہ ایک معنوی چیز ہے جو محکوم علیہ اور محکوم بہ کو ایک ساتھ جوڑنے کا کام کرتی ہے، اس پر جو لفظ دلالت کرتا ہے اس کو رابطہ کہتے ہیں اور لفظ کو رابطہ کہنا تسمیۃ الدال باسم المدلول کے قبیل سے ہے، یعنی رابطہ اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے دراصل نسبتِ حکمیہ کا نام ہے؛ کیوں کہ وہی حقیقت میں محکوم علیہ و محکوم بہ کے بیچ رابطہ پیدا کرتی ہے؛ مگر یہ نام اس پر دلالت کرنے والے لفظ کو دے دیا گیا، جیسے: زَیْدٌ ھُوَ عَالِمٌ. اس قضیہ میں زید محکوم علیہ ہے جس کو موضوع کہتے ہیں اور عالم محکوم بہ ہے جس کو محمول کہتے ہیں اور ان دونوں کے بیچ ایک نسبت رابطی ہے، جس کو "ھُوَ" تعبیر کررہا ہے تو اس "ھُوَ" کو رابطہ کہتے ہیں۔

پھر اس رابطہ کے مذکور و محذوف ہونے کے اعتبار سے قضیہ حملیہ کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں: (۱) ثلاثیہ (۲) ثنائیہ

قضیہ ثلاثیہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس میں رابطہ مذکور ہو، جیسے: "زَیْدٌ ھُوَ عَالِمٌ.

قضیہ ثنائیہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس میں رابطہ محذوف ہو، جیسے: زَیْدٌ عَالِمٌ.

حذفِ رابطہ: رابطہ کے حذف و ذکر کے سلسلہ میں اوّلاً تو یہ بات یاد رہے کہ رابطہ لفظاً تو حذف ہوتا ہے؛ مگر معنیً موجود ہوتا ہے، یعنی مراد میں باقی رہتا ہے، جس پر محکوم علیہ و محکوم بہ کے اعراب قرینہ بنتے ہیں، جیسے: "زَیْدٌ عَالِمٌ" میں "ھُوَ" محذوف ہے، جس پر زید عالم کا اعراب دال ہے۔

نوٹ: "وقد يحذف الرابطة في بعض اللغات" کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان میں رابطہ کو حذف بھی کردیا جاتا ہے، جیسے: زَیْدٌ قَائِمٌ.

"لِشُعُوْرِ الذِّھْنِ بِمَعْنَاھَا" کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حذف تب ہوتا ہے جب کہ ذہن اس کا بغیر ذکر کے تصور کرلے، جیسے: اعراب کے قرینہ سے ذہن اس کو سمجھ لے تو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حذف کیا جاسکتا ہے، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ، هٰذَا هُوَ الْمَطْلُوْبُ وَبَاقِي التَّفْصِيْلِ لِلْإِفَادَةِ عِنْدَ الْحَاجَةِ.

دوسری بات یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ رابطہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) رابطہ زمانیہ (۲) رابطہ غیر زمانیہ

رابطہ زمانیہ: وہ رابطہ ہے جو زمانہ سے مقترن ہو، یعنی فعل کی صورت میں ہو، جیسے: ''کَانَ'' وغیرہ۔

رابطہ غیر زمانیہ: وہ رابطہ ہے جو زمانہ سے مقترن نہ ہو، یعنی اسم کی صورت میں ہو، جیسے: ''هُوَ'' وغیرہ۔

اب یہ بھی پیش نظر رہے کہ عربی زبان میں دونوں طرح کے رابطے کبھی مذکور ہوتے ہیں، جیسے: زَيْدٌ كَانَ قَائِمًا، زَيْدٌ هُوَ عَالِمٌ، اور کبھی محذوف، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ.

اور عجمی (اُردو و فارسی وغیرہ) زبان میں دونوں طرح کے رابطے مذکور ہی ہوتے ہیں، یہاں پر حذف درست نہیں ہے، جیسے: زید کھڑا ہے، یہاں پر ''ہے'' رابطہ غیر زمانیہ مذکور ہے اور زید کھڑا تھا، یہاں پر ''تھا'' رابطہ زمانیہ مذکور ہے، زید ایستادہ ہست، یہاں پر ''ہست'' رابطہ غیر زمانیہ ہے اور زید ایستادہ بود، یہاں پر ''بود'' رابطہ زمانیہ ہے؛ البتہ فارسی زبان میں رابطہ کبھی لفظ بنتا ہے، جیسا کہ مثالیں گزریں اور کبھی حرکت، جیسے: زیدِ دبیر (بکسیر دالِ زید) یہاں پر زید کا کسرہ رابطہ ہے۔

وجہ تسمیہ:

موضوع: وَضَعَ (ف) سے اسم مفعول ہے، بمعنی بنایا ہوا، مقرر کیا ہوا، محکوم علیہ کو موضوع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کو حکم لگانے کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے کہ اس پر حکم لگتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محمول: حَمَلَ (ض) سے مشتق اسم مفعول ہے، بمعنیٰ اُٹھایا ہوا، یعنی ثابت کیا ہوا، محکوم بہ کو محمول اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کو موضوع کے لیے ثابت کیا جاتا ہے۔

رابطہ: رَبَطَ (ض) سے اسم فاعل مؤنث ہے، بمعنیٰ جوڑنے والی محکوم علیہ و محکوم بہ کے بیچ جو نسبت ہوتی ہے وہ بھی چونکہ دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے اس لیے حقیقتاً تو نسبت کو اور مجازاً نسبت پر دال لفظ کو رابطہ کہا جاتا ہے۔

قضیہ ثلاثیہ: کو ثلاثیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ثلاث کے معنیٰ ہیں ''تین تین'' اور قضیہ بھی تین معنیٰ کے لیے تین الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے، تو تین لفظ تین معنیٰ والا ہوتا ہے؛ اس لیے ثلاثیہ کہتے ہیں۔

قضیہ ثنائیہ کو ثنائیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ثناء کے معنیٰ ہیں ''دو دو'' اور یہ قضیہ بھی دو معنیٰ کے لیے دو لفظ پر مشتمل ہوتا ہے، تو دو دو والا ہو گیا، اس وجہ سے اس کو ثنائیہ کہتے ہیں۔

محل امتحان نمبر (٦٣)، قطبی: ص ٢/٧

(سالانہ امتحان ۱۴۱۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: ثُمَّ الرَّابِطَةُ أَدَاةٌ لِأَنَّهَا تَدُلُّ عَلَى النِّسْبَةِ الرَّابِطَةِ، وَهِيَ غَيْرُ مُسْتَقِلَّةٍ لِتَوَقُّفِهَا عَلَى الْمَحْكُوْمِ عَلَيْهِ وَ بِهِ، لٰكِنَّهَا قَدْ تَكُوْنُ فِي قَالِبِ الْإِسْمِ، كَهُوَ فِي الْمِثَالِ الْمَذْكُوْرِ، وَتُسَمّٰى غَيْرَ زَمَانِيَّةٍ، وَقَدْ تَكُوْنُ فِي قَالِبِ الْكَلِمَةِ، كَكَانَ فِي قَوْلِنَا: زَيْدٌ كَانَ قَائِمًا، وَ تُسَمّٰى زَمَانِيَّةً.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) درج ذیل عبارت کا مطلب لکھتے ہوئے رابطہ کی قسمیں بیان کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

پھر رابطہ اداۃ ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ نسبت رابطہ پر دلالت کرتا ہے اور وہ نسبت غیر مستقل چیز ہے اس کے محکوم علیہ ومحکوم بہ پر موقوف ہونے کی وجہ سے؛ لیکن کبھی اسم کے قالب میں ہوتا ہے، جیسے مذکورہ مثال میں "ھــو" اور اس کا نام رابطہ غیر زمانیہ رکھا جاتا ہے اور کبھی کلمہ کے قالب میں ہوتا ہے جیسے "کَانَ" ہمارے قول "زَیْدٌ کَانَ قَائِمًا" میں اور اس کا نام رابطہ زمانیہ رکھا جاتا ہے۔

(ج) عبارت کا مطلب اور رابطہ کی قسمیں ب:

مذکورہ عبارت میں شارح رحمہ اللہ قضیہ کے تیسرے جزء (رابطہ) کے سلسلہ میں یہ فرمارہے ہیں کہ یہ اداۃ (حرف) ہوتا ہے، اسم یا کلمہ نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ رابطہ کا مدلول نسبتِ حکمیہ ہوتی ہے جس کو نسبتِ رابطی بھی کہتے ہیں اور یہ غیر مستقل شئ ہے؛ لہٰذا اس پر دلالت کرنے والی چیز بھی غیر مستقل ہوگی اور وہ اداۃ ہوتا ہے نہ کہ اسم وفعل؛ بلکہ اسم وفعل (کلمہ) تو مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں۔

پھر نسبت رابطی غیر مستقل کیوں ہوتی ہے؟ مذکورہ عبارت میں اس کی وجہ شارح رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ چوں کہ نسبتِ حکمیہ کا الگ سے اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا؛ بل کہ یہ محکوم علیہ ومحکوم بہ کے بیچ ایک واسطہ ہوتی ہے، تو ان دونوں پر اس کا وجود موقوف ہوتا ہے، اگر یہ دونوں ہوں گے تو یہ ہوگی ورنہ تو نہیں، تو اس وجہ سے یہ ایک غیر مستقل چیز ہے۔

پھر اس رابطہ کی دو قسمیں مذکورہ عبارت میں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) رابطہ زمانیہ　(۲) رابطہ غیر زمانیہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یونانی زبان سے جب فلسفہ ومنطق وغیرہ کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو رابطہ زمانیہ کے لیے تو کچھ الفاظ عربی زبان میں مل گئے (جیسے افعالِ ناقصہ)؛ لیکن غیرزمانیہ کے لیے ایسے الفاظ نہ مل سکے تو مجبوراً ''اسماء'' ہی کو اس کے لیے استعمال کیا گیا، تو اس طرح جو رابطہ کلمہ یعنی فعل کی شکل میں ہوتا ہے تو وہ رابطہ زمانیہ کہلاتا ہے اور جو اسم کی شکل میں ہو وہ رابطہ غیرزمانیہ کہلاتا ہے۔

محلِ امتحان نمبر (۶۴)، قطبی: ص/۴۷

(داخلہ امتحان)

(الف) عبارت بااعراب: وَ هٰذِهِ النِّسْبَةُ إِنْ كَانَتْ نِسْبَةً بِهَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ: إِنَّ الْمَوْضُوْعَ مَحْمُوْلٌ فَالْقَضِيَّةُ مُوْجِبَةٌ، كَقَوْلِنَا: اَلْإِنْسَانُ حَيْوَانٌ، وَإِنْ كَانَتْ نِسْبَةً بِهَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ: إِنَّ الْمَوْضُوْعَ لَيْسَ بِمَحْمُوْلٍ فَالْقَضِيَّةُ سَالِبَةٌ، كَقَوْلِنَا: اَلْإِنْسَانُ لَيْسَ بِحَجَرٍ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) ''هٰذِهِ النِّسْبَةُ'' کا مصداق متعین کرکے وضاحت کے ساتھ مطلب لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور یہ نسبت اگر ایسی نسبت ہو کہ اس کے ساتھ یہ کہنا صحیح ہو کہ موضوع محمول ہے تو قضیہ موجبہ ہے، جیسے ہمارا قول ''اَلْإِنْسَانُ حَيْوَانٌ'' (انسان حیوان ہے) اور اگر ایسی نسبت ہو کہ اس کے ساتھ یہ کہنا صحیح ہو کہ موضوع محمول

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نہیں ہے، تو قضیہ سالبہ ہے، جیسے ہمارا قول: ''الإنسان لیس بحجر'' (انسان پتھر نہیں ہے)۔

(ج) ''هٰذِهِ النِّسْبَةُ'' کا مصداق اور بوضاحت مطلب:

''هٰذه النسبة'' سے مراد ''نسبتِ حکمیہ'' ہے اور مذکورہ عبارت میں اسی نسبتِ حکمیہ کے اعتبار سے قضیہ کی تقسیم کی گئی ہے؛ چنانچہ قضیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) موجبہ　　(۲) سالبہ

قضیہ موجبہ: وہ قضیہ ہے جس میں نسبتِ حکمیہ ایجابی و ایقاعی ہو، یعنی ایسی نسبت ہو کہ جس کی وجہ سے موضوع کے لیے محمول کا ثبوت درست ہو، جیسے: ''اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ'' قضیہ موجبہ ہے؛ کیوں کہ یہاں پر حیوان کی نسبت انسان کی طرف ایجابی ہے، یعنی ایسی نسبت ہے کہ اس کی وجہ سے حیوان کا ثبوت انسان کے لیے درست ہے۔

قضیہ سالبہ: وہ قضیہ ہے جس میں نسبتِ حکمیہ سلبی و انتزاعی ہو، یعنی ایسی نسبت ہو کہ جس کی وجہ سے موضوع سے محمول کا سلب اور انتزاع درست ہو، جیسے: ''اَلْإِنْسَانُ لَيْسَ بِحَجَرٍ'' (انسان پتھر نہیں ہے) یہ قضیہ سالبہ ہے؛ کیوں کہ یہاں پر حجر کی نسبت انسان کی طرف سلبی و انتزاعی ہے، یعنی ایسی نسبت ہے کہ اس کی وجہ سے حجر سلب انسان سے درست ہے۔

محل امتحان نمبر (۶۵)، قطبی: ص ۴۳/۷

(سالانہ امتحان ۱۴۰۸ھ، ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَمَوْضُوْعُ الْحَمْلِيَّةِ إِنْ كَانَ شَخْصًا مُعَيَّنًا؛ سُمِّيَتْ مَخْصُوْصَةً وَ شَخْصِيَّةً، وَإِنْ كَانَ كُلِّيًّا، فَإِنْ بُيِّنَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فِيهَا كَمِّيَّةُ أَفْرَادِ مَا صَدَقَ عَلَيْهِ الْحُكْمُ، وَيُسَمَّى اللَّفْظُ الدَّالُّ عَلَيْهَا سُوْرًا، سَمِّيَتْ مَحْصُوْرَةً وَمُسَوَّرَةً.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) قضیہ حملیہ کی تمام اقسام کو لکھیے۔ (د) وجہِ تسمیہ تحریر کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور قضیہ حملیہ کا موضوع اگر شخص معین ہو تو اس کا نام مخصوصہ اور شخصیہ رکھا جاتا ہے اور اگر کلی ہو تو اگر قضیہ میں ان افراد کی مقدار بیان کی گئی ہو جن پر حکم صادق آرہا ہے (اور اس لفظ کا نام جو مقدار پر دلالت کرتا ہے "سور" رکھا جاتا ہے) تو اس کا نام محصورہ اور مسورہ رکھا جاتا ہے۔

(ج) قضیہ حملیہ کی تمام اقسام:

قضیہ حملیہ کی باعتبار موضوع کے چار قسمیں ہیں:

(۱) شخصیہ (۲) محصورہ (۳) مہملہ (۴) طبعیہ

مذکورہ عبارت میں ان میں سے صرف دو کا ذکر ہے، چاروں کی تعریف درج ذیل میں مذکور ہے۔

قضیہ شخصیہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع شخص معین یعنی جزئی ہو، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ.

قضیہ محصورہ: وہ قضیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور قضیہ میں حکم اس کلی کے افراد پر ہو اور افراد کی مقدار بھی بیان کی گئی ہو کہ تمام افراد پر حکم لگا ہے یا بعض پر، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ.

قضیہ مہملہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم افراد پر ہو اور مقدار

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بیان نہ کی گئی ہو؛ بلکہ گول مول چھوڑ دیا گیا ہو، جیسے: اَلْاِنْسَانُ حَیَوَانٌ (بشرطے کہ الف لام استغراقی نہ ہو)۔

قضیہ طبعیہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم اس کلی کے افراد پر نہیں؛ بل کہ کلی کی طبیعت پر ہو، جیسے: اَلْاِنْسَانُ نَوْعٌ، اَلْحَیَوَانُ جِنْسٌ.

پھر قضیہ محصورہ میں افراد کی کمیت (مقدار) کو بیان کرنے کے لیے جو لفظ آتا ہے اس کو "سور" کہا جاتا ہے، جیسے: "کُلُّ اِنْسَانٍ حَیَوَانٌ" میں لفظ "کُلٌّ" سور ہے۔

(د) وجہِ تسمیہ:

مذکورہ چاروں اقسام چوں کہ موضوع کے اعتبار سے ہیں؛ اس لیے نام رکھنے میں بھی موضوع کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

شخصیہ: اس کو شخصیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا موضوع شخص ہوتا ہے، نیز مخصوصہ بھی اس کا دوسرا نام ہے؛ کیوں کہ اس کا موضوع خاص ہوتا ہے نہ کہ عام۔

محصورہ: حصر سے مشتق ہے، حصر کے معنیٰ آتے ہیں گھیرنا، شمار کرنا، احاطہ کرنا، تو چوں کہ محصورہ میں موضوع کے افراد گھرے ہوئے ہوتے ہیں؛ اس لیے اس کو محصورہ کہتے ہیں، نیز اس کو مسورہ بھی کہتے ہیں؛ کیوں کہ یہ قضیہ سور پر مشتمل ہوتا ہے۔

مہملہ: اہمال سے مشتق ہے، بمعنیٰ چھوڑ دینا، گول مول رکھنا، مہملہ میں افراد کی مقدار بیان کرنے سے چھوڑ دی جاتی ہے؛ اس لیے اس کو مہملہ کہا جاتا ہے۔

طبعیہ: میں چوں کہ حکم موضوع کی طبیعت پر ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو طبعیہ کہتے ہیں۔

اقسامِ محصورہ: پھر قضیہ محصورہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) موجبہ کلیہ (۲) موجبہ جزئیہ (۳) سالبہ کلیہ (۴) سالبہ جزئیہ

موجبہ کلیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں محمول کا ثبوت موضوع کے تمام افراد کے لیے ہو، جیسے: کُلُّ اِنْسَانٍ حَیَوَانٌ (ہر انسان جاندار ہے)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

موجبہ جزئیہ: وہ قضیہ محصور ہے جس میں محمول کا ثبوت موضوع کے بعض افراد کے لیے ہو، جیسے: بَعْضُ الْحَيَوَانِ إِنْسَانٌ (بعض جاندار انسان ہیں)۔

سالبہ کلیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں محمول کی نفی موضوع کے تمام افراد سے کی گئی ہو، جیسے: لَا شَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِحَجَرٍ (کوئی انسان پتھر نہیں ہے)۔

سالبہ جزئیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں محمول کی نفی موضوع کے بعض افراد سے کی گئی ہو، جیسے: "بَعْضُ الْحَيَوَانِ لَيْسَ بِإِنْسَانٍ (بعض جاندار انسان نہیں ہیں)۔

محل امتحان نمبر (٦٦)، قطبی: ص ۴۷/

(سالانہ ۱۴۱۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْأَسْوَارِ الثَّلَاثَةِ أَنَّ لَيْسَ كُلُّ دَالٌّ عَلَى رَفْعِ الْإِيْجَابِ الْكُلِّيِّ بِالْمُطَابَقَةِ، وَعَلَى السَّلْبِ الْجُزْئِيِّ بِالْاِلْتِزَامِ، وَلَيْسَ بَعْضُ وَبَعْضُ لَيْسَ بِالْعَكْسِ مِنْ ذٰلِكَ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) عبارت کی وضاحت کریں اور بتائیں کہ "لَيْسَ كُلّ، لَيْسَ بَعْض، بَعْضُ لَيْسَ"، کس قضیہ کی سورت ہیں؟

جواب

(ب) ترجمہ:

اور تینوں سورتوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ "لَيْسَ كُلُّ" رفع ایجاب کلی پر مطابقۃً دلالت کرتا ہے اور سلبِ جزئی پر التزاماً اور "لَيْسَ بَعْضُ وَبَعْضُ لَيْسَ" اس کے برعکس ہے (یعنی سلب جزئی پر دونوں مطابقۃً دلالت کرتے ہیں اور رفع ایجاب کلی پر مطابقۃً)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) عبارت کی وضاحت اور "لَیسَ کُلّ، لَیسَ بَعضٌ، بَعضُ لَیسَ" کس قضیہ کی سورت ہیں؟

"لَیسَ کُلُّ، لَیسَ بَعضٌ" اور "بَعضُ لَیسَ" تینوں قضیہ محصورہ سالبہ جزئیہ کے سور ہیں۔

مذکورہ عبارت میں تینوں اسوار میں فرق بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلا لفظ "لَیسَ کُلُّ" مطابقۃً تو رفع ایجاب کلی کے لیے آتا ہے؛ البتہ التزاماً سلبِ جزئی کے لیے بھی آتا ہے، جب کہ باقی دو لفظ مطابقۃً تو سلبِ جزئی کے لیے آتے ہیں؛ البتہ التزاماً رفع ایجاب کلی کے لیے بھی آتے ہیں۔

دلیل: پہلی بات کی دلیل یہ ہے کہ "رفع ایجاب کلی" کا مطلب ہے ایجاب کلی کا رفع اور سلب۔ اور "ایجاب کلی" کا مطلب ہے ثبوتِ کلی، یعنی محمول کا ثبوت و اثبات موضوع کے تمام افراد کے لیے۔ پھر یاد رہے کہ ماقبل میں موجبہ کلیہ کا سور لفظ "کُــلُّ" بیان کیا گیا ہے، یعنی لفظ کل محمول کو موضوع کے تمام افراد کے لیے ثابت کرتا ہے، جیسے: "کُلُّ إِنسَانٍ حَیوَانٌ"، اسی کا نام "ایجابِ کلی" ہے اور جب اس پر لفظ "لَیسَ" بڑھا دیا جائے گا تو "لَیـــسَ" سلب یعنی رفع کے لیے آتا ہے تو اب اس ایجاب کلی کا رفع ہو جائے گا، جیسے: "لَیسَ کُلُّ حَیوَانٍ إِنسَانًا" (ہر حیوان انسان نہیں ہے) تو اس کا صاف سادا مفہوم یہ ہوا کہ حیوان کے ہر ہر فرد کے لیے انسان کا ثبوت نہیں ہے، یہی رفع ایجاب کلی ہے، تو اس پر "لَیسَ کُلُّ" صراحۃً اور مطابقۃً دلالت کر رہا ہے۔

اور سلبِ جزئی کا مطلب ہے کہ محمول کا سلب ہو موضوع کے کچھ افراد سے، تو اب جب رفع ایجاب کلی پایا گیا یعنی محمول کا ثبوت موضوع کے ہر ہر فرد کے لیے نہیں رہا تو دو صورتیں ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) یا تو کسی بھی فرد کے لیے ثابت نہ ہوگا، یعنی موضوع کے ہر فرد سے محمول مسلوب ہوگا۔

(ب) یا بعض سے مسلوب ہوگا اور بعض کے لیے ثابت ہوگا، پہلی صورت سلبِ کلی کہلاتی ہے اور دوسری صورت سلبِ جزئی اور ان دونوں صورتوں میں سلبِ جزئی ضرور پایا جائے گا؛ کیونکہ دوسری (ب) صورت میں تو ظاہر ہے کہ ہے ہی سلبِ جزئی اور پہلی صورت (الف) میں اس لیے کہ جہاں موضوع کے تمام افراد سے محمول کا سلب ہو تو وہاں پر بعض سے ضرور ہوتا ہے اور اسی کا نام سلبِ جزئی ہے، تو پتہ چلا کہ سلبِ جزئی ''رفع ایجاب کلی'' کے لوازم میں سے ہے اور معنیٰ موضوع لہٗ کے لازم پر دلالت دلالتِ التزامی کہلاتی ہے، تو اس لیے ''لَیْسَ کُلُّ'' کی دلالت سلبِ جزئی پر التزامی ہوئی۔

دوسری بات کی دلیل: یہ ہے کہ ''لَیْسَ بَعْضُ'' اور ''بَعْضُ لَیْسَ'' میں ''لَیْسَ'' کو ہٹا کر اگر صرف ''بَعْضُ'' کو استعمال کیا جائے، مثلاً کہا جائے: ''بَعْضُ الْحَیْوَانِ إِنْسَانٌ'' تو اس کا مطلب ہوتا ہے ایجاب جزئی، یعنی انسان کا ثبوت حیوان کے بعض افراد کے لیے اور جب اس کے ساتھ (آگے یا پیچھے) لفظ ''لَیْسَ'' کو ملا کر استعمال کیا جائے، مثلاً یوں کہا جائے: ''لَیْسَ بَعْضُ الْحَیْوَانِ إِنْسَانًا'' تو اس کا صریح مفہوم سلبِ جزئی ہوگا، تو پتہ چلا کہ سلبِ جزئی پر ''لَیْسَ بَعْضُ'' اور ''بَعْضُ لَیْسَ'' کی دلالت مطابقی ہے اور جب سلبِ جزئی پایا جاتا ہے تو التزاماً ''رفع ایجاب کلی'' بھی پایا جائے گا؛ کیوں کہ سلبِ جزئی کا مطلب ہے محمول کا سلب موضوع کے بعض افراد سے اور جب بعض افراد سے محمول سلب ہو چکا تو یہ طے ہے کہ تمام افراد کے لیے ثابت نہیں ہے اور تمام افراد کے لیے ثبوت کی نفی کا نام ہی رفع ایجاب کلی ہے، تو پتہ چلا کہ رفع ایجاب کلی سلبِ جزئی کے لیے لازم ہے اور سلبِ جزئی اصل معنی موضوع لہٗ ہیں اور معنی موضوع لہٗ کے لازم پر دلالت التزامی کہلاتی ہے، تو اس طرح ان دونوں کی ''رفع

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایجاب کلی" پر دلالت التزامی ہوتی ہے۔

فرق بین الاخیرین: یعنی خود "لَیسَ بَعْضُ" اور "بَعْضُ لَیسَ" میں بھی فرق ہے اور وہ یہ کہ "لَیسَ بَعْضُ" جس طرح سلبِ جزئی کے لیے آتا ہے تو اسی طرح کبھی کبھی سلبِ کلی کے لیے بھی آجاتا ہے، برخلاف "بَعْضُ لَیسَ" کے کہ یہ نہیں آتا۔

دلیل: یہ ہے کہ "لَیسَ بَعْضُ" میں لفظ "بَعْضُ" غیر معین ہے، یعنی نکرہ ہے اور "لَیسَ" کے بعد ہے، تو گویا کہ اس کے تحت میں ہے اور "لَیسَ" حرفِ نفی ہے، تو جس طرح نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اور سالبہ کلیہ کا سور بن جاتا ہے تو اسی طرح یہ بھی نکرہ تحت النفی کے مشابہ ہونے کی وجہ سے سالبہ کلیہ کا سور ہو جاتا ہے اور "بَعْضُ لَیسَ" میں "بَعْضُ" نکرہ تحت النفی نہیں ہے؛ بلکہ فوق النفی ہے، یعنی حرفِ نفی (لَیسَ) بعض کے بعد ہے، تو یہ سلبِ کلی کے لیے نہیں آتا۔

اور "بَعْضُ لَیسَ" ایجابِ عدولی جزئی کے لیے کبھی کبھی آجاتا ہے، یعنی "بَعْضُ لَیسَ" میں جو "لَیسَ" ہے یہ محمول کا جزء بن جاتا ہے سلبِ محمول کے لیے نہیں ہوتا، تو اب محمول کا ایجاب ہوتا ہے، مثلاً یوں کہا جائے: "بَعْضُ الْحَیوَانِ لَیسَ بِإِنْسَانٍ" اور اس سے مراد لا انسانیت کا ثبوت ہو بعض حیوان کے لیے نہ کہ انسانیت کی نفی ہو بعض حیوان سے، تو یہ قضیہ موجبہ جزئیہ معدولۃ المحمول ہوگا نہ کہ سالبہ جزئیہ، برخلاف "لَیسَ بَعْضُ" کے کہ یہ ایجاب عدولی جزئی کے لیے نہیں آتا۔

دلیل: یہ ہے کہ "بَعْضُ لَیسَ" میں حرفِ سلب (لیس) بعض سے مؤخر ہے، یعنی موضوع سے مؤخر ہے، تو یہاں پر تو محمول کا ایجاب و اثبات موضوع کے لیے ممکن ہے؛ لیکن "لَیسَ بَعْضُ" میں "لَیسَ" مقدم ہے موضوع پر؛ لہٰذا یہاں پر محمول کا اثبات موضوع کے لیے جب کہ موضوع پر حرفِ سلب بیٹھا ہوا ہے ممکن نہیں ہے؛ اس لیے وہ "ایجاب عدولی جزئی" کے لیے آجاتا ہے اور یہ نہیں آتا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۶۷)، قطبی: ص ۶۷/۶۷

(سالانہ امتحان ۱۴۰۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَالشَّيْخُ فِي الشِّفَاءِ ثَلَّثَ الْقِسْمَةَ فَقَالَ: الْمَوْضُوعُ إِنْ كَانَ جُزْئِيًّا فَهِيَ الشَّخْصِيَّةُ، وَإِنْ كَانَ كُلِّيًّا؛ فَإِنْ بُيِّنَ فِيهَا كَمِّيَّةُ الْأَفْرَادِ فَهِيَ الْمَحْصُورَةُ، وَإِلَّا فَهِيَ الْمُهْمَلَةُ، وَشَنَّعَ عَلَيْهِ الْمُتَأَخِّرُونَ لِعَدَمِ الْاِنْحِصَارِ فِيهَا، لِخُرُوجِ الطَّبْعِيَّةِ.

(الف) اعراب لگائیے۔(ب) ترجمہ کیجیے۔(ج) مطلب بیان کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور شیخ نے ''شفا'' میں تین قسمیں بیان کی ہیں؛ چناں چہ انہوں نے یوں فرمایا ہے کہ موضوع اگر جزئی ہوتو وہ قضیہ شخصیہ ہے اور اگر موضوع کلی ہوتو اگر افراد کی مقدار بیان کی جائے تو وہ قضیہ محصورہ ہے ورنہ تو قضیہ مہملہ ہے اور اس پر متاخرین نے اعتراض کیا ہے ان تین میں انحصار نہ ہونے کی وجہ سے، قضیہ طبعیہ کے خارج ہونے کی بنا پر۔

(ج) مطلب:

عام طور پر قضیہ حملیہ کی چار قسمیں بیان کی جاتی ہیں، شخصیہ، محصورہ، مہملہ، طبعیہ؛ لیکن شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتاب ''شفا'' میں صرف تین قسمیں بیان کی ہیں اور بطورِ دلیلِ حصر کے یہ بیان کیا ہے کہ قضیہ حملیہ کا موضوع دو حال سے خالی نہیں، یا تو موضوع کلی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوگا یا جزئی، اگر جزئی ہے تو وہ قضیہ شخصیہ ہے، جیسے: زَيْدٌ إِنْسَانٌ.

اور اگر موضوع کلی ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا تو کلی کے افراد کی مقدار بیان کی گئی ہوگی یا نہیں، اگر بیان ہے تو قضیہ محصورہ ہے، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ.

اور اگر بیان نہیں تو وہ مہملہ ہے، جیسے: اَلْإِنْسَانُ فِي خُسْرٍ (جب کہ الف لام استغراقی نہ ہو)۔

وَشَنَّعَ عَلَيْهِ: یعنی شیخ کی اس تقسیم پر متاخرین مناطقہ نے اعتراض کیا کہ یہ تقسیم درست نہیں؛ کیوں کہ قضیہ حملیہ کی صرف تین ہی نہیں؛ بلکہ چار قسمیں ہیں اور قضیہ طبعیہ بھی انھیں میں ہے؛ لیکن شیخ کی تقسیم میں قضیہ طبعیہ کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر (۶۸)، قطبی: ص ر ۷۷

(سالانہ امتحان ۱۴۲۷ھ، داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: قَوْلُنَا: كُلُّ ج ب يُسْتَعْمَلُ تَارَةً بِحَسْبِ الْحَقِيقَةِ، وَمَعْنَاهُ: أَنَّ كُلَّ مَالَوْ وُجِدَ كَانَ ج مِنَ الْأَفْرَادِ الْمُمْكِنَةِ، فَهُوَ بِحَيْثُ لَوْ وُجِدَ كَانَ ب، أَيْ كُلُّ مَاهُوَ مَلْزُوْمُ ج فَهُوَ مَلْزُوْمُ ب، وَتَارَةً بِحَسْبِ الْخَارِجِ، وَمَعْنَاهُ كُلُّ ج فِي الْخَارِجِ سَوَاءٌ كَانَ حَالَ الْحُكْمِ أَوْ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ، فَهُوَ ب فِي الْخَارِجِ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) ''ج، ب'' کی مراد متعین کردیں، نیز بتائیے کہ ذاتِ موضوع، وصفِ موضوع اور وصفِ محمول سے کیا مراد ہے؟ اور مطلب لکھیے۔

(د) وصفِ موضوع کا ذاتِ موضوع پر حمل بالامکان ہوتا ہے یا بالفعل؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

ہمارا قول "کل ج ب" کبھی حقیقت کے اعتبار سے مستعمل ہوتا ہے اور اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ افرادِ ممکنہ میں سے جو فرد بھی موجود ہو اگر "ج" ہو تو وہ موجود ہونے کی حیثیت سے "ب" ہوتا، یعنی جو بھی "ج" کا ملزوم ہوگا تو وہ "ب" کا ملزوم ہوگا اور کبھی خارج کے اعتبار سے مستعمل ہوتا ہے اور اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ خارج میں جو بھی "ج" ہو خواہ وہ حکم لگنے کے وقت ہو یا بعد میں یا پہلے تو وہ خارج میں "ب" ہوگا۔

(ج) "ج، ب" کی مراد، مطلب اور ذاتِ موضوع، وصفِ موضوع اور وصفِ محمول سے کیا مراد ہے؟

مناطقہ اختصار پیدا کرنے اور کسی خاص مادّہ میں حکم کے انحصار کے وہم کو دُور کرنے کی غرض سے موضوع کو "ج" سے اور محمول کو "ب" سے تعبیر کرتے ہیں۔

پھر "ج، ب" بولے جاتے ہیں تو "ج" سے مراد ذاتِ موضوع یعنی مصداقِ موضوع (افراد) ہوتے ہیں اور "ب" سے مراد وصفِ محمول یعنی مفہومِ محمول ہوتا ہے۔

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے قضیہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) قضیہ حقیقیہ (۲) قضیہ خارجیہ

پھر ہر ایک کا مطلب بیان کیا ہے، جس کی وضاحت پیشِ خدمت ہے:

قضیہ حقیقیہ: وہ قضیہ ہے جس میں محمول کا حکم موضوع پر حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے لگایا گیا ہو، یعنی ممکن افراد میں سے اگر کوئی فرد "ج" موجود ہوگا تو وہ موجود ہونے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کی حیثیت سے ''ب'' ضرور ہوگا، یعنی جو ''ج'' کا ملزوم ہوگا وہ ''ب'' کا ملزوم بھی ہوتا۔

قضیہ خارجیہ: وہ قضیہ ہے جس میں محمول کا حکم موضوع پر خارج کے اعتبار سے لگایا گیا ہو، یعنی اگر کوئی فرد خارج میں ''ج'' ہوگا تو وہ خارج میں ''ب'' ضرور ہوگا خواہ یہ خارج میں ''ج'' ہونا یعنی ذاتِ موضوع کا وصفِ موضوع کے ساتھ متصف ہونا محمول کا ذاتِ موضوع پر حکم لگنے کے وقت ہو یا بعد میں ہو یا پہلے ہو۔

فرق بین القضیتین: قضیہ حقیقیہ اور خارجیہ میں فرق یہ ہے کہ قضیہ حقیقیہ میں محمول کا حکم موضوع کے ان تمام افراد پر لگتا ہے جو نفس الامر اور واقع میں موجود ہوں، خواہ خارج میں ہوں یا خارج میں موجود نہ ہوں۔

پھر اگر موضوع ایسا ہے جس کے افراد خارج میں موجود ہیں تو یہاں پر محمول کا حکم موضوع کے افراد موجودہ اور افراد مقدرہ دونوں پر لگے گا، جیسے: ''كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ'' میں انسان کے افراد چوں کہ خارج میں موجود ہیں تو اس میں حیوان ہونے کا حکم انسان کے ان افراد پر بھی ہے جو فی الحال موجود ہیں اور ان پر بھی ہے جو مقدرہ ہیں، یعنی قیامت تک آنے والے ہیں۔

اور اگر موضوع ایسا ہے جس کے افراد خارج میں موجود نہیں، تو یہاں پر محمول کا حکم موضوع کے صرف افراد مقدرہ پر لگے گا، جیسے: ''كُلُّ عَنْقَاءَ طَائِرٌ'' (ہر عنقا پرندہ ہے) اس میں عنقاء کا کوئی فرد خارج میں موجود نہیں ہے، تو طائریت کا حکم عنقاء کے افراد مقدرہ پر ہے۔

اور قضیہ خارجیہ میں محمول کا حکم موضوع کے صرف موجود فی الخارج افراد پر لگتا ہے؛ کیوں کہ جو چیز خارج میں موجود نہ ہو تو اس کا خارج میں ''ب'' ہونا یعنی اس پر خارج میں کسی شی کا حکم لگنا محال ہے۔

سَوَاءٌ كَانَ حَالَ الْحُكْمِ إلخ: اس کا مطلب یہ ہے کہ قضیہ خارجیہ میں محمول کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حکم موضوع کے افراد خارجیہ پر ہر حال میں لگتا ہے، یعنی ذاتِ موضوع کا وصف موضوع کے ساتھ اتصاف خواہ اب ہو جب کہ حکم لگ رہا ہے، یا اب سے پہلے یہ اتصاف ہو چکا ہو، یا اب کے بعد یہ اتصاف ممکن ہو، مزید آگے بڑھنے قبل یہ تفصیل پیش خدمت ہے۔

ذاتِ موضوع: کہتے ہیں موضوع کی ذات، یعنی موضوع کے مصداق کو۔

وصفِ موضوع: کہتے ہیں موضوع کے مفہوم وحقیقت کو، جیسے: كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْأَصَابِعِ (ہر کاتب کی اُنگلیاں حرکت کرتی ہیں)، یہاں پر کاتب وصفِ موضوع ہے اور اس کا مصداق کوئی انسان (زید، عمر، بکر وغیرہ) ذاتِ موضوع ہے۔

وصفِ محمول: کہتے ہیں محمول کے مفہوم کو، جیسے: مذکورہ مثال میں متحرک، وصفِ محمول ہے۔

تو ماتن رحمہ اللہ نے اس جملہ سے دراصل ایک وہم کو دُور کیا ہے، بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ قضیہ خارجیہ میں وصفِ محمول کا ثبوت ذاتِ موضوع کے لیے اسی وقت ہوتا ہے، جب کہ وصفِ موضوع کا ذاتِ موضوع کے لیے ثبوت ہو رہا ہو؛ ورنہ تو نہیں، تو ماتن رحمہ اللہ نے اس وہم کی تردید کی کہ ایسا نہیں؛ بلکہ وصفِ محمول کا ثبوت ذاتِ موضوع کے لیے اس وقت بھی ہوتا ہے جب کہ پہلے ہی وصفِ موضوع ذاتِ موضوع کے لیے ثابت ہو چکا ہو یا اب کے بعد ہو؛ کیوں کہ اگر اس وہم کو تسلیم کر لیا جائے تو "كُلُّ نَائِمٍ مُسْتَيْقِظٌ" (ہر سونے والا بیدار ہوتا ہے) قضیہ کاذبہ ہو جائے گا؛ کیوں کہ ایک ہی وقت میں کسی کا نوم ویقظہ دو متضاد صفات کے ساتھ متصف ہونا محال ہے؛ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ذاتِ موضوع وصفِ موضوع کے ساتھ کسی وقت بھی متصف ہو تو اس پر وصفِ محمول کا حمل درست ہوگا، جیسے: "كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْأَصَابِعِ" میں تحرکِ اصابع کا ثبوت ذاتِ موضوع کے لیے ہر حال میں درست ہے، خواہ اسی ثبوت کے وقت وہ ذات، وصفِ کتابت کے ساتھ متصف ہو، یا پہلے ہو چکی ہو، یا بعد میں ہووے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) وصفِ موضوع کا ذاتِ موضوع پر حمل بالامکان ہوتا ہے یا بالفعل؟

اس سلسلہ میں ابونصر فارابی اور شیخ بوعلی سینا کا اختلاف ہے، ابونصر فارابی کے نزدیک وصفِ موضوع کا حمل وصدق ذاتِ موضوع پر بالامکان ہوتا ہے اور شیخ بوعلی سینا کے نزدیک بالفعل، یعنی فارابی کے نزدیک ''کُلُّ جَ بَ'' میں ''ج'' سے مراد وہ فرد ہوگا جس پر ج کا صادق آنا ممکن ہو، خواہ بالفعل صادق ہو، یا ہمیشہ کے لیے مسلوب ہو اور شیخ بو علی سینا کے نزدیک ''ج'' سے مراد وہ فرد ہوگا جس پر ''ج'' کا صادق آنا بالفعل ہو، یعنی ازمنۂ ثلاثہ میں سے کسی بھی زمانہ میں ہو؛ لہٰذا اگر وصفِ ج، ذاتِ ج سے دائمی مسلوب ہو تو شیخ کے نزدیک ''ج'' سے وہ فرد مراد نہ ہوگا۔

ثمرۂ اختلاف: دونوں کا اختلاف یہاں پر اثر انداز ہوگا کہ مثلاً ''کُلُّ أَسْوَدَ کَاتِبٌ'' میں اسود سے رومی انسان فارابی کے نزدیک مراد ہو سکتے ہیں؛ کیوں کہ رومیوں کا سواد کے ساتھ اتصاف ممکن تو ہے؛ گرچہ بالفعل نہیں ہے۔ اور شیخ بوعلی سینا کے نزدیک اسود سے رومی مراد ہرگز نہیں ہوسکتے؛ کیوں کہ رومی کے لیے سواد کا ثبوت بالفعل نہیں ہے، یعنی کسی بھی وقت رومی کالے نہیں ہوتے؛ لہٰذا اس مثال میں کاتب کا حکم فارابی کے نزدیک رومیوں پر ہوسکتا ہے اور شیخ کے نزدیک یہ حکم رومیوں کو شامل نہیں ہوسکتا۔

وجہ تسمیہ: قضیہ حقیقیہ کو حقیقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ حقیقیہ، حقیقت کی طرف منسوب ہے، یعنی حقیقت والا، تو چوں کہ یہ علوم میں استعمال ہونے والے قضیہ کی حقیقت ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو حقیقیہ کہتے ہیں۔

قضیہ خارجیہ کو خارجیہ اس لیے کہتے ہیں کہ خارجیہ خارج کی طرف منسوب ہے، یعنی خارج والا، تو چوں کہ یہ حواسِ خمسہ ظاہرہ سے خارج ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو خارجیہ کہتے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۶۹)، قطبی: ص ۸۳/

(سالانہ امتحان ۱۴۰۶ھ، ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْاِعْتِبَارَيْنِ ظَاهِرٌ؛ فَإِنَّهُ لَوْ لَمْ يُوْجَدْ شَيْءٌ مِنَ الْمُرَبَّعَاتِ فِي الْخَارِجِ يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ: كُلُّ مُرَبَّعٍ شَكْلٌ بِالْاِعْتِبَارِ الْأَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِيْ، وَلَوْ لَمْ يُوْجَدْ شَيْءٌ مِنَ الْأَشْكَالِ فِي الْخَارِجِ إِلَّا الْمُرَبَّعُ يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ: كُلُّ شَكْلٍ مُرَبَّعٌ بِالْاِعْتِبَارِ الثَّانِيْ دُوْنَ الْأَوَّلِ.

(الف) اعراب لگائیے۔

(ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت کی اچھی طرح تشریح کیجیے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور فرق دونوں اعتباروں کے درمیان ظاہر ہے؛ اس لیے کہ اگر مربعات میں سے کوئی شئ (مربع) خارج میں موجود نہ ہو تو "كُلُّ مُرَبَّعٍ شَكْلٌ" کہنا پہلے اعتبار سے تو درست ہوگا نہ کہ دوسرے اعتبار سے اور اگر اشکال میں سے کوئی شکل خارج میں مربع کے علاوہ موجود نہ ہو تو "كُلُّ شَكْلٍ مُرَبَّعٌ" کہنا دوسرے اعتبار سے درست ہوگا نہ کہ پہلے اعتبار سے۔

(ج) عبارت کی اچھی طرح تشریح:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے قضیہ حقیقیہ و خارجیہ کے درمیان فرق کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دو مثالوں سے بیان کیا ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں کہ اگر خارج میں مربع کا کوئی فرد موجود نہ ہو اور اس کو موضوع بنا کر شکل ہونے کا اس پر حکم لگایا جائے اور یوں کہا جائے "کُلُّ مُرَبَّعٍ شَکْلٌ" (ہر مربع شکل ہے) تو یہ قضیہ اعتبارِ اوّل سے تو صادق ہوگا، اعتبارِ ثانی سے نہیں، اعتبارِ اوّل سے مراد قضیہ کا حقیقیہ ہونا اور اعتبارِ ثانی سے مراد خارجیہ ہونا، یعنی یہ قضیہ؛ حقیقیہ تو ہوگا؛ مگر خارجیہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ قضیہ خارجیہ کے لیے موضوع کا خارج میں موجود ہونا ضروری ہے اور حقیقیہ کے لیے ضروری نہیں اور یہاں یہ فرض کرلیا گیا کہ موضوع خارج میں موجود نہیں ہے۔ اور اگر خارج میں تمام اشکال مربع میں منحصر ہوں، یعنی ہر شکل جو خارج میں پائی جارہی ہے وہ مربع ہی ہے، کوئی شکل مثلث یا مخمس نہیں ہے اور اب شکل پر مربع ہونے کا حکم لگایا جائے اور یوں کہا جائے: "کُلُّ شَکْلٍ مُرَبَّعٌ" (ہر شکل مربع ہے) تو یہ قضیہ اعتبارِ ثانی سے صادق ہوگا نہ کہ اوّل سے، یعنی خارجیہ تو ہوگا؛ حقیقیہ نہیں ہوگا۔

مذکورہ دوسری مثال میں صرف قضیہ خارجیہ کا صادق آنا جب ہے جب کہ حکم صرف موجود فی الخارج افراد پر ہو اور اگر کسی قضیہ میں حکم موضوع کے موجودہ اور مقدرہ دونوں طرح کے افراد پر ہو تو اب وہاں پر قضیہ حقیقیہ و خارجیہ دونوں طرح سے صادق آئے گا، جیسے: "کُلُّ إِنْسَانٍ حَیَوَانٌ" یہاں پر حیوان کا حکم موجودہ اور مقدرہ دونوں طرح کے افراد انسانی پر ہے، تو یہ قضیہ دونوں اعتبار سے صادق ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قضیہ حقیقیہ و خارجیہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے، جس کے لیے تین مادّے ہوتے ہیں: ایک اجتماعی، دو افتراقی، "کُلُّ إِنْسَانٍ حَیَوَانٌ" اجتماعی مادّہ ہے اور باقی اوّل کے دو افتراقی ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۷۰)، قطبی: ص/۸۵

(سالانہ امتحان ۱۴۰۸ھ، ۱۴۱۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: حَـرْفُ السَّـلْـبِ إِنْ كَـانَ جُـزْءًا مِنَ الْـمَوْضُوْعِ كَقَوْلِنَا: اَللَّاحَيُّ جَمَادٌ، أَوْ مِنَ الْمَحْمُوْلِ، كَقَوْلِنَا: اَلْـجَـمَادُ لَاعَـالِـمٌ، أَوْ مِنْهُـمَا جَمِيْعًا، سُمِّيَتِ الْقَضِيَّةُ مَعْدُوْلَةً مُوْجِبَةً، أَوْ سَـالِبَةً وَإِنْ لَـمْ يَـكُـنْ جُـزْءًا لِشَيْءٍ مِنْهُمَا، سُمِّيَتِ الْقَضِيَّةُ مُحَصَّلَةً إِنْ كَانَتْ مُوْجِبَةً، وَبَسِيْطَةً إِنْ كَانَتْ سَالِبَةً.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) قضیہ معدولہ اور محصلہ کی تعریف اور اقسام ذکر کیجیے۔

(د) قضیہ معدولہ اور محصلہ کی وجہ تسمیہ لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

حرفِ سلب اگر موضوع کا جزء ہو، جیسے ہمارا قول: "اَللَّاحَيُّ جَمَادٌ" یا محمول کا جزء ہو، جیسے ہمارا قول: "اَلْـجَمَادُ لَا عَالِمٌ" یا موضوع ومحمول دونوں ہی کا جزء ہو تو قضیہ کا نام معدولہ رکھا جاتا ہے، خواہ وہ موجبہ ہو یا سالبہ اور اگر حرفِ سلب موضوع ومحمول میں سے کسی کا بھی جزء نہ ہو تو قضیہ کا نام محصلہ رکھا جاتا ہے، اگر وہ موجبہ ہو اور بسیطہ نام رکھا جاتا ہے اگر وہ سالبہ ہو۔

(ج) قضیہ معدولہ اور محصلہ کی تعریف اور اقسام:

قضیہ معدولہ: وہ قضیہ ہے جس میں حرفِ سلب قضیہ کا جزء بن گیا ہو، جیسے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اللَّاحي جماد (غیر جاندار جامد ہے)، جزء بننے کا مطلب یہ ہے کہ حرفِ سلب قضیہ کے اندر سلبِ حکم کے لیے نہ ہو؛ بلکہ یا تو وہ خود محکوم علیہ ہو یا محکوم بہ ہو۔

اقسامِ معدولہ: پھر حرفِ سلب اگر موضوع کا جزء بن رہا ہے تو وہ قضیہ معدولۃ الموضوع ہے، جیسے: اَللَّاحَيُّ جِمَادٌ.

اور اگر محمول کا جزء بن رہا ہے تو وہ معدولۃ المحمول ہے، جیسے: اَلْجِمَادُ لَاعَالِمٌ (جامد غیر عالم ہے)۔

اور اگر موضوع ومحمول دونوں کا حرفِ سلب جزء ہے تو اس کو معدولۃ الطرفین کہتے ہیں، جیسے: اَللَّاحَيُّ لَاعَالِمٌ (غیر جاندار عالم ہے)۔

قضیہ محصّلہ: وہ قضیہ ہے جس میں حرفِ سلب قضیہ کا جزء نہ بن رہا ہو، جیسے: اَلْإِنْسَانُ کَاتِبٌ.

پھر جمہور مناطقہ کے نزدیک قضیہ معدولہ خواہ موجبہ ہو یا سالبہ؛ قضیہ معدولہ ہی کہلاتا ہے، جیسے: اَللَّاحَيُّ جِمَادٌ (موجبہ) اَللَّاحَيُّ لَيْسَ بِعَالِمٍ (غیر جاندار عالم نہیں ہوتا ہے)۔

اسی طرح قضیہ محصلہ خواہ موجبہ ہو یا سالبہ، محصلہ ہی کہلاتا ہے، جیسے: "اَلْإِنْسَانُ حَيَوَانٌ (موجبہ) اَلْإِنْسَانُ لَيْسَ بِحَجَرٍ (سالبہ)؛ لیکن بعض مناطقہ بشمول ماتن کا نظریہ یہ ہے کہ محصلہ صرف موجبہ کو کہتے ہیں اور سالبہ کو بسیطہ کہتے ہیں؛ لہٰذا ان کے نزدیک اَلْإِنْسَانُ لَيْسَ بِحَجَرٍ قضیہ بسیطہ ہے۔

(د) قضیہ معدولہ اور محصلہ کی وجہ تسمیہ:

قضیہ معدولہ: کو معدولہ اس لیے کہتے ہیں کہ معدولہ، عدول سے مشتق (اسم مفعول مؤنث) ہے، عدول کے معنیٰ آتے ہیں اعراض کرنا، ہٹ جانا، چوں کہ اس میں حرفِ سلب اپنے اصلی معنیٰ سے ہٹا ہوا ہوتا ہے، یعنی حرفِ سلب جو سلبِ حکم کے لیے موضوع ہے، اس میں مستعمل نہیں ہوتا؛ بلکہ موضوع یا محمول کا جزء بن کر خود موضوع یا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محمول بن جاتا ہے؛ اس لیے اس قضیہ ہی کو معدولہ کہا جاتا ہے، جس میں یہ حرفِ سلب ہے، تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے، یعنی معدولہ دراصل حرفِ سلب کا نام ہے جو قضیہ کا جزء ہے، پھر کل کو یہ نام دے دیا گیا۔

قضیہ محصلہ: کو محصلہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ تحصیل سے مشتق ہے، تحصیل کے معنیٰ ہیں حاصل کرنا، وجود میں لانا، چوں کہ اس قضیہ میں حرفِ سلب جزء نہیں ہوتا تو اس کے دونوں جزء (موضوع ومحمول) وجودی اور محصلہ ہوتے ہیں، تو یہاں پر بھی تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے پورے قضیہ کا نام محصلہ رکھ دیا گیا۔

محل امتحان نمبر (۷۱)، قطبی: ص/۸۶

(داخلہ امتحان ۱۴۲۳ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَالسَّالِبَةُ الْبَسِيْطَةُ أَعَمُّ مِنَ الْمُوْجِبَةِ الْمَعْدُوْلَةِ الْمَحْمُوْلِ لِصِدْقِ السَّلْبِ عِنْدَ عَدَمِ الْمَوْضُوْعِ دُوْنَ الْإِيْجَابِ، لِأَنَّ الْإِيْجَابَ لَايَصِحُّ إِلَّا عَلٰى مَوْجُوْدٍ مُحَقَّقٍ كَمَا فِي الْخَارِجِيَّةِ الْمَوْضُوْعِ، أَوْ بِمُقَدَّرٍ كَمَا فِي الْحَقِيْقِيَّةِ الْمَوْضُوْعِ، أَمَّا إِذَا كَانَ الْمَوْضُوْعُ مَوْجُوْدًا فَإِنَّهُمَامُتَلَازِمَانِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مطلب کی وضاحت کر کے مذکورہ قضایا کی امثلہ بھی لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور سالبہ بسیطہ، موجبہ معدولۃ المحمول سے عام ہے، سلب کے صادق آنے کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وجہ سے موضوع کے معدوم ہونے کے وقت نہ کہ ایجاب کے؛ کیوں کہ ایجاب درست نہیں ہوتا ہے؛ مگر موجود حقیقی پر، جیسا کہ قضیہ خارجیہ الموضوع میں (موجود حقیقی) ہوتا ہے، یا موجود تقدیری پر، جیسا کہ قضیہ حقیقۃ الموضوع میں (موجود تقدیری) ہوتا ہے، بہر حال جب کہ موضوع موجود ہو تو یہ دونوں (سالبہ بسیطہ اور موجبہ معدولۃ المحمول) ایک دوسرے کولازم ہوتے ہیں۔

(ج) مطلب کی وضاحت اور مذکورہ قضایا کی امثلہ:

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ نے قضیہ سالبہ بسیطہ اور قضیہ موجبہ معدولۃ المحمول کے درمیان نسبت کو بیان کیا ہے، سالبہ بسیطہ، قضیہ محصلہ سالبہ کا نام ہے اور موجبہ معدولۃ المحمول: وہ قضیہ ہے جس میں حرفِ سلب محمول کا جزو ہو اور پھر اس محمول کا موضوع کے لیے ثبوت ہو رہا ہو، سالبہ بسیطہ کی مثال: زَيْدٌ لَيْسَ بِعَالِمٍ (زید عالم نہیں ہے) اور موجبہ معدولۃ المحمول کی مثال: الجَمَادُ لَاحَيٌّ (جماد غیر جاندار ہے)۔

ماتن رحمہ اللہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں قضیوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، سالبہ بسیطہ عام مطلق ہے اور موجبہ معدولۃ المحمول خاص مطلق ہے، یعنی موجبہ معدولۃ المحمول جہاں ہوگا وہاں پر سالبہ بسیطہ ضرور ہوگا اور جہاں پر سالبہ بسیط ہو تو موجبہ معدولۃ المحمول کا وہاں پر ہونا ضروری نہیں، ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔

اور اس کی دلیل (جو مذکورہ عبارت میں بیان کی گئی ہے) کی وضاحت یہ ہے کہ سالبہ بسیطہ میں محمول کا موضوع سے سلب ہوتا ہے، جب کہ موجبہ معدولۃ المحمول میں موضوع کے لیے محمول کا ثبوت ہوتا ہے اور "ثُبُوتُ شَيْءٍ لِشَيْءٍ" میں مثبت لہ یعنی موضوع کا موجود ہونا ضروری ہے، اگر موضوع معدوم ہوگا تو اس کے لیے کسی کا ثبوت نہیں ہو سکتا، برخلاف سلب کے، کہ "سَلْبُ شَيْءٍ عَنْ شَيْءٍ" میں مسلوب عنہ یعنی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

موضوع کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ موجود اور معدوم ہر دو صورت میں اس سے محمول کا سلب ہوسکتا ہے۔

کما في الخارجیة إلخ: یعنی جس طرح قضیہ خارجیہ میں موضوع کا خارج میں ہونا ضروری ہے تو اسی طرح موجبہ معدولۃ المحمول میں موضوع کا خارج میں موجود ہونا ضروری ہے اور قضیہ حقیقیہ میں جس طرح نفس الامر اور حقیقت کے اعتبار سے موضوع کا موجود ہونا کافی ہے؟ خواہ خارج میں ہو یا نہ ہو تو اسی طرح سالبہ بسیطہ میں موضوع کا نفس الامر میں ہونا کافی ہے؛ خواہ خارج میں موجود ہو یا معدوم ہو۔

پھر یاد رہے کہ عموم وخصوص مطلق کی نسبت جہاں پر ہوتی ہے وہاں پر دو مادّے ہوتے ہیں: (۱) اجتماعی (۲) افتراقی

اوّل کی مثال: "اَلإِنْسَانُ لَاجَمَادٌ" ہے کہ یہاں پر موجبہ معدولۃ المحمول پایا جارہا ہے اور سالبہ بسیطہ بھی ضرور پایا جائے گا؛ چناں چہ "اَلإِنْسَانُ لَيْسَ بِجَمَادٍ" کہہ سکتے ہیں۔

اور اس کی وجہ حسبِ بیانِ شارح یہ ہے کہ اگر انسان سے جماد کا سلب نہیں کریں گے تو جماد کا ثبوت کرنا پڑے گا ورنہ تو ارتفاعِ نقیضین لازم آئے گا اور جب جماد کا ثبوت کریں گے اور یوں کہیں گے: "الانسان جماد" تو یہ اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا؛ کیونکہ ماقبل میں لا جماد کا ثبوت کرچکے ہیں، یہی مطلب ہے "أَمَّا إِذَا كَانَ الْمَوْضُوْعُ مَوْجُوْدًا فَإِنَّهُمَا مُتَلَازِمَانِ" کا، یعنی جب موضوع خارج میں موجود ہو تو وہاں پر سالبہ بسیطہ اور موجبہ معدولۃ المحمول دونوں ساتھ ساتھ ہوں گے۔

اور ثانی (افتراق) کی مثال: "شَرِيْكُ الْبَارِيْ لَيْسَ بِبَصِيْرٍ" ہے، یہ سالبہ بسیطہ ہے اور صادق ہے؛ مگر "شَرِيْكُ الْبَارِيْ غَيْرُ بَصِيْرٍ" موجبہ معدولۃ المحمول صادق نہیں ہوگا، کیوں کہ غیر بصیر کے ثبوت کے لیے شریک باری کا موجود فی الخارج ہونا ضروری ہے اور یہ ممتنع ومحال ہے، جب کہ "بصیر" کا سلب شریک باری سے ممکن ہے؛

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کیوں کہ سلب کے لیے موضوع کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ معدوم سے بھی سلب ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں پر ہے۔

محل امتحان نمبر (۷۲)، قطبی: ص/۹۱

(سالانہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: قَالَ: اَلْبَحْثُ الرَّابِعُ فِي الْقَضَايَا الْمُوَجَّهَةِ، لَابُدَّ لِنِسْبَةِ الْمَحْمُوْلَاتِ إِلَى الْمَوْضُوْعَاتِ مِنْ كَيْفِيَّةٍ، إِيْجَابِيَّةً كَانَتِ النِّسْبَةُ أَوْ سَلْبِيَّةً، كَالضَّرُوْرَةِ وَالدَّوَامِ، وَاللَّاضَرُوْرَةِ وَاللَّا دَوَامِ، وَتُسَمّٰى تِلْكَ الْكَيْفِيَّةُ مَادَّةَ الْقَضِيَّةِ، وَاللَّفْظُ الدَّالُّ عَلَيْهَا يُسَمّٰى جِهَةَ الْقَضِيَّةِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مطلب ذکر کرتے ہوئے مادۂ قضیہ، جہتِ قضیہ اور قضیہ موجہہ کی تعریف کریں اور کسی بھی قضیہ موجہہ کی کم از کم ایک مثال بھی ذکر کریں۔

(د) قضیہ کے اقسام مع مثال لکھیں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

ماتن رحمہ اللہ نے کہا کہ چوتھی بحث قضایا موجہہ کے بیان میں ہے، موضوعات کی طرف محمولات کی نسبت کے لیے کسی کیفیت کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ نسبت ایجابی ہو یا سلبی ہو، جیسے: ضرورت و دوام اور لاضرورت ولا دوام۔ اور اس کیفیت کا نام مادۂ قضیہ رکھا جاتا ہے اور جو لفظ اس مادہ قضیہ پر دلالت کرے اس کا نام جہتِ قضیہ رکھا جاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مادۂ قضیہ، جہتِ قضیہ کا مطلب اور قضیہ موجہہ کی تعریف، نیز قضیہ موجہہ کی ایک مثال ضرور لکھیں:

ماتن رحمہ اللہ یہاں سے قضایا موجہہ کی بحث شروع فرما رہے ہیں، اس کے لیے تمہیدی طور پر سب سے پہلے مادہ قضیہ اور جہتِ قضیہ کی وضاحت کرتے ہیں، اس کی مزید تفصیل پیش خدمت ہے۔

ہر قضیہ موضوع محمول کے ساتھ ساتھ نسبت پر مشتمل ہوتا ہے، اگر قضیہ موجبہ ہے تو یہ نسبتِ ایجابی ہوتی ہے اور اگر قضیہ سالبہ ہے تو یہ نسبت سلبی ہوتی ہے، پھر یہ نسبت حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے کسی کیفیت اور حالت کے ساتھ ضرور متصف ہوتی ہے، کیفیات علیٰ اختلاف المناطقہ ضروری ہونا، ممتنع ہونا، ممکن ہونا ہے، تو یہ نسبت جو قضیہ کے اندر ہوتی ہے ان میں سے کسی کیفیت کے ساتھ ضرور بالضرور مُکیّف ومتصف ہوتی ہے، مثلاً: ”کُلُّ إِنسَانٍ نَاطِقٌ“ میں نطق کی نسبت جو انسان کی طرف ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے ضروری ہے، تو کیفیت ضرورت سے یہ نسبت متصف ہے۔

مادۂ قضیہ: تو اسی کیفیت کو مادۂ قضیہ کہا جاتا ہے جس کے ساتھ نفس الامر میں نسبت متصف ہوتی ہے، جیسے: ضروری ہونا، دائمی ہونا وغیرہ۔

جہتِ قضیہ: اور کیفیت کو جس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کو جہتِ قضیہ کہا جاتا ہے، جیسے: ضروری ہونے کو ”بالضرورۃ“ سے تعبیر کرتے ہیں، تو یہ ”بِالضَّرُوْرَۃِ“ جہتِ قضیہ ہے۔

(د) مکمل جزئیات:

قضیہ موجہہ بسیطہ: وہ قضیہ موجہہ ہے جس کی حقیقت صرف ایجاب ہو، یا صرف سلب ہو، جیسے: **كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ بِالضَّرُوْرَةِ.**

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قضیہ موجہہ مرکبہ: وہ موجہہ ہے جس کی حقیقت ایجاب وسلب سے مرکب ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ كَاتِبٌ بِالْفِعْلِ لَا دَائِمًا.

پھر قضایا موجہہ بسیطہ کی تعداد چھ ہے (حسبِ بیانِ ماتن وشارح) اور قضایا موجہہ مرکبہ کی تعداد سات ہے، تو کل ملا کر تیرہ موجہہ ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

بسائط	مرکبہ
۱-ضروریہ مطلقہ	۱-وجودیہ لاضروریہ
۲-دائمہ مطلقہ	۲-وجودیہ لا دائمہ
۳-مشروطہ عامہ	۳-مشروطہ خاصہ
۴-عرفیہ عامہ	۴-عرفیہ خاصہ
۵-مطلقہ عامہ	۵-وقتیہ
۶-ممکنہ عامہ	۶-منتشرہ
	۷-ممکنہ خاصہ

تعریفات وامثلہ قضایا موجہہ بسیطہ:

(۱) ضروریہ مطلقہ: وہ قضیہ موجہہ بسیطہ ہے جس میں موضوع کے لیے محمول کے ثبوت یا موضوع سے محمول کی نفی کے ضروری ہونے کا حکم اس وقت تک لگایا جائے جب تک کہ موضوع کی ذات موجود ہے، اگر ثبوتِ محمول کی ضرورت کا حکم ہو تو یہ ضروریہ مطلقہ موجبہ کہلاتا ہے اور اگر نفیِ محمول کی ضرورت کا حکم ہو تو یہ سالبہ کہلاتا ہے، موجبہ کی مثال: كُلِّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ بِالضَّرُوْرَةِ. سالبہ کی مثال: لَا شَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِحَجَرٍ بِالضَّرُوْرَةِ.

(۲) دائمہ مطلقہ: وہ قضیہ موجہہ بسیطہ ہے جس میں موضوع کے لیے محمول کے ثبوت یا موضوع سے محمول کی نفی کے دائمی ہونے کا حکم اس وقت تک لگایا جائے جب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تک کہ موضوع کی ذات موجود ہے، پھر اگر ثبوت کے دوام کا حکم ہے تو موجبہ ہے اور اگر نفی کے دوام کا حکم ہے تو سالبہ ہے، موجبہ کی مثال: کُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ بِالدَّوَامِ.
سالبہ کی مثال: لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِحَجَرٍ بِالدَّوَامِ.

(۳) مشروطہ عامہ: وہ قضیہ موجہہ ہے جس میں موضوع کے لیے ثبوت محمول یا موضوع سے نفی محمول کے ضروری ہونے کا حکم اس وقت تک لگایا جائے جب تک کہ ذاتِ موضوع وصفِ عنوانی کے ساتھ متصف ہو، اگر حکم ثبوتی ہو تو مشروطہ عامہ موجبہ ہے اور اگر حکم سلبی ہو تو سالبہ ہے، موجبہ کی مثال: كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْأَصَابِعِ بِالضَّرُوْرَةِ مَادَامَ كَاتِبًا۔ سالبہ کی مثال: لَاشَيْءَ مِنَ الْكَاتِبِ بِسَاكِنِ الْأَصَابِعِ بِالضَّرُوْرَةِ مَادَامَ كَاتِبًا.

(۴) عرفیہ عامہ: وہ قضیہ موجہہ بسیطہ ہے جس میں موضوع کی ذات کے لیے محمول کا ثبوت یا موضوع سے محمول کی نفی کا حکم دائمی طور پر اس وقت تک لگایا گیا ہو جب تک ذاتِ موضوع؛ وصفِ عنوانی کے ساتھ متصف رہے، اگر دائمی حکم ثبوتی ہو تو موجبہ ہے اور اگر حکم سلبی ہو تو وہ قضیہ سالبہ ہے، موجبہ کی مثال: كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْأَصَابِعِ بِالدَّوَامِ مَادَامَ كَاتِبًا. سالبہ کی مثال: لَاشَيْءَ مِنَ الْكَاتِبِ بِسَاكِنِ الْأَصَابِعِ بِالدَّوَامِ مَادَامَ كَاتِبًا.

(۵) مطلقہ عامہ: وہ قضیہ موجہہ بسیطہ ہے جس میں موضوع کے لیے ثبوتِ محمول یا موضوع سے سلبِ محمول کا حکم بالفعل لگایا گیا ہو، اگر حکم ثبوتِ محمول کا ہو تو مطلقہ عامہ موجبہ ہے اور اگر حکم سلبِ محمول کا ہو تو سالبہ ہے، موجبہ کی مثال: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ۔ سالبہ کی مثال: لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْفِعْلِ.

(۶) ممکنۂ عامہ: وہ قضیہ موجہہ بسیطہ ہے جس میں جانبِ مخالف کی سلبِ ضرورۃ کا حکم لگایا گیا ہو، اگر حکم ایجابی ہو تو ممکنہ عامہ موجبہ ہے اور اگر سلبی ہو تو سالبہ ہے،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ممکنہ عامہ موجبہ کی مثال: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ. سالبہ کی مثال: لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْفِعْلِ.

(٦) ممکنۂ عامہ: وہ قضیہ موجہہ بسیطہ ہے جس میں جانبِ مخالف کی سلبِ ضرورۃ کا حکم لگایا گیا ہو، اگر حکم ایجابی ہوتو ممکنہ عامہ موجبہ ہے اور اگر حکم سلبی ہوتو سالبہ ہے، ممکنہ عامہ موجبہ کی مثال: كُلُّ نَارٍ حَارَّةٌ بِالْإِمْكَانِ الْعَامِّ. سالبہ کی مثال: لَاشَيْءَ مِنَ الْحَارِّ بِبَارِدٍ بِالْإِمْكَانِ الْعَامِّ.

تعریفات قضایا موجہہ مرکبہ وامثلہ:

(١) مشروطہ خاصہ: وہ مشروطہ عامہ ہے جو لادوام ذاتی سے مقید ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ لَابِالدَّوَامِ الذَّاتِي أَيْ لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْفِعْلِ.

(٢) عرفیہ خاصہ: وہ عرفیہ عامہ ہے جو لادوام ذاتی کی قید سے مقید ہو، جیسے: كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْأَصَابِعِ بِالدَّوَامِ مَادَامَ كَاتِبًا لَادَائِمًا، أَيْ لَاشَيْءَ مِنَ الْكَاتِبِ بِمُتَحَرِّكِ الْأَصَابِعِ بِالْفِعْلِ.

(٣) وجودیہ لاضروریہ: وہ مطلقہ عامہ ہے جو لاضرورۃ ذاتی کی قید سے مقید کیا گیا ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ لَابِالضَّرُوْرَةِ، أَيْ لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْإِمْكَانِ الْعَامِّ.

(٤) وجودیہ لادائمہ: وہ مطلقہ عامہ ہے جو لادوام ذاتی کی قید سے مقید کردیا گیا ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ لَابِالضَّرُوْرَةِ، أَيْ لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْإِمْكَانِ الْعَامِّ.

(٤) وقتیہ: وہ قضیہ ہے جس میں ذاتِ موضوع کے لیے ثبوتِ محمول یا ذاتِ موضوع سے سلبِ محمول کے ضروری ہونے کا حکم کسی خاص وقت میں لگایا گیا ہو اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لادوام ذاتی کی قید سے مقید ہو، جیسے: كُلُّ قَمَرٍ مُنْخَسِفٌ بِالضَّرُوْرَةِ وَقْتَ حَيْلُوْلَةِ الْأَرْضِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الشَّمْسِ لَادَائِمًا، أَيْ لَاشَيْءَ مِنَ الْقَمَرِ بِمُنْخَسِفٍ بِالْفِعْلِ وَقْتَ التَّرْبِيْعِ.

(۶) منتشرہ: وہ قضیہ موجہہ مرکبہ ہے جس میں موضوع کے لیے ثبوت محمول یا موضوع سے سلب محمول کے ضروری ہونے کا حکم غیر معین وقت میں لگایا گیا ہو اور وہ لادوام ذاتی کی قید سے مقید ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالضَّرُوْرَةِ وَقْتًا لَادَائِمًا، أَيْ لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْفِعْلِ.

(۷) ممکنہ خاصہ: وہ قضیہ موجہہ مرکبہ ہے جس میں جانبِ موافق و جانبِ مخالف دونوں میں سلبِ ضرورۃ کا حکم لگایا گیا ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ كَاتِبٌ بِالْإِمْكَانِ الْخَاصِّ، أَيْ كُلُّ إِنْسَانٍ كَاتِبٌ بِالْإِمْكَانِ الْعَامِّ وَلَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِكَاتِبٍ بِالْإِمْكَانِ الْعَامِّ.

محل امتحان نمبر (۷۳)، قطبی: ص/۹۵

(سالانہ امتحان ۱۴۱۵ھ، ۱۴۱۹ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَالنِّسْبَةُ بَيْنَهُمَا أَيْ بَيْنَ الضَّرُوْرِيَّةِ الْمُطْلَقَةِ وَالدَّائِمَةِ الْمُطْلَقَةِ، أَنَّ الضَّرُوْرِيَّةَ أَخَصُّ مِنْهَا مُطْلَقًا، لِأَنَّ مَفْهُوْمَ الضَّرُوْرَةِ اِمْتِنَاعُ انْفِكَاكِ النِّسْبَةِ عَنِ الْمَوْضُوْعِ، وَمَفْهُوْمُ الدَّوَامِ شُمُوْلُ النِّسْبَةِ فِيْ جَمِيْعِ الْأَزْمِنَةِ وَالْأَوْقَاتِ، وَمَتَى كَانَتِ النِّسْبَةُ مُمْتَنِعَةَ الْاِنْفِكَاكِ عَنِ الْمَوْضُوْعِ كَانَتْ مُتَحَقِّقَةً فِيْ جَمِيْعِ أَوْقَاتِ وُجُوْدِهِ بِالضَّرُوْرَةِ، وَلَيْسَ مَتَى كَانَتِ النِّسْبَةُ مُتَحَقِّقَةً فِيْ جَمِيْعِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اَلْأَوْقَاتِ امْتَنَعَ اِنْفِكَاكُهَا عَنِ الْمَوْضُوْعِ لِجَوَازِ اِمْكَانِ اِنْفِكَاكِهَا عَنِ الْمَوْضُوْعِ وَعَدَمِ وُقُوْعِهَا لِأَنَّ الْمُمْكِنَ لَايَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ وَاقِعًا.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔

(ج) عبارت میں ضروریہ مطلقہ اور دائمہ مطلقہ کے درمیان پائی جانے والی نسبت کو بیان کیا گیا ہے، آپ اس کی پوری وضاحت کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اور ضروریہ مطلقہ و دائمہ مطلقہ کے درمیان نسبت یہ ہے کہ ضروریہ مطلقہ دائمہ مطلقہ سے اخص مطلق ہے؛ اس لیے کہ ضرورۃ کا مفہوم موضوع سے نسبت کی جدائیگی کا محال ہونا ہے اور دوام کا مفہوم تمام اوقات و زمانوں میں نسبت کا شامل ہونا ہے اور جب نسبت کا جدا ہونا موضوع سے محال ہوگا تو وہ موضوع کے وجود کے تمام اوقات میں یقیناً پائی جائے گی اور ایسا نہیں کہ جب نسبت تمام اوقات میں پائی جائے گی تو اس کا موضوع سے جدا ہونا محال ہوگا، موضوع سے نسبت کی جدائیگی کے ممکن ہونے اور اس کے واقع نہ ہونے کے امکان کی وجہ سے؛ کیوں کہ ممکن کے لیے واقع ہونا ضروری نہیں ہے۔

(ج) ضروریہ مطلقہ اور دائمہ مطلقہ کے درمیان پائی جانے والی نسبت:

شارح نے اس عبارت میں ضروریہ مطلقہ اور دائمہ مطلقہ کے بیچ نسبت کو بیان کیا ہے کہ ان کے بیچ عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ضروریہ مطلقہ خاص مطلق ہے، دائمہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مطلقہ عام مطلق ہے، خاص مطلق اس کو کہتے ہیں جس کے ہر ہر فرد پر دوسری کلی صادق آئے اور دوسری کلی کو عام مطلق کہتے ہیں جو پہلی کے ہر ہر فرد پر صادق آئے، تو یہاں پر ضروریہ مطلقہ خاص مطلق اور دائمہ طلقہ عام مطلق اس لیے ہے کہ دائمہ مطلقہ تو ضروریہ مطلقہ کے ساتھ ہر جگہ موجود ہوتا ہے؛ لیکن ضروریہ مطلقہ، دائمہ مطلقہ کے ساتھ ہر جگہ نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ضروریہ مطلقہ میں ''ضرورۃ'' کی جہت لگی ہوتی ہے، جب کہ دائمہ مطلقہ میں ''دوام'' کی اور دوام ضرورۃ سے عام ہے؛ کیوں کہ ''ضرورۃ'' کا مطلب ہے ''اِمْتِنَاعُ الاِنْفِکَاکِ عَنِ الْمَوْضُوعِ'' یعنی ذاتِ موضوع سے نسبت کا جدا ہونا محال و ناممکن ہو، جدا ہو ہی نہ سکتی ہو اور

دوام: کا مطلب ہے ''شُمُوْلُ النِّسْبَةِ فِي جَمِيْعِ الْأَوْقَاتِ'' یعنی وجود موضوع کے تمام اوقات میں نسبت کا پایا جانا، یعنی نسبت جدا تو ہو سکتی ہو؛ مگر جدا نہ ہو کر تمام اوقات میں موضوع کے ساتھ ساتھ رہتی ہو اور امتناع خاص ہے شمول و دوام سے؛ لہٰذا جہاں پر نسبت کا انفکاک ممتنع ہوگا تو وہاں پر نسبت کا دوام و شمول ضرور ہوگا اور جہاں پر نسبت کا شمول ہوگا تو وہاں پر امتناع انفکاک ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ہو سکتا ہے کہ امکان انفکاک ہو، یعنی نسبت کا جدا ہونا تو ممکن ہو؛ مگر جدا نہ ہو اور اس کی وجہ (کہ جدا ہونا ممکن تو ہو؛ مگر جدا نہ ہو) یہ ہے کہ امکان کے لیے وقوع ضروری نہیں ہے؛ بلکہ وقوع ہو یا عدمِ وقوع؛ ہر دو صورت میں امکان کہلاتا ہے۔

تو پتہ چلا کہ جہاں پر ضروریہ مطلقہ ہوگا وہاں پر دائمہ مطلقہ ضرور ہوگا اور جہاں ر دائمہ مطلقہ ہوگا تو وہاں پر ضروریہ مطلقہ کا ہونا ضروری نہیں؛ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا، تو اس طرح ان کے بیچ عموم و خصوص مطلق کی نسبت ثابت ہوگئی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

محل امتحان نمبر (۷۴)، قطبی: ص/۱۰۰

(سالانہ امتحان ۱۴۲٦ھ)

(الف) عبارت بااعراب: اَلْعُرُفِيَّةُ الْخَاصَّةُ، وَ هِيَ الْعُرُفِيَّةُ الْعَامَّةُ مَعَ قَيْدِ اللَّادَوَامِ بِحَسْبِ الذَّاتِ، وَهِيَ إِنْ كَانَتْ مُوْجِبَةً كَانَ تَرْكِيْبُهَا مِنْ مُوْجِبَةٍ عُرْفِيَّةٍ عَامَّةٍ، وَسَالِبَةٍ مُطْلَقَةٍ عَامَّةٍ، وَ إِنْ كَانَتْ سَالِبَةً فَتَرْكِيْبُهَا مِنْ سَالِبَةٍ عُرْفِيَّةٍ عَامَّةٍ وَ مُوْجِبَةٍ مُطْلَقَةٍ عَامَّةٍ.

(الف) اعراب لگائیے۔ (ب) ترجمہ کیجیے۔ (ج) مطلب لکھئے۔

جواب

(ب) ترجمہ:

(قضیہ موجہہ مرکبہ میں سے دوسرا) قضیہ عرفیہ خاصہ ہے اور وہ وہ عرفیہ عامہ ہے کہ جو لا دوام بحسب الذات کی قید سے مقید ہو اور وہ اگر موجبہ ہے تو اس کی ترکیب ایک موجبہ عرفیہ عامہ اور ایک سالبہ مطلقہ عامہ سے ہوگی اور اگر وہ سالبہ ہے تو اس کی ترکیب ایک سالبہ عرفیہ عامہ اور ایک موجبہ مطلقہ عامہ سے ہوگی۔

(ج) مطلب:

مذکورہ عبارت میں قضایا موجہہ مرکبہ جو کہ سات ہیں؛ میں سے دوسرے قضیہ کا ذکر ہے، اولاً اس کی تعریف کی گئی ہے، پھر اس کی ترکیب کو ذکر کیا گیا ہے، یعنی اس سے اجزائے ترکیبی کون کون ہوں گے؟ اس کو بیان کیا گیا ہے؛ چناں چہ عرفیہ خاصہ کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عرفیہ خاصہ: وہ قضیہ عرفیہ عامہ ہے جو لا دوام ذاتی سے مقید ہو، یعنی موجبہ بسیطہ عرفیہ عامہ کو لا دوام ذاتی سے مقید کر دیا جائے تو عرفیہ خاصہ ہو جائے گا، جیسے: كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْأَصَابِعِ بِالدَّوَامِ مَادَامَ كَاتِبًا لَا دَائِمًا.

اجزائے ترکیبی: عرفیہ خاصہ کے اجزائے ترکیبی دو قضیے ہوتے ہیں:

(۱) قضیہ عرفیہ عامہ (۲) مطلقہ عامہ

پھر قضیہ موجہہ مرکبہ کے ایجاب وسلب کا مدار پہلے جزء پر ہوتا ہے؛ اس لیے اگر عرفیہ خاصہ موجبہ ہو تو اس کا پہلا جزء یعنی عرفیہ عامہ موجبہ ہوگا اور دوسرا جزء مطلقہ عامہ سالبہ ہوگا اور اگر قضیہ عرفیہ خاصہ سالبہ ہو تو پہلا جزء قضیہ عرفیہ عامہ سالبہ ہوگا اور دوسرا جزء مطلقہ عامہ موجبہ ہوگا۔

عرفیہ خاصہ موجبہ کی مثال: "كُلُّ كَاتِبٍ مُتَحَرِّكُ الْأَصَابِعِ بِالدَّوَامِ مَادَامَ كَاتِبًا لَادَائِمًا" أَيْ "لَاشَيْءَ مِنَ الْكَاتِبِ بِمُتَحَرِّكِ الْأَصَابِعِ **بِالْفِعْلِ**".

عرفیہ خاصہ سالبہ کی مثال: "لَاشَيْءَ مِنَ الْكَاتِبِ بِسَاكِنِ الْأَصَابِعِ بِالدَّوَامِ مَادَامَ سَاكِنًا لَادَائِمًا" أَيْ "كُلُّ كَاتِبٍ سَاكِنُ الْأَصَابِعِ **بِالْفِعْلِ**".

محلِ امتحان نمبر (۷۵)، قطبی: ص/۱۰۲

(سالانہ امتحان ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: الـرَّابِـعَةُ الْـوُجُـوْدِيَّةُ اللَّادَائِمَةُ، وَهِيَ الْـمُطْلَقَةُ الْعَامَّةُ مَعَ قَيْدِ اللَّادَوَامِ بِحَسْبِ الذَّاتِ، وَ هِيَ سَوَاءٌ كَـانَـتْ مُـوْجِبَةً أَوْ سَـالِبَةً، فَتَـرْكِيْبُهَـا مِنْ مُطْلَقَتَيْنِ عَـامَّتَيْنِ، إِحْدَاهُمَا مُوْجِبَةٌ وَالْأُخْرىٰ سَالِبَةٌ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مطلب لکھیں، مطلقہ عامہ کی تعریف اور مثال لکھ کر بتایئے کہ لا دوام بحسب الذات سے کس قضیہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے؟ اس کو مثال سے سمجھایئے، وجودیہ لا دائمہ کی تعریف کیجیے اور موجبہ سالبہ کی مثال دے کر سمجھایئے کہ وجودیہ لا دائمہ دو مطلقہ عامہ سے کیسے مرتب ہوتا ہے؟

(د) بتایئے کہ وجودیہ لا دائمہ اور وجودیہ لا ضروریہ میں کون سی نسبت ہے؟

جواب

(ب) ترجمہ:

چوتھا قضیہ موجہہ مرکبہ وجودیہ لا دائمہ ہے اور وہ ایسا مطلقہ عامہ ہے جو لا دوام بحسب الذات کی قید سے مقید ہو اور وہ برابر ہے کہ چاہے موجبہ ہو یا سالبہ ہو، پس اس وجودیہ لا دائمہ کی ترکیب ایسے دو مطلقہ عامہ سے ہوتی ہے جن میں سے ایک موجبہ ہوتا ہے اور دوسرا سالبہ۔

(ج) مطلب مع دیگر جزئیات:

قضایا موجہہ مرکبہ میں سے ماتن نے اس عبارت میں چوتھے قضیہ کو بیان کیا ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں کہ چوتھا قضیہ موجہہ مرکبہ کا نام وجودیہ لا دائمہ ہے اور وجودیہ لا دائمہ اس مطلقہ عامہ بسیطہ کو کہتے ہیں جس کو لا دوام ذاتی سے مقید کر دیا جائے، یعنی یہ مطلقہ عامہ ہی وجودیہ لا دائمہ بن جاتا ہے، جب کہ اس میں لا دوام ذاتی کی قید لگ جائے۔ اور مطلقہ عامہ کہتے ہیں اس قضیہ کو جس میں ذاتِ موضوع کے لیے ثبوتِ محمول یا ذاتِ موضوع سے سلب محمول کا حکم بالفعل لگایا گیا ہو، بالفعل حکم لگنے کا مطلب یہ ہے کہ ثبوت یا نفی محمول تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں کی گئی ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ (ہر انسان بالفعل سانس لیتا ہے) یعنی انسان کسی بھی ایک زمانہ میں سانس ضرور لیتا ہے،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ مطلقہ عامہ ہے، اب اسی کے آگے لا بالدوام الذاتی کی قید لگادیں گے تو یہی ''وجودیہ لا دائمہ'' بن جائے گا، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ لَا بِالدَّوَامِ الذَّاتِيِّ.

پھر چوں کہ لا دوام ذاتی سے مطلقہ عامہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور مطلقہ عامہ ہی کو لا دوام سے مقید کیا جاتا ہے تو ''وجودیہ لا دائمہ'' دو مطلقہ عامہ قضیوں کا مجموعہ ہوتا ہے، خواہ یہ موجبہ ہو یا سالبہ ہو، ہاں! البتہ اگر یہ موجبہ ہے تو لا دوام سے دوسرا قضیہ جو برآمد ہوگا وہ سالبہ ہوگا، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ لَا بِالدَّوَامِ الذَّاتِيِّ، أَيْ لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْفِعْلِ. اور اگر یہ قضیہ سالبہ ہے تو دوسرا قضیہ موجبہ ہوگا، جیسے: لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِمُتَنَفِّسٍ بِالْفِعْلِ لَا بِالدَّوَامِ، أَيْ كُلُّ إِنْسَانٍ مُتَنَفِّسٌ بِالْفِعْلِ.

(د) وجودیہ لا دائمہ اور وجودیہ لاضروریہ کے درمیان نسبت:

وجودیہ لا دائمہ اور وجودیہ لاضروریہ کے درمیان نسبت عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، وجودیہ لا دائمہ اخص اور وجودیہ لاضروریہ اعم مطلق ہے۔

محل امتحان نمبر (۷۶)، قطبی: ص/۱۰۸

(سالانہ امتحان ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: أَمَّا اللُّزُومِيَّةُ فَهِيَ الَّتِي يُحْكَمُ بِصِدْقِ التَّالِي فِيْهَا عَلٰى تَقْدِيْرِ صِدْقِ الْمُقَدَّمِ لِعَلَاقَةٍ بَيْنَهُمَا تُوْجِبُ ذٰلِكَ، وَالْمُرَادُ بِالْعَلَاقَةِ شَيْءٌ بِسَبَبِهٖ تَسْتَصْحِبُ الْأُوْلٰى الثَّانِيَةَ كَالْعِلِّيَّةِ وَالتَّضَايُفِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔ (ج) تشریح کریں۔

(د) بتائیے کہ یہ تعریف لزومیہ کاذبہ کو شامل ہے یا نہیں؟ وضاحت کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

بہر حال لزومیہ پس وہ وہ قضیہ ہے کہ جس قضیہ میں مقدم کے صدق کی تقدیر پر تالی کے صدق کا حکم دونوں کے درمیان موجود کسی ایسے علاقہ کی وجہ سے لگایا جائے جو علاقہ اس حکم کو واجب کرتا ہو اور مراد علاقہ سے ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے پہلا قضیہ (مقدم) دوسرے قضیہ (تالی) کی مصاحبت کو چاہے (ساتھ ساتھ رہنے کا تقاضہ کرے) جیسے: عِلّیت اور تضایُف۔

(ج) تشریح:

قضیہ شرطیہ کی اوّلاً دو قسمیں ہیں: (۱) متصلہ (۲) منفصلہ

پھر شرطیہ متصلہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) لزومیہ (۲) اتفاقیہ

تو مذکورہ عبارت میں قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ کی تعریف ذکر کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ متصلہ لزومیہ اس قضیہ کو کہتے ہیں جس قضیہ میں اس کے مقدم و تالی کے درمیان کوئی تعلق ہو اور وہ تعلق دونوں کے بیچ اتصال کو چاہتا ہو تو اس تعلق اور مناسبت ہی کی وجہ سے اتصال کا حکم لگایا گیا ہو، یعنی مقدم کو مان لینے کی صورت پر تالی کے ماننے کا حکم لگایا جا رہا ہو، جیسے: "إِنْ كَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ" (اگر سورج طلوع ہوگا تو دن موجود ہوگا) یہاں پر یہ قضیہ متصلہ لزومیہ ہے؛ کیونکہ طلوعِ شمس (مقدم) اور وجودِ نہار (تالی) کے درمیان تعلق کی وجہ سے اتصال کا حکم لگایا جا رہا ہے، یعنی طلوعِ شمس کی تقدیر پر وجودِ نہار کا حکم لگایا جا رہا ہے۔

وَالْمُرَادُ بِالْعِلَاقَةِ إلخ: یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے علاقہ کی تعریف کی ہے کہ علاقہ ایسی چیز کا نام ہے جس کے سبب سے ایک شئ (مقدم) دوسری شئ (تالی) کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اپنے ساتھ ساتھ رہنے کا تقاضہ کرے، یعنی ایک چیز دوسری چیز کے حصول کا تقاضہ کرے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) علاقۂ علّیت (۲) علاقۂ تضایف

علاقۂ علیت: کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز دوسری چیز کے وجود وحصول کا باعث اور علت ہو، جیسے: "إِنْ كَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ" میں طلوعِ شمس وجودِ نہار کی علت ہے۔

علاقۂ تضایف: کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں میں ایسا تعلق ہو کہ ان میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو، جیسے: إِنْ كَانَ زَيْدٌ أَبًا لِعَمْرٍو، فَعَمْرٌو ابْنٌ لَهُ (اگر زید عمرو کا باپ ہے تو عمرو زید کا بیٹا ہوگا) یہاں پر علاقۂ تضایف ہے؛ کیوں کہ زید کا باپ ہونا عمرو کے بیٹا ہونے پر اور عمرو کا بیٹا ہونا زید کے باپ ہونے پر موقوف ہے۔

پھر علاقۂ علیت کی تین قسمیں اور کی جاتی ہیں۔

(۱) مقدم اپنے تالی کے لیے علت ہو، جیسے: إِنْ كَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ. یہاں پر طلوعِ شمس علت ہے وجودِ نہار کے لیے۔

(۲) تالی اپنے مقدم کے لیے علت ہو، جیسے: إِنْ كَانَ النَّهَارُ مَوْجُوْدًا فَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ (اگر دن ہوگا تو سورج نکلے گا) یہاں پر طلوعِ شمس تالی بن رہا ہے جو علت ہے وجودِ نہار مقدم کے لیے۔

(۳) مقدم اور تالی دونوں کی علت کوئی تیسری چیز ہو اور یہ دونوں اس کا معلول ہوں، جیسے: كُلَّمَا كَانَ النَّهَارُ مَوْجُوْدًا كَانَ الْعَالَمُ مُضِيْئًا (جب جب بھی دن موجود ہوگا تو عالم روشن ہوگا) یہاں پر وجودِ نہار (مقدم) اور اضاعتِ عالم (تالی) دونوں کی علت تیسری چیز طلوعِ شمس ہے۔

پھر متصلہ لزومیہ دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) لزومیہ صادقہ (۲) لزومیہ کاذبہ

لزومیہ صادقہ: وہ قضیہ لزومیہ ہے جس میں اتصال کا حکم حقیقت اور نفس الامر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے اعتبار سے ہو، یعنی یہ اتصال کا حکم نفس الامر کے مطابق ہو، جیسے: "كَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُوْدٌ"، یہاں پر طلوعِ شمس اور وجودِ نہار میں اتصال کا حکم واقع اور نفس الامر کے مطابق ہے۔

لزومیہ کاذبہ: وہ ہے جس میں یہ اتصال کا حکم واقع کے مطابق نہ ہو، جیسے: "لَيْسَ اَلْبَتَّةَ كُلَّمَا كَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَاللَّيْلُ مَوْجُوْدٌ (ایسا ہرگز نہیں کہ جب جب بھی سورج نکلے گا تو رات موجود ہو) یہاں پر طلوعِ شمس اور وجودِ لیل میں اتصال کا حکم (جس کی نفی ہو رہی ہے) واقع نہیں ہے۔

(د) یہ تعریف لزومیہ کاذبہ کو شامل ہے یا نہیں؟

تو متصلہ لزومیہ کی مذکورہ تعریف لزومیہ کاذبہ کو شامل نہیں ہے؛ کیونکہ اس تعریف سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مقدم کے صدق کی تقدیر پر تالی کے صدق کا حکم واقع اور نفس الامر کے مطابق ہو، اس کو لزومیہ کہتے ہیں اور لزومیہ کاذبہ میں حکم واقع کے مطابق نہیں ہوتا، تو اس لیے یہ تعریف کاذبہ کو شامل نہیں ہے۔

محل امتحان نمبر (۷۷)، قطبی: ص/۱۱۱

(سالانہ امتحان ۱۴۲۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَكُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ إِمَّا عِنَادِيَّةٌ وَهِيَ الَّتِي يَكُوْنُ التَّنَافِي فِيْهَا لِذَاتَيِ الْجُزْئَيْنِ كَمَا فِي الْأَمْثِلَةِ الْمَذْكُوْرَةِ، وَإِمَّا اتِّفَاقِيَّةٌ، وَهِيَ الَّتِي يَكُوْنُ التَّنَافِي فِيْهَا بِمُجَرَّدِ الْاِتِّفَاقِ، كَقَوْلِنَا لِلْأَسْوَدِ اللَّاكَاتِبِ: إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا أَسْوَدَ أَوْ كَاتِبًا حَقِيْقَةً، أَوْلَا أَسْوَدَ أَوْ كَاتِبًا مَانِعَةُ الْجَمْعِ، أَوْ أَسْوَدَ أَوْ لَا كَاتِبًا مَانِعَةُ الْخُلُوِّ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مطلب بیان کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

اوران تین میں سے ہرایک یا تو عنادیہ ہوتا ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں منافات کا حکم (قضیہ کے) دونوں جزء کی ذات کی وجہ سے ہو جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے اور یا اتفاقیہ ہوتا ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں منافات محض اتفاق کی وجہ سے ہو، جیسے ہمارا قول اسود لا کاتب شخص کے لیے: ''إِمَّاأَنْ يَكُوْنَ هٰذَا أَسْوَدَأَوْ كَاتِبًا'' (یہ شخص یا تو اسود (کالا) ہے یا کاتب ہے) قضیہ حقیقیہ ہے، یا (یہ کہنا کہ) یہ شخص یا تو لا اسود ہے یا کاتب ہے، قضیہ مانعۃ الجمع ہے، یا (یہ کہنا کہ) یہ شخص یا تو اسود ہے یا لا کاتب ہے قضیہ مانعۃ الخلو ہے۔

(ج) مطلب بیان کریں:

قضیہ منفصلہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو

مذکورہ عبارت میں ماتن رحمہ اللہ ان تین میں سے ہرایک کی دو دو قسمیں اور بتا رہے ہیں: (۱) عنادیہ (۲) اتفاقیہ

تو اس طرح کل ملا کر چھ قسمیں ہو جائیں گی: حقیقیہ عنادیہ، حقیقیہ اتفاقیہ، مانعۃ الجمع عنادیہ، مانعۃ الجمع اتفاقیہ، مانعۃ الخلو عنادیہ، مانعۃ الخلو اتفاقیہ

قضیہ عنادیہ: وہ قضیہ ہے جس میں منافات کا حکم دونوں جزء یعنی مقدم وتالی کی ذات کی وجہ سے لگایا گیا ہو، یعنی مقدم وتالی کی ذات ہی انفصال اور جدائیگی کو چاہتی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو، اپنی ذات کی وجہ ہی سے دونوں ایک جگہ جدا یا جمع نہ ہوسکتے ہوں، جیسے ماقبل میں جو مثالیں تینوں اقسام کی گزری ہیں وہ سب عنادیہ ہی کی ہیں، مثلاً: "هٰذَا الْعَدَدُ إِمَّا زَوْجٌ أَوْ فَرْدٌ" (یہ عدد یا تو زوج ہے یا فرد ہے)، یہ حقیقیہ عنادیہ ہے کہ دونوں (زوج وفرد) کی ذات ہی منافات کو چاہتی ہے، ایک ساتھ دونوں نہ تو جمع ہوسکتے ہیں اور نہ ہی جدا ہوسکتے ہیں اور جیسے: "هٰذَا الشَّيْءُ إِمَّا شَجَرٌ أَوْ حَجَرٌ" (یہ چیز یا تو شجر ہے یا حجر ہے)، یہ مانعۃ الجمع عنادیہ ہے کہ شجر وحجر کی ذات ہی منافات کو چاہتی ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے؛ البتہ جدا ہوسکتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز شجر وحجر کچھ بھی نہ ہو، جیسے: انسان وغیرہ اور جیسے: "إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ زَيْدٌ فِي الْبَحْرِ أَوْ أَنْ لَا يَغْرِقَ" (زید یا تو دریا میں ہے یا ڈوبنے والا نہیں ہے)، یہ مانعۃ الخلو عنادیہ ہے کہ زید کا دریا میں ہونا اور نہ ڈوبنا دونوں کی ذات ہی منافات کو چاہتی ہے کہ یہ دونوں ایک ساتھ جدا نہیں ہوسکتے (کہ زید دریا میں نہ ہو، بلکہ باہر خشکی میں ہو اور ڈوب جائے) البتہ جمع ہوسکتے ہیں کہ زید دریا میں ہو اور نہ ڈوبے؛ بلکہ تیر تا رہے۔

قضیہ اتفاقیہ: وہ قضیہ منفصلہ ہے جس میں منافات کا حکم مقدمہ وتالی کی ذات کی وجہ سے نہ ہو؛ بلکہ اتفاقی ہو، یعنی دونوں کی ذات تو منافات وانفصال کو نہیں چاہتی؛ لیکن اتفاقی طور پر مقدم وتالی میں منافات بیان کی جارہی ہے، جیسے مثال کے طور پر ایک آدمی "أَسْوَدُ لَا كَاتِبٌ" ہے، یعنی رنگ کا سیاہ ہے اور لکھنا نہیں جانتا ہے، تو اس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے: "إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا أَسْوَدَ أَوْ كَاتِبًا" (یہ آدمی یا تو کالا ہے یا کاتب ہے) تو یہ قضیہ حقیقیہ اتفاقیہ ہوگا؛ کیوں کہ اس آدمی میں سواد اور کتابت دونوں نہ تو جمع ہوسکتے ہیں؛ کیوں کہ یہ غیر کاتب ہے اور نہ ہی دونوں جدا ہوسکتے ہیں؛ کیوں کہ سواد موجود ہے (اس لیے تو حقیقیہ ہے) اور سواد وکتابت میں ذاتی طور پر منافات نہیں ہے؛ کیوں کہ حبشی کاتب میں دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں؛ بلکہ یہاں اتفاقی طور پر منافات فی الصدق والکذب پائی جارہی ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(اس لیے اتفاقیہ ہے)۔ اور اگر اس ''اسود لا کاتب'' کے سلسلہ میں یوں کہا جائے: ''إمَّا أنْ يَكُوْنَ هٰذَا لَاأَسْوَدَ أَوْ كَاتِبًا'' (یہ آدمی یا تو غیر اسود ہے یا کاتب ہے) تو یہ قضیہ مانعۃ الجمع اتفاقیہ ہوگا؛ کیونکہ اس آدمی کے اندر لاسواد و کتابت دونوں جمع نہیں ہوسکتے؛ کیوں کہ یہ اس کے برخلاف ''اسود لا کاتب'' مفروض ہے؛ البتہ دونوں جدا ہوسکتے ہیں؛ کیوں کہ یہ آدمی حقیقتِ فرضیہ کے اعتبار سے ''لااسود'' نہیں؛ بلکہ ''اسود'' ہے اور ''کاتب'' نہیں؛ بل کہ ''لا کاتب'' ہے (اس لیے مانعۃ الجمع ہے) اور ''لاسواد و کتابت'' میں ذاتی طور پر منافات نہیں ہے؛ کیونکہ ''رومی کاتب'' (گورے رنگ کے کاتب شخص میں لاسواد اور کتابت دونوں جمع ہوتی ہیں) میں دونوں چیزیں جمع ہوجاتی ہیں؛ بلکہ یہاں پر اتفاقی طور پر منافات فی الصدق فقط پائی جارہی ہے (اس لیے اتفاقیہ ہے) اور اگر اس ''اسود لا کاتب'' کے سلسلہ میں یوں کہا جائے: ''إمَّا أنْ يَكُوْنَ هٰذَا أَسْوَدَ أَوْلَا كَاتِبًا'' (یہ آدمی یا تو کالا ہے یا غیر کاتب ہے) تو یہ مانعۃ الخلو اتفاقیہ ہوگا؛ کیوں کہ اس آدمی کے اندر سے دونوں چیزوں (اسود، لا کاتب) کا انتفا نہیں ہوسکتا؛ بل کہ ایک نہ ایک ضرور ہوگا؛ کیوں کہ یہ آدمی ''اسود و لا کاتب'' ہی مفروض کیا گیا ہے؛ البتہ دونوں کا اجماع ہوسکتا ہے اور ہے؛ کیوں کہ یہ ''اسود'' اور ''لا کاتب'' ہی ہے (اس لیے مانعۃ الخلو ہے) اور ''اسود و لا کاتب'' میں ذاتی طور پر منافات نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ''حبشی غیر کتاب'' میں جمع ہوتی ہیں؛ البتہ اتفاقی طور پر یہاں پر منافات فی الکذب فقط پائی جارہی ہے (اس لیے یہ اتفاقیہ ہے)۔

محل امتحان نمبر (۷۸)، قطبی: ص/۱۱۴

(سالانہ امتحان ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: اَلْمُنْفَصِلَةُ الْمُوْجِبَةُ الْحَقِيْقِيَّةُ تَصْدُقُ عَنْ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ، وَتَكْذِبُ عَنْ صَادِقَيْنِ وَكَاذِبَيْنِ، وَمَانِعَةُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الْجَمْعِ تَصْدُقُ عَنْ كَاذِبَيْنِ وَعَنْ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ، وَتَكْذِبُ عَنْ صَادِقَيْنِ، وَمَانِعَةُ الْخُلُوِّ تَصْدُقُ عَنْ صَادِقَيْنِ وَعَنْ صَادِقٍ وَ كَاذِبٍ، وَتَكْذِبُ عَنْ كَاذِبَيْنِ.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) حسبِ بیانِ شارح عبارت کی تشریح کرتے ہوئے منفصلہ موجبہ کی تینوں قسموں کی تعریف اور عبارت کی ترتیب کے مطابق ہر ایک کی مثال تحریر کریں۔

جواب

(ب) ترجمہ:

منفصلہ موجبہ حقیقیہ سچا ہوتا ہے ایک صادق اور ایک کاذب سے اور جھوٹا ہوتا ہے دو صادق اور دو کاذب سے۔ اور مانعۃ الجمع سچا ہوتا ہے دو کاذب اور ایک صادق اور ایک کاذب سے اور جھوٹا ہوتا ہے دو صادق سے، اور مانع الخلو سچا ہوتا ہے دو صادق سے اور ایک صادق وایک کاذب سے اور جھوٹا ہوتا ہے دو کاذب سے۔

(ج) حسبِ بیانِ شارح عبارت کی تشریح اور منفصلہ موجبہ کی تینوں قسموں کی تعریف نیز عبارت کی ترتیب کے مطابق ہر ایک کی مثال:

قضیہ منفصلہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو

پھر ان میں سے ہر ایک کی ترکیبی اعتبار سے تین تین صورتیں ہیں:

(۱) قضیہ کے دونوں طرف (مقدم وتالی) صادق ہوں۔

(۲) قضیہ کے دونوں طرف (مقدو تالی) کاذب ہوں۔

(۳) قضیہ کے دونوں (مقدم وتالی) میں سے ایک صادق ہو اور ایک کاذب ہو۔

تو ان تین صورتوں میں سے منفصلہ موجبہ حقیقیہ تیسری صورت میں صادق ہوگا اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

باقی دوصورتوں میں کاذب ہوگا اور منفصلہ موجبہ مانعۃ الجمع دوسری وتیسری صورت میں صادق ہوگا اور ایک پہلی صورت میں کاذب ہوگا اور مانعۃ الخلو پہلی اور تیسری صورت میں صادق ہوگا اور ایک صورت (دوسری) میں کاذب ہوگا۔

مزید تفصیل مع امثلہ:

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قضیہ منفصلہ حقیقیہ اس کو کہتے ہیں جس میں مقدم و تالی کے بیچ انفصال کا حکم صدق وکذب ہر دو طرح سے لگایا گیا ہو، یعنی مقدم وتالی ایک ساتھ جمع بھی نہیں ہوسکتے اور ایک ساتھ جدا بھی نہیں ہوسکتے؛ بلکہ ان میں سے ایک ہوگا؛ لہٰذا اگر قضیہ حقیقیہ کی ترکیب ایک صادق اور ایک کاذب قضیہ سے ہوگی تو اس صورت میں یہ قضیہ حقیقیہ صادق ہوگا؛ کیوں کہ قضیہ حقیقیہ میں یہی مطلوب ہوگا ہے، جیسے: إِمَّا أَنْ یَکُوْنَ ھٰذَا الْعَدَدُ زَوْجًا أَوْغَیْرَ زَوْجٍ (کہ یہ عدد یا تو زوج ہے یا غیر زوج ہے)، یہاں پر "ھٰذا الْعَدَدُ زَوْجٌ" اور "ھٰذَا الْعَدَدُ غَیْرُ زَوْجٍ" میں سے ایک صادق اور ایک کاذب ہے؛ لہٰذا یہ قضیہ حقیقیہ سچا ہے۔

اور اگر قضیہ حقیقیہ کی ترکیب دو صادق یا دو کاذب سے ہو تو یہ قضیہ حقیقیہ کاذب ہوگا؛ کیوں کہ دو صادق سے ترکیب کی صورت میں دونوں طرف (مقدم وتالی) حقیقت کے اعتبار سے صادق ہوں گے، یعنی ایک ساتھ جمع ہوں گے اور دو کاذب سے ترکیب کی صورت میں دونوں طرف کاذب، یعنی ایک ساتھ جدا ہوں گے؛ حالانکہ قضیہ حقیقیہ میں دونوں طرف کا ایک ساتھ اجتماع یا ارتفاع مطلوب نہیں ہوتا؛ بلکہ ایک کا سلب ایک کا وجود مطلوب ہوتا ہے۔

دو صادق سے ترکیب کی مثال، جیسے: "إِمَّا أَنْ یَکُوْنَ الْأَرْبَعَۃُ زَوْجًا أَوْ مُنْقَسِمَۃً بِمُتَسَاوِیَیْنِ" (چار یا تو جفت ہے یا تقسیم ہونے والا ہے دو برابر حصوں پر) یہاں پر "اَلْأَرْبَعَۃُ زَوْجٌ" اور "اَلْأَرْبَعَۃُ مُنْقَسِمَۃٌ بِمُتَسَاوِیَیْنِ" یہ مقدم وتالی ہیں جو صادق ہیں؛ لہٰذا یہ قضیہ حقیقیہ کاذب ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دو کاذب سے ترکیب کی مثال، جیسے: "إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ الثَّلَاثَةُ زَوْجًا أَوْ مُنْقَسِمَةً بِمُتَسَاوِيَيْنِ" (تین یا تو جفت ہے یا دو برابر حصوں پر تقسیم ہونے والا ہے) یہاں پر "اَلثَّلَاثَةُ زَوْجٌ" اور "الثَّلَاثَةُ مُنْقَسِمَةٌ بِمُتَسَاوِيَيْنِ" کاذب ہیں؛ لہٰذا یہ قضیہ حقیقیہ کاذب ہے۔

اور قضیہ منفصلہ مانعۃ الجمع اس کو کہتے ہیں جس میں انفصال کا حکم صرف صدق کے اعتبار سے لگایا گیا ہو، یعنی اس کے مقدم و تالی ایک ساتھ جمع تو نہیں ہو سکتے؛ بلکہ صرف ایک ہوگا؛ البتہ ایک ساتھ جدا ہو سکتے ہیں؛ لہٰذا اگر قضیہ منفصلہ مانعۃ الجمع کی ترکیب دو کاذب یا ایک صادق و ایک کاذب سے ہو تو یہ سچا ہوگا؛ کیونکہ دونوں صورتوں میں دونوں کا ایک ساتھ اجتماع ممکن نہیں؛ البتہ دو کاذب سے ترکیب کی صورت میں دونوں کا ارتفاع ممکن ہے اور مانعۃ الجمع میں یہی مطلوب ہوتا ہے۔

دو کاذب سے ترکیب کی مثال، جیسے: إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ زَيْدٌ شَجَرًا أَوْ حَجَرًا (زید یا تو شجر ہے یا حجر ہے) یہاں پر "زَيْدٌ شَجَرٌ" "زَيْدٌ حَجَرٌ" دونوں کاذب ہیں؛ لہٰذا یہ مانعۃ الجمع صادق ہوگا۔

ایک صادق و ایک کاذب سے ترکیب کی مثال: إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ زَيْدٌ إِنْسَانًا أَوْ حَجَرًا (زید یا تو انسان ہے یا حجر ہے) یہاں پر "زَيْدٌ إِنْسَانٌ" "زَيْدٌ حَجَرٌ" مقدم و تالی ہیں اور "زَيْدٌ إِنْسَانٌ" صادق ہے، "زَيْدٌ حَجَرٌ" کاذب ہے، لہٰذا یہ قضیہ منفصلہ مانعۃ الجمع صادق ہے۔

اور قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو اس کو کہتے ہیں جس کے مقدم و تالی کے بیچ انفصال کا حکم صرف کذب کے اعتبار سے لگایا جائے، یعنی دونوں طرف کا ارتفاع نہیں ہو سکتا؛ بلکہ ایک ضرور ہوگا؛ البتہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے؛ لہٰذا اگر قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو کی ترکیب دو صادق یا ایک صادق و ایک کاذب سے ہو تو یہ قضیہ سچا ہوگا؛ کیونکہ دونوں طرف میں سے ایک نہ ایک ضرور ہوگا؛ بلکہ دو صادق سے ترکیب کی صورت میں دونوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طرف کا اجتماع تو ہوگا، ارتفاع نہ ہوگا اور مانعۃ الخلو میں یہی مطلوب ہے۔

دو صادق سے ترکیب کی مثال، جیسے: إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ زَيْدٌ لَا حَجَرًا وَلَا شَجَرًا (زید یا تو لا حجر ہے یا لا شجر ہے) یہاں پر "زَيْدٌ لَا حَجَرٌ" "زَيْدٌ لَا شَجَرٌ" دونوں صادق ہیں؛ لہٰذا یہ مانعۃ الخلو سچا ہے۔

ایک صادق و ایک کاذب سے ترکیب کی مثال، جیسے: إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ زَيْدٌ حَجَرًا أَوْ إِنْسَانًا (زید یا تو حجر ہے یا انسان ہے) یہاں پر "زَيْدٌ حَجَرٌ" کاذب ہے اور "زَيْدٌ إِنْسَانٌ" صادق ہے؛ لہٰذا یہ سچا ہے۔

اور اگر دو کاذب سے مانعۃ الخلو کی ترکیب ہو تو یہ قضیہ کاذبہ ہوگا؛ کیوں کہ دونوں طرف کے کاذب ہونے کی صورت میں دونوں کا ارتفاع ہوگا؛ حالانکہ مانعۃ الخلو میں دونوں کا ارتفاع نہیں ہوتا، جیسے اس کی مثال: إِمَّا أَنْ يَكُوْنَ زَيْدٌ لَا إِنْسَانًا أَوْ لَا نَاطِقًا (زید تو لا انسان ہے یا لا ناطق ہے) یہاں پر "زَيْدٌ لَا إِنْسَانٌ" اور "زَيْدٌ لَا نَاطِقٌ" دونوں کاذب ہیں؛ لہٰذا یہ قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو کاذبہ ہے۔

محلِ امتحان نمبر (۷۹)، قطبی: ص/۱۲۱

(سالانہ امتحان ۱۴۱۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: اَلتَّنَاقُضُ: وَحَدُّوْهُ بِأَنَّهُ اخْتِلَافُ قَضِيَّتَيْنِ بِالْإِيْجَابِ وَالسَّلْبِ بِحَيْثُ يَقْتَضِيْ لِذَاتِهِ أَنْ يَكُوْنَ إِحْدَاهُمَا صَادِقَةً وَالْأُخْرٰى كَاذِبَةً.

(الف) اعراب لگائیں۔ (ب) ترجمہ کریں۔

(ج) مطلب اس انداز سے لکھیں کہ تناقض کی تعریف واضح ہو جائے، تناقض کے ثبوت کے لیے کتنی شرطیں ہیں لکھیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب

(ب) ترجمہ:

''تناقض'' اور مناطقہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ تناقض دو قضیوں کا ایجاب وسلب میں اس طرح مختلف ہونا ہے کہ وہ اپنی ذات کی وجہ سے اس بات کا تقاضا کرے کہ ان میں سے ایک سچا ہو اور دوسرا جھوٹا۔

(ج) مطلب، تناقض کی تعریف اور تناقض کے ثبوت کی شرطیں:

ماقبل میں ماتن رحمہ اللہ نے قضیہ کی تعریف اور اس کی اقسام ذکر کی ہیں، جب ان تمام چیزوں سے ماتن رحمہ اللہ فراغت پا چکے تو اب قضیہ کے کچھ احکام اور اس کے لواحقات کو بیان فرما رہے ہیں؛ چنانچہ سب سے پہلے تناقض کا بیان شروع کیا ہے۔

تناقض: تفاعل کا مشہور ومعروف مصدر ہے، جس کے لغوی معنی آتے ہیں: ''ایک دوسرے کو باطل قرار دینا''۔ اور تناقض کی اصطلاحی تعریف مذکورہ عبارت میں بیان کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تناقض منطق کی اصطلاح میں نام ہے دو قضیوں کا ایجاب وسلب میں اس طرح مختلف ہونا کہ یہ اختلاف بلا واسطہ اور براہِ راست ان دو قضیوں میں سے ایک کے سچا اور دوسرے کے جھوٹا ہونے کا تقاضا کرے، یعنی اگر پہلا قضیہ سچا ہو تو دوسرا جھوٹا ہو، یا اگر پہلا جھوٹا ہو تو دوسرا سچا ہو، مثلاً: ''زَيْدٌ قَائِمٌ'' اور ''زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ'' میں ایجاب وسلب کے اعتبار سے اختلاف ہے کہ اوّل قضیہ موجبہ ہے اور دوسرا سالبہ ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے یہ بات طے ہے کہ ان میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہوگا، دونوں ایک ساتھ سچے نہیں ہو سکتے؛ ورنہ تو اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا اور ایک ساتھ دونوں جھوٹے بھی نہیں ہو سکتے؛ ورنہ تو ارتفاعِ نقیضین لازم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آئے گا اور یہ دونوں باتیں (اجتماع وارتفاعِ نقیضین) محال ہیں، تو یہاں پر دونوں قضیوں میں تناقض ہے۔

يقتضي لذاته کا فائدہ:

ماتن رحمہ اللہ نے تناقض کی تعریف میں کئی قید کا اضافہ کیا ہے، ان میں سے یہ آخری قید ہے، اس قید کے ذریعہ ماتن رحمہ اللہ تناقض کی تعریف کو مانع بنانا چاہتے ہیں؛ چناں چہ اس قید سے اختلاف بالواسطہ اور اختلاف بخصوص المادہ کو تناقض سے خارج کر دیا کہ اس طرح کے اختلافات کو تناقض نہیں کہیں گے۔

دراصل اختلاف النقیضین تین طرح کا ہوتا ہے:

(۱) اختلاف بالذات: (اختلافِ ذاتی) یعنی یہ اختلاف ذات اور صورت کی وجہ سے ایک قضیہ کے صدق اور دوسرے کے کذب کا تقاضا کرے، جیسے: زَيْدٌ قَائِمٌ اور زَيْدٌ لَيْسَ بِقَائِمٍ.

(۲) اختلاف بالواسطہ: یعنی یہ اختلاف شے کے لازم مساوی کے واسطہ سے ایک قضیہ کے صدق اور دوسرے کے کذب کا تقاضا کرے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک قضیہ میں جس شی کا ثبوت ہے تو دوسرے میں اسی کا سلب نہ ہو؛ بل کہ اس کے لازم مساوی کا سلب ہو، جیسے: "زَيْدٌ إِنْسَانٌ، زَيدٌ لَيْسَ بِنَاطِقٍ" یہاں پر ناطق کا سلب ہے جو کہ انسان کا لازم مساوی ہے۔

(۳) اختلاف بخصوص مادہ: یعنی اختلاف خصوص مادہ کی وجہ سے ایک قضیہ کے صدق اور دوسرے کے کذب کا تقاضا کرے، خصوص مادہ سے مراد محمول کا موضوع سے عام ہونا ہے، یعنی اس وجہ سے صدق وکذب کا یہ اختلاف تقاضا کر رہا ہے کہ محمول موضوع سے عام ہے، جیسے: "كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ، لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بِــحَیْــوَانٍ" یہاں پر اختلاف ہے اور ایک کے صدق دوسرے کے کذب کا یہ اختلاف تقاضا بھی کر رہا ہے؛ مگر یہ اس وجہ سے ہے کہ دونوں قضیوں میں (حیوان) محمول موضوع سے عام ہے، ان کی ذات کی وجہ سے یہ صدق و کذب کا تقاضا نہیں کر رہا ہے، ذات سے مراد کلیت اور جزئیت ہے، یعنی دونوں قضیے کلیہ ہیں، اس وجہ سے یہاں پر صدق و کذب کا تقاضا نہیں ہے، ورنہ تو پھر ہر اس جگہ جہاں پر دونوں قضیہ کلیہ ہوں اور ایجاب وسلب میں مختلف ہوں؛ ایک صادق اور ایک کاذب ہونا چاہئے؛ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا؛ بلکہ کبھی تو دونوں صادق ہوتے ہیں، جیسے:"بَـعْـضُ الْـحَیْوَانِ إِنْسَانٌ" اور "بَـعْضُ الْـحَیْـوَانِ لَیْسَ بِإِنْسَانٍ" ۔اور کبھی دونوں کاذب ہوتے ہیں، جیسے:"کُلُّ حَیْوَانٍ إِنْسَانٌ" اور لَاشَیْءَ مِنَ الْحَیْوَانِ بِإِنْسَانٍ".

تو ان میں سے صرف پہلا اختلاف تناقض کہلاتا ہے، باقی دو تناقض نہیں؛ کیونکہ یہ اختلاف گرچہ ایک کے صدق اور دوسرے کے کذب کا تقاضا کرتا ہے؛ مگر اختلاف بالواسطہ یا مخصوص مادہ تقاضا کرتا ہے، تو ان کو نکالنے کے لیے ماتن رحمہ اللہ نے "لِـذَاتِہٖ" کی قید کا اضافہ کیا ہے۔

شرائطِ تناقض عند المتقدمین در قضایا مخصوصہ:

متقدمین مناطقہ کے نزدیک دو مخصوصہ قضیوں میں تناقض کے ثبوت کے لیے آٹھ شرائط ہیں جو اس شعر میں مذکور ہیں:

در تناقض ہشت وحدت شرط داں — وحدتِ موضوع و محمول و مکاں
وحدتِ شرط و اضافت جزء و کل — قوۃ و فعل است در آخر زماں

(۱) دونوں مخصوصہ قضیوں کا موضوع ایک ہو، جیسے: زَیْدٌ قَائِمٌ، زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ.

(۲) دونوں کا محمول ایک ہو، جیسے: زَیْدٌ قَائِمٌ، زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۳) جگہ ایک ہو، جیسے: زَيْدٌ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ، زَيْدٌ لَيْسَ بِجَالِسٍ فِي الْمَسْجِدِ.

(۴) شرط ایک ہو، شرط سے مراد قید ہے، خواہ وہ حال ہو، تمیز ہو وغیرہ وغیرہ، جیسے: اَلشَّمْسُ مُضِيئَةٌ إِذَا طَلَعَتْ، الشَّمْسُ لَيْسَ بِمُضِيئَةٍ إِذَا طَلَعَتْ.

(۵) اضافت (نسبت) ایک ہو، جیسے: زَيْدٌ أَبُوْبَكْرٍ، زَيْدٌ لَيْسَ بِأَبِي بَكْرٍ.

(۶) کل اور جزء ایک ہو، یعنی دونوں جگہ حکم یا تو کل پر ہو یا جزء پر ہو، جیسے: الزَّنْجِيُّ أَسْوَدُ كُلُّهُ، الزَّنْجِيُّ لَيْسَ بِأَسْوَدَ كُلُّهُ.

(۷) دونوں میں قوت وفعل ایک ہو، یعنی دونوں جگہ یا تو حکم بالقوۃ ہو یا بالفعل ہو، جیسے: الْخَمْرُ مُسْكِرٌ بِالْقُوَّةِ، الْخَمْرُ لَيْسَ بِمُسْكِرٍ بِالْقُوَّةِ.

(۸) دونوں کا زمانہ ایک ہو، جیسے: زَيْدٌ نَائِمٌ فِي اللَّيْلِ، زَيْدٌ لَيْسَ بِنَائِمٍ فِي اللَّيْلِ.

اگر مذکورہ آٹھ شرائط میں سے ایک بھی فوت ہوگی تو تناقض نہیں پایا جائے گا؛ چناں چہ زَيْدٌ قَائِمٌ اور عَمْرٌو قَائِمٌ میں تناقض نہیں؛ کیوں کہ موضوع ایک نہیں اور زَيْدٌ قَائِمٌ اور زَيْدٌ لَيْسَ بِقَاعِدٍ میں تناقض نہیں؛ کیوں کہ محمول ایک نہیں ہے اور "زَيْدٌ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ، زَيْدٌ لَيْسَ بِجَالِسٍ فِي الْمَدْرَسَةِ" میں تناقض نہیں؛ کیوں کہ مکان ایک نہیں اور "الشَّمْسُ مُضِيئَةٌ إِذَا طَلَعَتْ، الشَّمْسُ لَيْسَ بِمُضِيئَةٍ إِذَا غَرَبَتْ" میں تناقض نہیں؛ کیونکہ شرط ایک نہیں ہے اور "زَيْدٌ أَبُوْبَكْرٍ، زَيْدٌ لَيْسَ بِأَبِي عَمْرٍو" میں تناقض نہیں ہے؛ کیوں کہ اضافت ایک نہیں ہے اور "الزَّنْجِيُّ أَسْوَدُ بَعْضُهُ، الزَّنْجِيُّ لَيْسَ بِأَسْوَدَ كُلُّهُ" میں تناقض نہیں ہے؛ کیوں کہ دونوں میں کل یا بعض پر حکم نہیں ہے اور "الْخَمْرُ مُسْكِرَةٌ بِالْقُوَّةِ"، "الْخَمْرُ لَيْسَ بِمُسْكِرٍ بِالْفِعْلِ" میں تناقض نہیں ہے؛ کیوں کہ دونوں جگہ بالقوۃ یا بالفعل حکم نہیں ہے اور "زَيْدٌ نَائِمٌ فِي اللَّيْلِ، زَيْدٌ لَيْسَ بِنَائِمٍ فِي النَّهَارِ" میں تناقض نہیں ہے؛ کیوں کہ زمانہ (ظرف) ایک نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شرائط تناقض در محصورات:

اور اگر دو قضیے محصورہ ہوں تو پھر ان آٹھ شرائط کے ساتھ ایک اور شرط ضروری ہے اور وہ ہے کلیت و جزئیت میں اختلاف، یعنی اگر ایک قضیہ محصورہ کلیہ ہو تو دوسرا جزئیہ ہو، خواہ پہلا کلیہ اور دوسرا جزئیہ، یا پہلا جزئیہ اور دوسرا کلیہ ہو، جیسے: كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ، بَعْضُ الْإِنْسَانِ بِحَيَوَانٍ، يابَعْضُ الْحَيَوَانِ إِنْسَانٌ، لَاشَيْءَ مِنَ الْحَيَوَانِ بِإِنْسَانٍ.

لہٰذا اگر یہ کلیت و جزئیت کا اختلاف نہ ہوگا تو قضایا محصورہ میں تناقض نہ ہوگا؛ کیونکہ ایسی جگہ جہاں پر موضوع عام اور محمول خاص ہو تو وہاں پر دونوں قضیے محصورہ کبھی جھوٹے ہوں گے، جیسے: "كُلُّ حَيَوَانٍ إِنْسَانٌ، لَاشَيْءَ مِنَ الْحَيَوَانِ بِإِنْسَانٍ" اور کبھی دونوں سچے ہوتے ہیں، جیسے: "بَعْضُ الْحَيَوَانِ إِنْسَانٌ، بَعْضُ الْحَيَوَانِ لَيْسَ بِإِنْسَانٍ" تو پتہ چلا کہ اختلاف فی الکم قضایا محصورہ میں تناقض کے لیے ضروری ہے۔

شرائط تناقض در موجہات:

اگر دو قضیے موجہہ ہوں تو پھر مذکورہ نو شرائط کے ساتھ اختلاف فی الجہت کی شرط بھی ضروری ہے، یعنی پہلے قضیہ میں جو جہت ہے دوسرے میں اس کے علاوہ دوسری جہت ہو، جیسے: "كُلُّ إِنْسَانٍ حَيَوَانٌ بِالضَّرُوْرَةِ" اور "بَعْضُ الْإِنْسَانِ لَيْسَ بِحَيَوَانٍ بِالْإِمْكَانِ الْعَامِّ".

لہٰذا اگر جہت ایک ہوگی تو تناقض نہ ہوگا؛ کیوں کہ مادہ اگر امکانی ہو تو اس صورت میں جہت کے ایک ہونے کی شکل میں دونوں قضیے کبھی کاذب ہو جاتے ہیں، جیسے: "كُلُّ إِنْسَانٍ كَاتِبٌ بِالضَّرُوْرَةِ" اور "لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِكَاتِبٍ بِالضَّرُوْرَةِ" یہ دونوں امکانی مادے ہیں، یعنی انسان کے لیے کتابت اور عدمِ کتابت دونوں ممکن ہے اور یہاں پر دونوں طرف "ضرورۃ" کی جہت لگی ہوئی ہے، تو دونوں ہی جھوٹے ہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور کبھی امکانی صورت میں اتحاد جہت کی وجہ سے قضیے صادق ہوتے ہیں، جیسے: "کُلُّ إِنْسَانٍ کَاتِبٌ بِالْإِمْکَانِ الْعَامِّ" اور "لَاشَيْءَ مِنَ الْإِنْسَانِ بِکَاتِبٍ بِالْإِمْکَانِ الْعَامِّ" یہ دونوں سچے ہیں، تو پتہ چلا کہ اختلافِ جہت قضایا موجہہ میں تناقض کے لیے ضروری ہے، تاکہ تناقض متحقق ہو سکے، یعنی ایک قضیہ موجہہ سچا اور دوسرا جھوٹا ہو سکے۔

شرائط تناقض عند المتاخرین وغیرہم:

متاخرین کے نزدیک تناقض کے لیے صرف دو شرطیں ہیں:

(۱) وحدۃِ موضوع (۲) وحدۃِ محمول

یہ حضرات کہتے ہیں کہ وحدت شرط اور وحدت جزء وکل، اوّل شرط (وحدۃ موضوع) میں داخل ہیں اور باقی وحدت محمول میں داخل ہیں۔

شیخ ابونصر فارابی کے نزدیک صرف ایک شرط ہے، وحدۃ نسبت حکمیہ، باقی سب اسی میں داخل ہیں۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

المصطلاحات المفیدہ

علم : کسی شئے کی صورت کا تمہارے ذہن میں آنا جیسے: زید۔ کسی نے بولا اور تمہارے ذہن میں اس کی صورت آئی۔ یہ زید کا علم ہے۔

علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) تصور (۲) تصدیق

تصور: وہ علم ہے جس میں اس قسم کا علم نہ ہو جیسے: صرف زید کا علم یا مثلاً زید کا غلام۔

تصدیق : علم اس بات کا ہے کہ فلاں شئے ہے جیسے کہ تم کو اس بات کا علم ہو کہ زید عمر کا باپ ہے۔

تصور کی دو قسمیں ہیں: (۱) تصور بدیہی (۲) تصور نظری

تصور بدیھی: ایسی شئے کا علم ہے کہ اس کی تعریف بتانے کی ضرورت نہ ہو بغیر تعریف کے سمجھ میں آجائے۔ جیسے: پانی، آگ، گرمی، سردی کہ سنتے ہی یہ چیزیں تمہاری سمجھ میں آجاتی ہیں، تعریف کی ضرورت نہیں۔

تصور نظری : اس شئے کا علم ہے کہ بغیر تعریف کیے وہ تمہاری سمجھ میں نہ آئے جیسے: اسم، فعل، حرف، معرب، مبنی، جن، فرشتہ، بھوت، دیو۔

تصدیق کی بھی اسی طرح دو قسمیں ہیں: (۱) تصدیق بدیہی (۲) تصدیق نظری

تصدیق بدیھی : وہ تصدیق ہے، جس کے لیے دلیل بنانے کی ضرورت نہ ہو۔ جیسے: دو چار کا آدھا ہے اور ایک چار کا چوتھائی ہے۔

تصدیق نظری: وہ تصدیق ہے جس کے لیے دلیل بتانے کی ضرورت ہو۔ جیسے: پریاں موجود ہیں۔ عالم بنانے والا اور تصرف کرنے والا ایک ذات پاک ہے۔

دو یا زیادہ تصور کو آپس میں ملا کر کسی نامعلوم تصور کو حاصل کرتے ہیں۔ جیسے: مثلاً تم کو حیوان کا علم ہے اور ناطق کا دونوں کو ملایا تو حیوانِ ناطق ہوا۔ ان دو تصوروں سے تم کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انسان نامعلوم کا علم ہوگیا اوران دو معلوم تصوروں کو جن سے نامعلوم تصور کا علم ہوا ہے تعریف اور معرف کہتے ہیں۔اسی طرح دو تصدیق یا زیادہ کو ملا کر کسی نامعلوم تصدیق کو معلوم کرتے ہیں۔جیسے:تم کو یہ بات معلوم ہے کہ انسان جاندار ہےاور یہ بھی علم ہے کہ ہر جاندار جسم والا ہےان دونوں باتوں کوتم نے ملایا توتم کواس بات کا علم ہوا کہ انسان جسم والا ہے۔اوران دونوں تصدیق معلوم کو جن سے نامعلوم تصدیق حاصل کرتے ہیں دلیل اور حجۃ کہتے ہیں۔اس طرح دو علموں یا زیادہ کو ملا کر کسی شیٔ نامعلوم کے معلوم کرنے کو فکر اور نظر کہتے ہیں کبھی اس ملانے اور ترتیب میں غلطی بھی ہوجاتی ہے،ایسی غلطی کی اصلاح جس علم سے ہو وہ منطق ہے پس منطق وہ علم ہے جس سے کسی شئے کی تعریف اور دلیل بنانے میں خطا ہونے سے حفاظت ہو۔اورغرض اس علم کی فکراورغور کا صحیح ہونا اس کے بعد سمجھو کہ جس شئے کے حالات سے کسی علم میں بحث ہو وہ شئے اس علم کا موضوع ہے۔منطق کا موضوع تعریفات اور دلیلیں ہیں،جن سے نہ جانے ہوئے تصور اور نہ جانی ہوئی تصدیق کا علم حاصل ہو۔

دلالت: کسی شیٔ کا خودبخود قدرتی طور پر یا کسی کے مقرر کرنے سے ایسا ہونا کہ اس کے جاننے سے دوسری نامعلوم چیز کا علم ہوجائے۔پہلی شئے کو جس سے علم ہوا ہے دال اور دوسری چیز کو جس کا علم کہتے ہیں جیسے دھوئیں کو جب تم دیکھو تو اس سے آگ کا علم تم کو ضرور ہوگا پس دھواں دال اور آگ مدلول اور دھویں کا اس طور پر ہونا کہ اس کے علم سے آگ کا علم ہوتا ہے دلالت ہے۔

دلالت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)لفظیہ (۲) غیر لفظیہ

دلالت لفظیہ: وہ دلالت ہے جس میں دال کوئی لفظ ہو جیسے زید کی دلالت اس کی ذات پر۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلالت غیرلفظیہ : وہ دلالت ہے کہ جس میں دال لفظ ہو جیسے: دھوئیں کی دلالت آگ پر۔

دلالتِ لفظیہ کی تین قسمیں ہیں: (۱)وضعیہ (۲)طبعیہ (۳)عقلیہ

دلالت لفظیہ وضعیہ : وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ ہو اور دلالت وضع کی وجہ سے ہو۔ جیسے: لفظ زید کی دلالت زید پر اگر لفظ زید ذاتِ زید کے لیے موضوع نہ ہوتا تو دلالت نہ ہوتی۔

دلالت لفظیہ طبعیہ : وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ ہو اور دلالت بوجہ طبیعت کے اقتضاء کے ہو جیسے: آہ آہ کی دلالت کسی رنج وصدمہ پر، کہ تمہاری طبیعت رنج وصدمہ کے وقت اس لفظ کے بولنے پر مقتضی ہے۔

دلالت لفظیہ عقلیہ : وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ ہو اور دلالت بوجہ عقل کے اقتضاء کے ہو جیسے: لفظ دیز کی دلالت جو دیوار کے پیچھے سے سنا جائے بولنے والے کے وجود پر۔

اسی طرح دلالتِ غیرلفظیہ کی تین قسمیں ہیں: (۱)وضعیہ (۲)طبعیہ (۳)عقلیہ

دلالت غیرلفظیہ وضعیہ : وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ نہ ہو اور دلالت بوجہ وضع کے ہو۔ جیسے: لکھے ہوئے حروف کی دلالت حروف پر جیسے مثلاً زید یہ نقوش لفظ زید پر دلالت کرتے ہیں۔

دلالت غیرلفظیہ طبعیہ : وہ دلالت ہے کہ دال لفظ نہ ہو اور دلالت بوجہ طبیعت کے اقتضاء کے ہو جیسے گھوڑے کا ہنہنانا دلالت کرتا ہے گھاس دانے کی طلب پر۔

دلالت غیرلفظیہ عقلیہ : وہ دلالت ہے کہ دال لفظ نہ ہو اور دلالت بوجہ عقل کے ہو جیسے: دھویں کی دلالت آگ پر۔

دلالتِ لفظیہ وضعیہ کی تین قسمیں ہیں: (۱)مطابقہ (۲)تضمن (۳)التزام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلالت مطابقہ: وہ دلالت لفظیہ ہے کہ لفظ اپنے پورے موضوع لہٗ پر دلالت کرتے۔ جیسے: انسان کی دلالت مجموعۂ حیوان ناطق پر۔

دلالت تضمن: یہ ہے کہ لفظ اپنے موضوع لہٗ کے جز پر دلالت کرے۔ جیسے: انسان کی دلالت حیوان پر یا ناطق پر۔

دلالت التزام: یہ ہے کہ لفظ اپنے موضوع لہٗ کے لازم پر دلالت کرے۔ جیسے: انسان کی دلالت قابلیت علم پر۔

مفرد: وہ لف ہے کہ اس کے جزو سے اس کے معنیٰ کے جزو پر دلالت کا قصد نہ ہو جیسے: لفظ زید کہ اس کے جزو سے مثلاً سے اس کے معنیٰ کے جزو پر دلالت کا ارادہ نہیں؛ بلکہ دلالت ہی نہیں۔

مرکب: وہ لفظ ہے کہ اس کے جزو سے معنیٰ کے جزو پر دلالت کا ارادہ کیا جائے۔ جیسے: زید کھڑا ہے کہ یہ ایسا لفظ ہے اس کے جزو سے معنیٰ کے جزو پر دلالت کا ارادہ کیا گیا۔

مفہوم: (یعنی جو شئی ذہن میں آتی ہے) کی دو قسمیں ہیں: (۱) کلی (۲) جزئی

کلی: وہ مفہوم ہے کہ اس میں شرکت ہو سکے یعنی کئی چیزوں پر صادق آئے جیسے آدمی کہ زید، عمرو، بکر ان سب کو آدمی کہنا صحیح ہے۔ کلی جن چیزوں پر بولی جاتی ہے وہ اس کے جزئیات و افراد کہلاتے ہیں جیسے آدمی کے افراد و جزئیات زید و عمرو و بکر وغیرہ ہیں اور حیوان کے جزئیات انسان، بکری، بیل وغیرہ ہیں۔

جزئی: وہ مفہوم ہے کہ اس میں شرکت نہ ہو سے یعنی ایک شئی معین پر صادق آئے۔ جیسے: زید کہ ایک خاص شخص کا نام ہے۔

کلی کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذاتی (۲) عرضی

کلی ذاتی: وہ کلی ہے کہ جو اپنی جزئیات کی پوری حقیقت ہو یا پوری حقیقت نہ ہو؛ لیکن اس کا ایک جز وہو۔ اوّل کی مثال: جیسے انسان کہ اپنی جزئیات یعنی زید عمر، بکر کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عین حقیقت ہے اور دوسرے کی مثال حیوان ہے کہ اپنی جزئیات یعنی انسان بکری بیل کی حقیقت کا جزو ہے۔

کلی عرضی: وہ کلی ہے کہ جو اپنی جزئیات کی نہ پوری حقیقت ہو اور نہ حقیقت کا جزو ہو؛ بلکہ حقیقت سے خارج ہو جیسے: ضاحک انسان کے لیے نہ حقیقت ہے اور نہ حقیقت کا جزو ہے۔

ذاتی کی تین قسمیں ہیں: (۱) جنس (۲) نوع (۳) فصل

جنس: وہ کلی ذاتی ہے جو ایسے جزئیات پر بولی جائے کہ ان جزئیات کی حقیقتیں الگ الگ ہوں جیسے حیوان کہ اس کی جزئیات انسان، بقر اور غنم کی حقیقت جدا جدا ہے۔

نوع: وہ کلی ذاتی ہے جو ایسے جزئیات پر بولی جائے کہ ان جزئیات کی حقیقت ایک ہو۔ جیسے: انسان کہ زید، عمر، بکر وغیرہ کی نوع ہے اور ان کی حقیقت ایک ہے۔

فصل: وہ کلی ذاتی ہے جو ایسی جزئیات پر بولی جائے کہ ان کی حقیقت ایک ہو اور دوسری حقیقتوں سے اس حقیقت کو جدا کرے۔ جیسے: ناطق انسان کا فصل ہے کہ زید، عمر، بکر پر بولا جاتا ہے۔

کلی عرضی کی دو قسمیں ہیں: (۱) خاصہ (۲) عرضِ عام

خاصہ: وہ کلی عرضی ہے جو ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہو۔ جیسے: ضاحک انسان کا خاصہ ہے اور زید، عمر اور بکر (کہ جن کی حقیقت ایک ہے) کے ساتھ خاص ہے۔

عرضِ عام: وہ کلی عرضی ہے جو چند مختلف افراد کی حقیقتوں پر صادق آئے۔ جیسے: ماشی (پاؤں سے چلنے والا) انسان، بقر وغیرہ کا عرضِ عام ہے اور انسان کی حقیقت اور ہے اور بقر کی دوسری ہے، پس کلی کی خواہ وہ ذاتی ہو یا عرضی پانچ قسمیں ہیں: (۱) جنس (۲) نوع (۳) فصل (۴) خاصہ (۵) عرضِ عام

جنس کی دو قسمیں ہیں: (۱) جنسِ قریب (۲) جنسِ بعید

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جنس قریب: کسی ماہیت کی وہ جنس ہے کہ اس کی جزئیات میں جن دو جزئی یا زیادہ سے سوال کیا جائے تو جواب میں وہی جنس واقع ہو جیسے: حیوان انسان کی جنسِ قریب ہے کہ، حیوان کے اراد میں سے جن دو یا زیادہ سے سوال کریں جواب میں حیوان ہی ہوگا۔

جنس بعید: کسی ماہیت کی وہ جنس ہے کہ اس کے افراد میں سے جن دو یا زیادہ سے سوال کیا جائے تو جواب میں اسی جنس کا آنا ضروری نہیں کبھی وہ جواب میں آئے کبھی دوسری جیسے: جسم نامی انسان کی جنس بعید ہے کہ اگر انسان اور فرس اور درخت سے سوال کریں تو جواب میں جسم نامی اور آئے گا اور اگر صرف انسان اور فرس سے سوال کریں تو جواب میں حیوان آئے گا جسم نامی نہ ہوگا۔

فصل کی دو قسمیں ہیں: (۱) فصل قریب (۲) فصل بعید

فصل قریب: کسی ماہیت کا وہ فصل ہے کہ جنسِ قریب میں جو جزئیات اس ماہیت کے شریک ہیں وہ فصل ان جزئیات سے اس ماہیت کو جدا کردے۔ جیسے: انسان، بقر، غنم، حمار اور فرس۔ دیکھو حیوان ہونے میں سب شریک ہیں اور حیوان انسان کی جنس قریب ہے اور ناطق انسان کو بقر، غنم وغیرہ سے جدا کرتا ہے تو ناطق انسان کے لیے فصل قریب ہے۔

فصل بعید: کسی ماہیت کا وہ فصل ہے کہ جنس بعید میں جو جزئیات اس ماہیت کے شریک ہیں وہ فصل ان جزئیات سے اس ماہیت کو علیحدہ کردے اور جنس قریب میں جو شریک ہیں ان سے جدا نہ کرے جیسے: حساس انسان کا فصل بعید ہے کہ جسم نامی میں جو انسان کے شریک ہیں ان سے حساس تمیز دیتا ہے اور حیوان میں جو شریک ہیں ان سے جدا نہیں کرتا۔

جاننا چاہیے کہ جس قدر کلیات ہیں ہر کلی کو دوسری کلی کے ساتھ چار نسبتوں میں سے ایک نسبت ضروری ہوگی وہ چار نسبتیں یہ ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) تساوی، (۲) تباین (۳) عموم وخصوص مطلق (۴) عموم وخصوص من وجہ

تساوی : یہ ہے کہ دوکلیوں میں سے ہر کلی دوسری کلی کے ہر ہر فرد پر صادق ہو۔ جیسے: انسان اور ناطق کہ ان میں سے ہرایک دوسرے کے ہر ہر فرد پر صادق ہے ایسی دوکلیوں کو متساوبین کہتے ہیں۔

تباین: یہ ہے کہ ہرایک کلی دوسری کلی کے کسی فرد پر صادق نہ ہو، جیسے: انسان اور فرس کہ انسان فرس کے کسی فرد پر صادق نہیں اور نہ فرس انسان کے کسی فرد پر صادق ہے ایسی دوکلیوں کو متبائنین کہتے ہیں۔

عموم و خصوص مطلق : وہ نسبت ہے کہ ایک کلی تو دوسری کلی کے ہر ہر فرد پر صادق ہو اور دوسری پہلی کے ہر ہر فرد پر صادق نہ ہو پہلی جو کہ دوسری کے ہر ہر فرد پر صادق ہے اس کو عام مطلق اور دوسری کو خاص مطلق کہتے ہیں جیسے: حیوان اور انسان کہ حیوان تو انسان کے ہر ہر فرد پر صادق ہے اور انسان حیوان کے ہر ہر فرد پر صادق نہیں ہے حیوان عام مطلق اور انسان خاص مطلق ہے۔

عموم و خصوص من وجہ : وہ نسبت ہے کہ ہرایک کلی دوسری کلی کے بعض افراد پر صادق ہو اور بعض پر نہ ہو جیسے: حیوان اور ابیض کہ حیوان ابیض کے بعض افراد پر صادق ہے اور بعض پر نہیں اسی طرح ابیض حیوان کے بعض افراد پر صادق ہے اور بعض پر نہیں ہے ان میں سے ہرایک کو عام من وجہٍ اور خاص من وجہٍ کہتے ہیں۔

دو یا زیادہ جانے ہوئے تصوروں کو ترکیب دے کر کسی نہ جانے ہوئے تصور کو جب معلوم کریں تو ان تصور یا زیادہ کو معرف اور قولِ شارح کہتے ہیں جیسے تم کو حیوان اور ناطق کا علم ہے ان دونوں کو ملایا تو حیوانِ ناطق ہوا۔ اس سے تم کو انسان نامعلوم کی حقیقت کا علم ہوگیا۔ پس حیوانِ ناطق کو انسان کا معرف کہیں گے۔

معرف یا قولِ شارح کی چار قسمیں ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) حدتام (۲) حدناقص (۳) رسمِ تام (۴) رسمِ ناقص

حدتام: کسی شی کی وہ معرف ہے کہ اس شئے کی جنس قریب اور فصل قریب سے مرکب ہو جیسے: حیوانِ ناطق انسان کی حدتام ہے۔

حدناقص: کسی شی کی وہ معرف ہے کہ اس شئے کی جنس بعید اور فصل قریب سے یا صرف فصل قریب سے مرکب ہو جیسے جسم ناطق یا صرف ناطق انسان کی حدناقص ہے۔

رسم تام: کسی شی کی وہ معرف ہے کہ اس شی کی جنسِ قریب اور خاصہ سے مل کر بنے۔ جیسے: حیوانِ ضاحک انسان کی رسمِ تام ہے۔

رسم ناقص: کسی شی کی وہ معرف ہے جو اس کی جنسِ بعید اور خاصہ سے یا صرف خاصہ سے مل کر بنے۔ جیسے: جسم ضاحک انسان کی رسمِ ناقص ہے۔

قضیہ: وہ مرکب لفظ ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں۔ جیسے: زید کھڑا ہے۔

قضیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) حملیہ (۲) شرطیہ

حملیہ: وہ قضیہ ہے جو دو مفرد سے مل کر بنے اور اس میں ایک شی کا دوسری شی کے لیے ثبوت ہو۔ جیسے: زید کھڑا ہے کہ اس میں زید کے لیے کھڑا ہونا ثابت کیا گیا ہے یا ایک شی سے دوسری شی کی نفی ہو جیسے زید عالم نہیں کہ اس میں زید سے عالم ہونے کو نفی کی گئی ہے۔ اوّل کو موجبہ اور دوسرے کو سالبہ کہتے ہیں۔ قضیہ حملیہ کے جزو اوّل کو موضوع اور دوسرے جز کو محمول کہتے ہیں اور جو ان دونوں کے درمیان نسبت ہے اس پر جو لفظ دلالت کرے اس کو رابطہ کہتے ہیں۔ جیسے: زید کھڑا ہے اس قضیہ میں زید موضوع ہے اور کھڑا محمول ہے اور لفظ ہے رابطہ ہے۔

قضیہ حملیہ کی چار قسمیں ہیں: (۱) مخصوصہ (۲) طبعیہ (۳) محصورہ (۴) مہملہ

قضیہ مخصوصہ یا شخصیہ: وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع شخص معین ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جیسے: زید کھڑا ہے کہ اس کا موضوع زید ہے اور وہ شخص معین ہے۔

قضیہ طبعیہ: وہ قضیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم اس کا کلی کے مفہوم پر ہو افراد پر نہ ہو۔ جیسے: انسان نوع ہے اور اس میں نوع ہونے کا حکم انسان کے مفہوم کے لیے ہے انسان کے افراد کے لیے نہیں۔

قضیہ محصورہ: وہ قضیہ ہے کہ موضوع اس کا کلی ہو اور حکم اس کا کلی کے افراد پر ہو اور یہ بھی اس میں بیان کیا جائے کہ حکم اس کلی کے ہر ہر فرد پر ہے یا بعض افراد پر جیسے: ہر انسان جاندار ہے دیکھو اس میں موضوع کلی یعنی انسان ہے اور حکم جاندار ہونے کا اس کے ہر ہر فرد پر ہے۔

قضیہ محصورہ کی چار قسمیں ہیں اور ان کو محصوراتِ اربعہ کہتے ہیں۔

(۱) موجبہ کلیہ (۲) موجبہ جزئیہ (۳) سالبہ کلیہ (۴) سالبہ جزئیہ

موجبہ کلیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ بیان کیا جائے کہ موضوع کے ہر ہر فرد کے لیے محمول ثابت ہے۔ جیسے: ہر انسان جاندار ہے۔

موجبہ جزئیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ بیان ہو کہ موضوع کے بعض افراد کے لیے محمول ثابت ہے۔ جیسے: بعض جاندار انسان ہیں۔

سالبہ کلیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ ظاہر کیا جائے کہ محمول موضوع کے ہر ہر فرد سے نفی کیا گیا ہے۔ جیسے: کوئی انسان پتھر نہیں۔

سالبہ جزئیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ بیان ہو کہ محمول موضوع کے بعض افراد سے سلب کیا گیا ہے۔ جیسے: بعض جاندار انسان نہیں۔

قضیہ مہملہ: وہ قضیہ ہے کہ محمول موضوع کے افراد کے لیے ثابت ہے اور یہ نہ بیان کیا جائے کہ ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہے یا بعض کے لیے جیسے: انسان جاندار ہے۔

قضیہ شرطیہ: وہ قضیہ ہے جو دو قضیوں سے مل کر بنے۔ جیسے: اگر سورج نکلے گا تو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دن ہوگا۔ سورج نکلے گا ایک قضیہ ہے اور دن ہوگا دوسرا قضیہ ہے یا جیسے: زید یا تو پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ ہے زید پڑھا ہوا ہے ایک قضیہ ہوا اور زید ان پڑھ ہے یہ دوسرا قضیہ ہے اور ان میں سے پہلے قضیہ کو مقدم اور دوسرے کو تالی کہتے ہیں۔

قضیہ شرطیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) متصلہ (۲) منفصلہ

شرطیہ متصلہ: وہ قضیہ شرطیہ ہے کہ اس میں یہ بات ہو کہ ایک قضیہ کے تسلیم کر لینے پر دوسرے قضیہ کے ثبوت یا نفی کا حکم ہو۔ اگر ثبوت کا حکم ہوگا تو متصلہ موجبہ کہلائے گا۔ جیسے: اگر زید انسان ہے تو جاندار بھی ہوگا، دیکھو اس قضیہ میں زید کے انسان ہونے پر اس کے جاندار ہونے کا حکم کیا گیا ہے اور اگر نفی کا حکم ہوگا تو متصلہ سالبہ ہوگا۔ جیسے: نہیں ہے یہ بات کہ اگر زید انسان ہو تو گھوڑا ہو۔ دیکھو اس قضیہ میں زید کے انسان ہونے کی صورت پر اس کے گھوڑا ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

شرطیہ منفصلہ: وہ قضیہ ہے کہ اس میں دو چیزوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کے ثبوت یا نفی کا حکم کیا جائے اگر جدائی کا ثبوت ہو تو اس کو منفصلہ موجبہ کہتے ہیں۔ جیسے: یہ شئی یا تو درخت ہے یا پتھر ہے۔ دیکھو! اس قضیہ میں درخت اور پتھر کے درمیان جدائی ثابت کی گئی ہے کہ ایک ہی شئی درخت اور پتھر دونوں نہیں ہو سکتی اور اگر جدائی کی نفی کی گئی ہو تو اس قضیہ کو منفصلہ سالبہ کہتے ہیں جیسے یوں کہیں یہ بات نہیں ہے کہ یا تو سورج نکلا ہو یا دن موجود ہو یعنی ان دونوں باتوں میں جدائی نہیں؛ بلکہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔

شرطیہ متصلہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) لزومیہ (۲) اتفاقیہ

متصلہ لزومیہ: وہ قضیہ ہے جس کے مقدم یعنی پہلے قضیہ اور تالی یعنی دوسرے قضیہ میں کسی ایسی قسم کا تعلق ہو کہ جب اوّل پایا جائے تو دوسرا بھی ضرور ہو۔ جیسے: اگر سورج نکلے گا تو دن ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

متصلہ اتفاقیہ : وہ قضیہ شرطیہ متصلہ ہے کہ جس کے مقدم وتالی میں اس قسم کا تعلق نہ ہو؛ بلکہ دونوں قضیے اتفاقاً جمع ہو گئے ہوں جیسے: یوں کہیں کہ اگر انسان جاندار ہے تو پتھر بے جان ہے۔

شرطیہ منفصلہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) عنادیہ (۲) اتفاقیہ

عنادیہ : وہ منفصل ہے کہ جس کے مقدم اور تالی کی ذات ہی ان کے درمیان جدائی کو چاہتی ہو۔ جیسے: یہ عدد یا تو طاق ہے یا جفت دیکھو طاق اور جفت ایسے مقدم اور تالی ہیں کہ ان کی ذات جدائی کو چاہتی ہے کبھی ایک شی میں جمع نہ ہوں گے۔

منفصلہ اتفاقیہ : وہ قضیہ منفصلہ ہے کہ جس کے مقدم اور تالی میں جدائی ذاتی نہ ہو؛ بلکہ اتفاقاً ہوگئی ہو۔ جیسے: زید مثلاً لکھنا جانتا ہو اور شعر کہنا نہ جانتا ہو تو یوں کہنا صحیح ہوگا کہ زید لکھنے والا ہے یا شاعر ہے یعنی ان دونوں میں سے ایک بات ہے؛ لیکن لکھنے اور شعر کہنے کے فن میں جدائی ضروری نہیں؛ اس لیے کہ بعضے لکھنا بھی جانتے ہیں اور شعر کہنا بھی۔

شرطیہ منفصلہ کی پھر تین قسمیں ہیں: (۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو

حقیقیہ : وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی میں ایسی جدائی اور انفصال ہو کہ دونوں ایک شی میں ایک دم سے نہ جمع ہوں اور نہ دونوں ایک شیٔ سے ایک دم سے علیحدہ ہوں ایک ہو تو دوسرا ہرگز نہ ہو اور ایک نہ ہو تو دوسرا ضرور موجود ہو نہ تو یہ ہوگا کہ دونوں ہوں اور نہ یہ ہوگا کہ دونوں نہ ہوں۔ جیسے: یہ عدد یا تو طاق ہے یا جفت۔ دیکھو! ایک عدد یا تو طاق ہوگا یا جفت ہوگا دونوں نہ ہوں گے اور نہ یہ ہوگا کہ کوئی عدد ایسا ہو کہ نہ طاق ہو اور نہ جفت۔

مانعۃ الجمع : وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی ایک دم سے ایک شئے کے اندر موجود تو نہ ہوسکیں ہاں یہ ہوسکتا ہو کہ کوئی شی ایسی ہو کہ اس میں مقدم اور تالی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دونوں نہ ہوں۔ جیسے: یہ شی یا درخت ہے یا پتھر۔ دیکھو! ایک شی درخت اور پتھر نہیں ہوسکتی۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ کوئی شئے نہ درخت ہو نہ پتھر ہو۔ جیسے: انسان وفرس۔

مانعۃ الخلو: وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی ایک دم سے ایک شی سے علیحدہ تو نہ ہوسکیں ہاں یہ ہوسکتا ہو کہ وہ مقدم اور تالی ایک شی کے اندر جمع ہوجائیں۔ جیسے: زید پانی میں ہے یا ڈوبنے والا نہیں ہے۔ دیکھو! یہ دونوں باتیں ایک دم سے علیحدہ نہیں ہوسکتیں کہ زید پانی میں نہ ہو اور ڈوب جائے ہاں! دونوں جمع ہوسکتی ہیں کہ پانی میں ہو اور ڈوبے نہیں؛ بلکہ تیر تا رہے۔

عکس مستوی: کسی قضیے کا یہ ہے کہ اس قضیے کے اوّل جز کو دوسرا جز کردیا جائے اور دوسرے جز کو پہلا جز بنادیا جائے یعنی بالکل اُلٹ دیا جائے اور یہ اُلٹ پھیر ایسے طور سے کریں کہ اگر پہلا قضیہ سچا ہے تو دوسرا جو اس کا اُلٹا ہے وہ بھی سچا ہی رہے اور پہلا اگر سالبہ ہو تو دوسرا بھی سالبہ ہی ہو اور اس دوسرے اُلٹے ہوئے قضیہ کو پہلے کا عکس مستوی کہتے ہیں۔ جیسے ہر انسان جاندار ہے اس کا عکس یہ نکلے گا کہ بعض جاندار انسان ہیں یہ نہ نکلے گا کہ ہر جاندار انسان ہے؛ کیونکہ یہ غلط ہوجائے گا اسی واسطے موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آتا ہے اور سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ آئے گا۔ جیسے: کوئی انسان پتھر نہیں، اس کا عکس کوئی پتھر انسان نہیں آئے گا اور سالبہ جزئیہ کا عکس ہر جگہ لازمی طور سے نہیں آتا۔ دیکھو! بعض جاندار انسان نہیں۔ سالبہ جزئیہ ہے اس کا عکس بعض انسان جاندار نہیں اگر نکالیں تو صادق نہ ہوگا۔

حجۃ: (جس کی تعریف تم پڑھ چکے ہو) کی تین قسمیں ہیں:

(۱) قیاس (۲) استقرا (۳) تمثیل

قیاس: وہ قول مرکب ہے جو ایسے دو یا زیادہ قضیوں سے مل کر بنے کہ اگر ان قضیوں کو مان لیں تو ایک اور قضیہ بھی ماننا پڑا اور یہ قضیہ جس کو ماننا ضروری ہے نتیجہ کہلاتا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے۔ جیسے: ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم ہے یہ دو قضیے ہیں ان کو اگر تم مان لو تو ان کے ماننے سے تم کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہر انسان جسم ہے اس میں یہ دو قضیے تو قیاس کہلائیں گے اور تیسرا قضیہ جس کا ماننا لازم ہے نتیجہ کہلاتا ہے۔ خوب سمجھ لو اور نتیجہ کے اندر جو موضوع ہے۔ جیسے انسان کا اصغر نام رکھا جاتا ہے اور محمول جیسے جسم ہے اکبر کہتے ہیں اور جو قضیہ قیاس کا جزو بنے اس کو مقدمہ کہتے ہیں۔ جیسے: مثال مذکور میں ہر انسان جاندار ہے یہ ایک مقدمہ ہے اور ہر جاندار جسم ہے یہ دوسرا مقدمہ ہے۔ جس مقدمہ میں اصغر (نتیجہ کے موضوع) کا ذکر ہو اس کو صغریٰ کہتے ہیں اور جس میں اکبر (نتیجہ کے محمول) کا ذکر ہو اس کو کبریٰ کہتے ہیں۔ جیسے: مثالِ مذکور ہے ہر انسان جاندار ہے صغریٰ ہے؛ اس لیے کہ اصغر یعنی ہر انسان مذکور ہے اور ہر جاندار جسم ہے کبریٰ ہے؛ اس لیے کہ اس میں اکبر یعنی جسم کا ذکر ہے اور اصغر و اکبر کے سوا جو شئی قیاس میں مکرر مذکور ہو وہ حد اوسط کہلاتی ہے؛ اس لیے کہ یہ اصغر اور اکبر کے سوا ہے اور دو دفعہ اس کا ذکر آتا ہے۔

قیاس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قیاسِ استثنائی (۲) قیاسِ اقترانی

قیاس استثنائی: وہ قیاس ہے جو دو قضیوں سے مرکب ہو اور پہلا قضیہ شرطیہ ہو اور دونوں کے درمیان لفظ لیکن آئے اور خود نتیجہ یا نتیجہ کی نقیض اس قیاس میں مذکور ہو۔ جیسے: جب سورج نکلے گا دن موجود ہوگا؛ لیکن سورج موجود ہے، پس دن موجود ہے۔ دیکھو! اس قیاس میں نتیجہ بعینہٖ مذکور ہے جیسے جب سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا؛ لیکن دن موجود نہیں ہے، پس سورج نہیں ہے۔ دیکھو! اس قیاس میں نتیجہ کی نقیض یعنی سورج نکلے گا مذکور ہے۔

قیاس اقترانی: وہ ہے جس میں حرفِ لیکن مذکور نہ ہو اور نتیجہ یا نقیض نتیجہ بعینہٖ مذکور نہ ہو جیسے: ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم ہے پس ہر انسان جسم ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa